مطبوعات مؤتمر المصنفین (۳)

قومی اسمبلی میں

اسلام کا معرکہ

شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ

کی سرگرمیاں

قومی اسمبلی میں اسلامی، جمہوری، قومی و ملی مسائل پر قراردادیں مباحثات
پارلیمانی پارٹیوں کا موقف، تقاریر، تحاریکِ التوا، سوالات اور مسودۂ دستور
میں ترمیمات

مؤتمر المصنفین

دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)

پاکستان

جن کی نوائے نیم شب شورِ نشور بن گئی
جن کی نشید صبح گاہ روح میں بھر گئی شرار

نام کتاب ——— "قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ"

از افادات ——— شیخ الحدیث مولانا عبدالحق، ممبر نیشنل اسمبلی

ناشر ——— مؤتمر المصنفین اکوڑہ خٹک

پرنٹر ——— عالمین پرنٹرز لاہور

سلسلۂ مطبوعات ——— (۳)

صفحات ——— ۴۰۰

بار اول ——— شوال المکرم ۱۳۹۶ھ

قیمت ——— Rs 45

نگرانِ ادارہ ——— مولانا سمیع الحق

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

قیام پاکستان درحقیقت ان بے مثال قربانیوں کا نتیجہ تھا جو سرفروش علمائے حق برِصغیر کو سامراجی استبداد سے آزادی دلانے کے لیے ایک صدی سے دے رہے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے انقلابی پروگرام کو لے کر سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے بالاکوٹ کی پہاڑیوں کو اپنے خون سے لالہ زار بنایا۔ اکوڑہ خٹک اور شیدو کے میدانوں کو سینچا۔ پھر مجاہدین حریت اور حق و صداقت کے علمبردار علماء برِصغیر کے چپے چپے پر عزیمت و استقامت کے نقوش ثبت کرتے گئے۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حافظ ضامن شہیدؒ کا قائدانہ کردار کس سے مخفی ہے، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی کی عالمگیر تحریکِ ریشمی رومال کی گہرائیوں اور وسعتوں سے تو آج کا مورخ مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات میں یہی طبقہ پیش پیش تھا۔ کراچی جیل آج بھی شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جوشِ جہاد اور ولولوں کی شہادت دے سکتا ہے۔ اس بے نظیر جہاد اور جدوجہد کے نتیجہ میں انگریز نے رختِ سفر باندھا، برِصغیر کو آزادی ملی اور تقسیم ملک کے نتیجہ میں پاکستان کا قیام بھی عمل میں آیا جس کے لیے کروڑوں مسلمانوں نے گھر بار، جان و مال اور عزت و آبرو نثار کر دی اس لیے کہ یہاں لا الٰہ الا اللہ کی حکمرانی اور قرآن و سنت کا دور دورہ ہوگا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ مقصد فراموش کر دیا گیا۔ ربع صدی بیت گئی اور منزل دور ہوتی چلی گئی۔ قیام پاکستان کے مقاصد پر سیکولرازم سوشلزم، مغربیت، لادینی، اقتصادی اور معاشی خول چڑھا دیے گئے اور یہ زمین سرزمینِ بے آئین بنی رہی۔ ۱۹۷۰ء سے کچھ قبل اس نظریاتی انتشار نے ملک کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ اضطراب و بے چینی کے اس اضطراب انگیز ماحول میں اس وقت کے حکمران صدر یحییٰ نے آئین کی تشکیل کے لیے آزادانہ الیکشن کا

اعلان کیا اور قانون ساز ادارہ کے لیے چند بنیادی اصول (لیگل فریم ورک) بھی مقرر کر دیے کہ ان اصول کے دائرہ میں قانون سازی کی جائے گی۔

اسلام کی بالادستی، عملی نفاذ، اسلامی معاشرہ کا قیام علماء حق کی تمام مساعی کا بنیادی ہدف تھا اور اس راہ میں سیاسی جدوجہد اور تگ ودو عین جہادِ اسلامی۔ اسی لیے پاکستان کے اس نازک ترین موڑ میں یہ لوگ خاموش نہیں رہ سکتے تھے اور انتخابات کے میدان میں اُترے تاکہ الیکشن کے ذریعہ قومی اسمبلی تک پہنچ کر اسلام کے مطابق آئین سازی جیسے اہم کام میں اپنا فرض پورا کر سکیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم حقانیہ سابق استاذ دارالعلوم دیوبند جو جہاد و عزیمت کے علمبردار مذکورہ بالا مکتبِ فکر سے وابستہ اور ان ہی خطوط پہ دینی، علمی، تدریسی اصلاحی اور سیاسی کاموں میں منہمک مگر انتخابی سیاست کے ہنگاموں کی وجہ سے اپنی افتادِ طبع کی بنا پر کوسوں دور تھے۔ ایک طرف ان کی گوناگوں بے پناہ مصروفیات، دوسرے طرف عوارض اور علالت وضعف، الیکشن کا غلغلہ بلند ہوا تو آپ پشاور کے ہسپتال میں صاحبِ فراش تھے۔ جمعیۃ علماء اسلام (جو اس تاریخ ساز موڑ پر اکابر کے روایات کا علم اُٹھائے جہادِ اسلامی کے مقدمۃ الجیش میں برسرِ پیکار تھی) کے اکابر اور ہائی کمان نے فیصلہ کیا کہ ہر حالت میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کو بھی جمعیۃ العلماء اسلام کی طرف سے انتخابات میں حصہ لینے پر مجبور کیا جائے چنانچہ کئی اکابر ہسپتال گئے۔ بے شمار لوگوں کے وفود اور اس وقت ملک کے دونوں حصوں کے مختلف طبقاتِ فکر کے اکابر علماء نے بھی جمعیۃ کے اس فیصلہ کی زور دار تائید کی۔ دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کے ہر مکتبِ خیال کے ارکان نے بھی متفقہ سفارش کی مگر حضرت شیخ الحدیث کو آخر تک تردد رہا اور فرماتے رہے:

> "کہ مجھے ان ہنگاموں سے بڑی وحشت ہے۔ انسان تو کیا کسی چیونٹی سے محاذ آرائی مجھے اچھی نہیں لگتی پھر انتخابات کے ہنگامہ میں ایک دوسروں کی تحقیر و تذلیل سب و شتم، مبالغہ آمیز دعوے اور وعدے ہیں ایسے میدان میں کیسے کود سکتا ہوں۔"

مگر حضرت کا انکار اور جماعت کا اصرار بالآخر انھیں اس شرط پر آمادہ ہونا پڑا کہ :

" نہ کسی سے خود ووٹ کا مطالبہ کروں گا نہ انتخابی ہنگاموں میں شرکت نہ مخالفین کے سبّ و شتم کا جواب دیا جائے گا۔ انتخابات میں ہر امیدوار اپنی اہلیت اور استحقاق کے دعوے کرتا ہے یہ شرعًا ناجائز اور مذموم ہے، میں اپنی نااہلی کے باوجود اہلیت کے دعوے کیسے کروں گا "۔

اس کارزار جنگ و جدال میں حضرت شیخ الحدیث کی شرکت پر آمادگی کے اصل محرکات پر حسبِ ذیل اقتباسات سے روشنی پڑتی ہے جو آپ کے بعض انتخابی اجتماعات میں الیکشن سے قبل تقاریر سے لیے گئے ہیں :

آپ نے فرمایا: " مجھے تین چار ماہ قلق اور اضطراب رہا، میری طبعی کمزوری ہے، حیا کی وجہ سے لیکن بالآخر شرح صدر ہوا کہ اگر اس راہ میں موت آئی تو مصر کی بڑھیا کی طرح خود کو خریداران یوسف میں میں پیش کرسکوں گا کہ چلیں اس بڑھاپے میں کچھ خریداروں میں نام آجائے۔ شاید اسلام کے لیے گالی گلوچ اور تحقیر و توہین میرے لیے نجات کا باعث ہو"۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا : " طویل غور و خوض کے بعد مجھے خیال آیا کہ واقعی اگر اسمبلی میں جاکر دین کے حق میں کم از کم آواز تو اٹھا سکوں۔ یہ بھی نہ ہوسکے تو کسی کی تائید میں تو ہاتھ کھڑا کرسکوں گا اور اتنا کرسکنے کے باوجود بھی اس پُرخطر میدان میں شرکت سے محض اپنی عافیت اور سلامتی کے خیال سے گریز کروں اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن باز پرس فرمائیں تو کیا منہ دکھاؤں گا "۔

ایک اور تقریب میں فرمایا : " صرف جزئی باتوں پر عمل کرنا اسلام نہیں بلکہ پورے نظامِ حیات میں نافذ کرنا اسلام ہے۔ قرآن و سنّت کے نفاذ کے جدّ و جہد میں جتنی کچھ بھی کامیابی ہوگی تو اس کا اجر جدّ و جہد کرنے والوں کو بھی ملے گا "۔ فرمایا " خدا کی قسم ہمارا مقصد کرسی ہے نہ کوئی اور چیز۔ حکومت [illegible] چلائیں مگر طرزِ حکومت میں علماء سے رہنمائی لینی چاہیے۔ علماء صرف راستہ بتلاتے ہیں

ملک صرف اور صرف اسلام کے لیے تقسیم ہُوا اور یہ سیکولرازم اور سوشلزم کے خلاف ایک فیصلہ کن آواز تھی۔ اب اگر مذہب کی بات بیچ سے نکالی جائے تو تقسیم کا کوئی جواز نہیں رہ سکتا۔"

اس کے بعد انتخابات ہوئے۔ ملک کی دو مشہور پارٹیاں مقابلے میں تھیں۔ اس وقت کی نیشنل عوامی پارٹی کے نامزد امیدوار جناب اجمل خان خٹک اور پیپلز پارٹی کی طرف سے جناب نصراللہ خان خٹک حال وزیر اعلیٰ سرحد مقابل حریف تھے۔ شدید دباؤ اور ہیجانی ماحول میں مولانا کا انتخاب ایک مستقل داستان ہے۔ ساتھ دینے والوں نے بھی جان ومال آرام وراحت، رشتوں اور بندھنوں سے بے نیاز ہوکر ایثار وسرفروشی اور دین سے محبت اور وابستگی کے سنہری نقوش ثبت کیے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا مدظلہٗ کو شاندار اور نمایاں کامیابی عطا فرمائی۔

اسمبلی میں جاکر آپ نے ضعف، بڑھاپے، بیماریوں اور دارالعلوم کے مشاغل کے باوجود اپنے فرض کی ادائیگی کی جو سعی کی۔ اس کا کچھ حصّہ اس کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ کچھ حصّہ اس لیے کہ سرگرمیوں کی ایک تہائی رپورٹ ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے شریکِ کتاب نہیں ہوسکی۔ بظاہر تو پیشِ نظر کتاب صرف حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی قومی اسمبلی کی سرگرمیوں کی رپورٹ ہے مگر درحقیقت اس میں "آئین سازی اور اصلاح ملک وملّت" کے اس نازک ترین دور میں ملک کے اعلیٰ ترین با اختیار ادارہ قومی اسمبلی کی پوری تصویر آتی ہے۔ حق وباطل کی اس کشمکش اور اعلاءِ کلمۃ الحق، دین کی سربلندی معروفات کے فروغ، منکرات کے استیصال میں کس پارٹی کا کیا کردار رہا؟ کن ارکان نے کون سا موقف اختیار کیا؟ پارلیمانی پارٹیوں بشمول حزبِ اقتدار کے انتخابی دعوے کیا تھے؟ منشور میں کیا تھا؟ اور آگے چل کر اسمبلی میں انھوں نے کون سا طرزِ عمل اختیار کیا؟ یہ کتاب ان سب باتوں کا ایک آئینہ ہے اور حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ مولانا مدظلہٗ کے پیش کردہ مسائل کے ضمن میں تمام اہم مخالفانہ یا موافقانہ خیالات، خواہ جس رکن یا جس پارٹی کے بھی تھے کھلے دل کے ساتھ قوم کے سامنے آسکیں۔ اس لحاظ سے "اسلام کا معرکہ" پاکستان کے ایک اہم ترین دور۔ آئین سازی۔ کی نہ صرف تاریخ ہے بلکہ اسے آپ "اعمالنامہ" بھی کہہ

سکتے ہیں۔ ان سرگرمیوں کی رپورٹنگ ادارہ کی طرف سے بھی کارروائی کے دوران کی جاتی رہی اور کچھ حصوں کو حکومت کی شائع کردہ قومی اسمبلی کے مباحث (آفیشل رپورٹ) سے لیا گیا۔ پھر ایک نہایت ضروری کام یہ کیا گیا کہ کتاب کے اکثر اہم مباحث کے لیے قومی اسمبلی کی شائع کردہ رپورٹوں سے مراجعت بھی کی گئی یہ رپورٹیں تقریباً دس پندرہ ہزار صفحات پر مشتمل ہوں گی تلاش کر کے اکثر زیر بحث مسائل میں سرکاری رپورٹ کے صفحات اور تاریخوں کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ اسلام کے اس معرکہ اور حق وصداقت کی اس جدوجہد میں صرف مولانا مدظلہ نہیں بلکہ اسمبلی کے دیگر کئی ارکان جمعیۃ علماء اسلام کے اکابر اور بعض سرفروش ارکان بھی حصہ لیتے رہے ہیں اور ہم نے ایک حد تک اس کتاب کے ضمن میں اسے منضبط بھی کر لیا ہے"۔ بالخصوص قائد حزب اختلاف مولانا مفتی محمود صاحب کے آئین میں پیش کردہ تمام ترمیمات بھی اس میں آگئی ہیں"۔ مگر ہمارے پیش نظر اس وقت صرف مولانا مدظلہٗ کی سرگرمیاں ہیں تاکہ ان کو منتخب کرانے میں جن مسلمانوں نے لامثال قربانیاں دی ہیں انہیں مولانا کی جدوجہد سے آگاہ کرایا جا سکے۔ یہ ایک اخلاقی اور دینی فریضہ ہے کہ جن لوگوں نے رضائے خداوندی اور غلبۂ اسلام کو مقصودِ حیات بنا کر مولانا مدظلہٗ کے انتخاب سے اپنی امیدیں وابستہ کیں۔ یہ لوگ مولانا سے اپنے توقعات میں کس حد تک کامیاب ہوئے؟ اس کا کچھ جواب اس کتاب کی شکل میں انہیں مل سکتا ہے بلاشبہ یہ کتاب ان سب کے حق میں اعمالنامہ خیر اور ذخیرۂ آخرت ہے مولانا مدظلہٗ نے الیکشن سے قبل ایک جلسہ میں کہا تھا:

"میری مخالفت میں کہا جاتا ہے کہ یہ بیمار ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اسلام کی خدمت لولوں لنگڑوں سے بھی لیتا ہے۔ نابیناؤں سے قرآن حفظ کرایا دین کی حفاظت ناتوانوں سے کرائی۔ اب اگر ایک اپاہج اور بیمار ناتواں شخص کو خدا نے خدمت کا موقع دیا بھی تو اس لیے نہیں کہ وہ اس خدمت کے اہل تھے بلکہ حقیقت بین نگاہیں دیکھتی ہیں یہ ظاہری اسباب کی نہیں کسی غیبی طاقت کی کرشمہ سازی ہے"

ایس۔ اے۔ فاروقی

۱۲ر شوال ۱۳۹۶ھ

مؤتمر المصنفین

باب ۱

فحاشی، شراب، جوا، سودی نظام، فحش ثقافتی سرگرمیوں فلموں، قادیانیت، عیسائی مشنریوں، فری میسن، اور روٹری کلب وغیرہ قومی و ملّی مسائل کے بارہ میں

قراردادیں

محرک قرارداد کا مقصد

قومی اسمبلی کے ارکان کا فرض ہوتا ہے کہ مختلف شکلوں میں حکومتِ وقت کا احتساب کریں منکرات اور برائیوں کے انسداد، معروفات کا فروغ، اسلام کی ترویج اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ کے قیام کے لیے ہر قسم کی جدوجہد بروئے کار لائیں۔ پارلیمانی نظام میں یہ کام زیرِ بحث بلوں پر تقریروں اور ترمیموں کے علاوہ ملکی و ملّی اُمور سے متعلق سوالات، غیر سرکاری قراردادوں، پرائیویٹ بلوں۔ بجٹ پر عام بحث اور تحریک تخفیفِ زر کی شکل میں کیا جاتا ہے۔ اسمبلی کی غیر سرکاری کارروائی کے ایام میں ارکان کی وہ قراردادیں زیرِ بحث لائی جاتی ہیں جن کے پیش کرنے والوں کا مقصد کسی اہم ترین مسئلہ پر اسمبلی سے حکومت کو سفارش کرانا ہوتی ہے اس طرح کسی زیر بحث قرارداد پر ایوان کی مختلف پارٹیوں اور حزب اختلاف و اقتدار کا نقطۂ نظر بھی ملک و ملّت کے سامنے آجاتا ہے۔

اور یہ بھی کہ کسی حد تک کسی مسئلہ کے بارے میں پارلیمانی پارٹیوں اور ارکان کا قول و عمل یکساں ہے
اس طرح اگر کچھ ارکان کے ملّی اور دینی جذبات کا مظاہرہ ہو جاتا ہے تو بسا اوقات بہت سے
لوگوں کی منافقانہ روش کی قلعی بھی قوم و ملّت کے سامنے کھل جاتی ہے۔ گو کسی قرارداد کی
حیثیت قانون کا درجہ نہیں رکھتی۔ لیکن کسی منظور شدہ قرارداد کے بعد حکومت کو عوامی احساسات
اور جذبات کو دیکھتے ہوئے مجبوراً قرارداد کے مطابق قانون سازی کرنا پڑتی ہے۔

ان اہم ترین مقاصد کے پیش نظر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے قومی اسمبلی
۱۹۷۳ء کے طویل بجٹ سیشن کے لیے کئی اہم ترین ملکی و ملّی مسائل سے متعلق حسب ذیل
قراردادوں کا نوٹس دیا۔ ان میں سے چار آخری قراردادیں سپیکر صاحب نے اسمبلی
کے قواعد و طریق کار کی بعض دفعات کا سہارا لے کر چیمبر ہی سے مسترد کر دیا تاکہ
انہیں اسمبلی میں زیر بحث ہی نہ لایا جا سکے۔ اب یہ فیصلہ پارلیمانی قواعد و ضوابط
اور ماہرین قانون کو کرنا ہے کہ ایسی اہم قراردادوں کو سپیکر صاحب کا اس طرح مسترد
کر دینا واقعی قواعد کا تقاضا تھا۔ یا حکومت ان قراردادوں کو پیش کرنے کے بعد انہیں
اکثریت کے بل بوتے پر رد کر دینے کی بدنامی سے گریز کرنا چاہتی تھی۔ بہرحال
اسمبلی کے طریق کار قرعہ اندازی وغیرہ کی ترتیب سے پہلی چار قراردادیں اسمبلی میں
زیر بحث آسکیں۔ بعض ایجنڈے پر آ چکی تھیں، مگر ان کے زیر بحث آنے کا موقع نہ ملا
اور اسے حسن اتفاق کہیے یا قدرت کی خاص دستگیری اور توفیق ایزدی کہ اس پورے
سیشن میں یعنی غیر سرکاری قراردادیں زیر بحث آئیں۔ بنگلہ دیش سے متعلق قرارداد
(جسے حکومت نے پیش کیا) کو چھوڑ کر باقی سب کی سب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
کی تھیں۔ اس طرح اس سیشن میں بھی آپ کو ———— خداوند کریم نے
بعض اہم مسائل پر اسمبلی، حکومت اور عام مسلمانوں کی توجہات مبذول کرانے کی توفیق
دی آپ نے جن قراردادوں کا نوٹس دیا تھا۔ وہ درج ذیل تھیں۔

قراردادیں

۱۔ اس اسمبلی کی رائے یہ ہے کہ فری میسن تحریک اور اس سے ملحقہ اداروں کی تمام سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جائے۔

۲۔ قومی اسمبلی کی رائے ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جن شہری اور مذہبی آزادیوں کی اجازت دی گئی ہے، ان کا لحاظ رکھتے ہوئے غیر مسلم اقلیتی فرقوں خصوصاً عیسائی مشنری اداروں کی طرف سے چلائی جانے والی تحریک ارتداد پر پابندی عائد کی جائے نیز یہ کہ ایسی تمام سرگرمیوں کی ممانعت کی جائے، جن سے کسی شہری کے مرتد ہونے کا احتمال ہو۔

۳۔ اس اسمبلی کی رائے ہے کہ پاکستان بھر میں سودی اقتصادی اور معاشی کاروباری نظام از قسم بینکنگ وغیرہ ختم کر کے اسے اسلامی دائرہ میں ڈھال دیا جائے۔

۴۔ اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ملک بھر میں فری میسن تحریک سے ملتی جلتی سرگرمیوں میں ملوث ادارے، روٹری کلب اور لائنز کلب پر پابندی لگائی جائے۔

۵۔ اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ملک بھر میں ایسے لٹریچر کا فروغ و اشاعت اور ملک میں داخلہ ممنوع قرار دیا جائے جس سے مسلمانوں کے اخلاق و عقائد اور نظریہ پاکستان متاثر ہو سکتے ہیں، نیز عریاں اور فحش لٹریچر کی بھی ممانعت کی جائے۔

۶۔ اس اسمبلی کی رائے ہے، کہ ملک بھر میں ثقافت اور کلچر کے نام سے ہونے والی تمام ایسی سرگرمیوں (ڈانس، ناچ، گانا وغیرہ) پر پابندی لگائی جائے، جس سے معاشرہ میں اخلاقی برائیاں، فحاشی اور بے حیائی پھیل رہی ہو۔ نیز رقص و سرود کرنے والی ثقافتی طوائفوں کا بیرونی ممالک سے تبادلہ بند کر دیا جائے۔

۷۔ اس اسمبلی کی رائے ہے کہ شعبہ خاندانی منصوبہ بندی کو فی الفور بند کر دیا جائے۔

کیونکہ اس شعبہ کی کارکردگی قرآن پاک، سنت اور اسلام کے منافی ہے۔ اس شعبہ کے ملازمین کسی دوسرے محکمہ میں مدغم کیے جائیں۔

۸۔ اس اسمبلی کی رائے ہے کہ پاکستان بھر میں شراب کے پینے بنانے خرید وفروخت اور درآمد و برآمد پر مکمل پابندی عائد کی جائے۔

۹۔ قومی اسمبلی کی رائے ہے کہ ملک بھر میں گھوڑ دوڑ (ریس کورس) کے نام پر ہونے والا جوا اور دیگر ہر قسم کی قمار بازی پر پابندی لگائی جائے۔

۱۰۔ اس قرارداد کا تعلق قادیانیت کو اقلیت قرار دینے ان کے ارتداد کی سرگرمیوں پر پابندی لگانے اور قرارداد آزاد کشمیر کی تحسین و تائید سے تھا جس کا متن شامل کتاب ہے۔ اوّل الذکر چار قراردادیں ایوان میں پیش ہوئیں جبکہ پانچویں اور چھٹی ایجنڈا پر ہے اور آخری چار قراردادیں بشمول قادیانیت مسترد کر دی گئیں۔

فری میسن تحریک

قرارداد[1]

یہ بات کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں رہی کہ اسلام دشمن طاقتوں نے سماجی، علمی اور معاشرتی فلاح و بہبود کے نام سے در پردہ جو مختلف منصوبے بنائے اور ادارے قائم کیئے ہیں۔ ان میں سرفہرست فری میسن کے نام سے یہودیوں کی عالمی تنظیم ہے۔ جس کا مقصد درپردہ صیہونی عزائم کی تکمیل ہے۔ یہ تنظیم عالم اسلام میں ملّتِ مسلمہ کے خلاف مختلف سازشوں اور سرگرمیوں کی آماجگاہ بنی رہی ہے۔ خلافت اسلامیہ کے زوال، اسلامی ممالک کے افتراق و بربادی میں اس کا بنیادی حصہ ہے ان سب باتوں کی اہم دستاویزات سامنے آچکی ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے سب سے پہلے

[1] مباحث اسمبلی ج ۳ ش ۱۷ جون ۱۹۷۵ء ص ۴۳۵

اس مسئلہ کو ۲۱ ستمبر ۱۹۷۲ء کو اسمبلی کے وقفہ سوالات کے دوران اُٹھایا تھا جس پر ایوان میں بہت سے ضمنی سوالات سامنے آتے ۔ بڑی لے دے ہوتی جس کے جواب میں مرکزی وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان نے یہ یقین دہانی کرائی کہ حکومت اس تنظیم کا جائزہ لے رہی ہے اور اگر اس کی سرگرمیاں ملکی مفادات کے خلاف پائی گئیں تو مناسب اقدامات کیے جائیں گے ۔ انھوں نے یہ تسلیم کیا کہ ملک میں فری میسن کے ۳۰ لاج ہیں مگر اس بات سے لاعلمی ظاہر کی کہ یہ تحریک اسلام کے خلاف ایک یہودی تحریک ہے اس کے بعد اخبارات میں اس تنظیم سے متعلق اسمبلی کے ان سوالات وجوابات کا غلغلہ اُٹھا ، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حکومت نے کوئی قدم اُٹھایا یا نہیں۔

اس وجہ سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے حالیہ اجلاس میں ۷ جون[1] کے غیر سرکاری کام کے دن فری میسن تنظیم پر پابندی سے متعلق اپنی قرار داد پیش کی۔ آپ ابھی اپنی قرار داد پر وضاحتی تقریر کر رہے تھے کہ مرکزی وزیر داخلہ نے اُٹھ کر اعلان کیا کہ حکومت نے پچھلے سال چھ دسمبر کو اس تحریک پر پابندی لگانے اور تمام عمارتوں کو تعلیمی مقاصد کے لیے قبضہ میں لینے کے احکامات جاری کر دیے ہیں ۔ اس اعلان پر بڑی خوشی اور مسرّت کا مظاہرہ ہوا ۔ اور حضرت شیخ الحدیث نے وزیر داخلہ کی یقین دہانی اور غیر مبہم اعلان پر قرار داد واپس لے لی۔

ابھی اس پابندی پر پورے ملک اور پریس میں مسرتوں کا اظہار ہو رہا تھا کہ کچھ سابقہ فری میسنوں کی طرف سے آئے ہوئے خطوط اور اخبارات کی خبروں سے یہ اندیشہ بڑھتا ہی چلا گیا کہ مرکزی وزیر داخلہ نے شاید تحریک پر پابندی کے سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیا ہے فری میسن کی خفیہ سرگرمیاں اور میٹنگیں بدستور جاری ہیں ۔ عمارتیں ان کے قبضہ میں ہیں ۔ اس تحریک کے صدر دفتر کا ایسی کسی پابندی سے لاعلمی ظاہر کر دینے

---

[1] مباحث اسمبلی تقننہ ۷ جون ۱۹۷۳ء ص ۴۳۵

کا ذکر بھی اخبارات میں آیا اور خفیہ میٹنگوں کے دعوت ناموں کا فوٹو سٹیٹ عکس بھی اخبارات میں آیا۔ قرارداد کے محرک شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے ذاتی طور پہ یہ مسئلہ مرکزی وزیرِ داخلہ کے سامنے رکھا، مگر انھوں نے کہا کہ شاید احکامات ابھی صوبائی حکومتوں کو نہیں پہنچ سکے۔

روزنامہ نوائے وقت نے ۱۸ جون کو اپنے اداریہ میں اس اعلان کو ایسی پارلیمانی غلط بیانی قرار دیا جس سے بہت کم غلطی ثابت ہونے پر برطانیہ کے وزیرِ خوراک لارڈ نارتھ بروک نے محض اعداد و شمار کی غلطی پر اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ نوائے وقت نے لکھا کہ وزیرِ داخلہ کے غیر مبہم وضاحت کے بغیر اس بات سے پارلیمانی غلط بیانی کی ایک نئی روایت قائم ہو گئی۔

بہر حال شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے اصل صورت حال معلوم کرنے کے لیے ۴ جولائی کو دوبارہ یہ مسئلہ تحریکِ استحقاق[1] کی شکل میں اُٹھایا اور اس بات کو پورے ایوان کا استحقاق مجروح کرنے کے مترادف قرار دیا کہ اخبارات میں حکومت کے اعلان کے برعکس حقائق سامنے آ رہے ہیں۔ اس کے جواب میں مرکزی وزیرِ داخلہ نے بڑی شدّت سے یہ وضاحت کی کہ ۲۶ ستمبر کو کابینہ میں فری میسن پہ پابندی کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ قانونی مشکلات پر قابو پانے کے سلسلے میں شاید بعض صوبوں میں اب تک اس کی تعمیل نہ ہو سکی اور اب مکمل کارروائی کی جا رہی ہے اس طرح یہ مسئلہ حکومت کی واضح یقین دہانی پر ایک حد تک ختم ہوا۔ مگر یہ سوالات اپنی جگہ قائم رہیں گے۔ کہ آٹھ ماہ قبل دیے گئے۔ مرکزی حکومت کے احکام کی تعمیل اب تک کیوں نہ ہو سکی اور بعض صوبائی حکومتوں نے اس پر عمل درآمد کیوں نہ کیا۔ اسی طرح یہ سوالات بھی بدستور قائم ہیں جسے بعد میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی طرف سے وقفۂ سوالات میں اٹھانے کی کوشش بھی کی گئی۔ کہ کیا حکومت اب اس تنظیم کے ارکان پر کڑی نگاہ رکھے گی۔ جن میں سے بعض نے کچھ بدقسمتی سے اہم

---

[1] مباحث قانون ساز ص ۲۴۱ ۳ جولائی ۱۹۷۳ء نیز مباحث ۴ جولائی ۱۹۷۳ء ص ۲۴۹۵ تا ص ۲۴۹۹

ترین ملکی شعبوں اور کلیدی مناصب تک پر فائز رہے۔

عیسائی تبلیغ اور ارتداد پر پابندی

(۲) قرار داد[1]

اس کے بعد دوسری قرار داد کا تعلق غیر مسلم اقلیتی فرقوں خصوصاً عیسائیوں کی مشنری سرگرمیوں کی طرف سے چلانے والی تحریک ارتداد پر پابندی لگانے اور ایسی تمام سرگرمیوں کی ممانعت سے تھا۔ جن سے کسی مسلمان شہری کے مرتد ہونے کا احتمال ہو۔ اس طرح کی سرگرمیاں ملک و ملّت کی سالمیت مسلمانوں کے ایمان اور مذہب کے لیے مستقل خطرہ بنی ہوئی ہیں۔ قادیانی اور عیسائی سرگرمیوں کے نتیجہ میں کتنے مسلمان کفر کی گود میں چلے جا رہے ہیں۔ اس کا اندازہ ان کی رپورٹوں اور خبروں سے لگایا جا سکتا ہے ملک بھر میں ان سرگرمیوں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے جو دن بدن حکومت اور مسلمانوں کی دینی اسلامی حیثیت اور ملّی غیرت کے لیے ایک چیلنج بنتے جا رہے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ قرار داد بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ اس سے قبل ستمبر ۱۹۷۲ء کے اجلاس میں بھی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے ایسی مشنری سرگرمیوں کے متعلق بعض اہم سوالات کا نوٹس دیا تھا جسے سپیکر نے چیمبر ہی سے مسترد کر دیا تھا اور جس کی تفصیل دوسری جگہ ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

تشریحی تقریر

۰ر جون کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اسمبلی میں محرک کے طور پر اپنی قرار داد کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عیسائی اس ملک میں عیسائیت کا پرچار اور دوسری عیسائی حکومتوں کا آلہ کار بننے کی شکل میں بہت کچھ کر رہے ہیں۔ یہ ادارے یہاں کے باشندوں کی

---

[1] مباحث اسمبلی ج ۳ ش ۱۲ ص ۷۳۵ تا ۷۳۹ ۳ دسمبر ۱۹۷۳ء

غربت اور مالی حالت کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر انھیں عیسائی بنا رہے ہیں۔ مشن سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں کے ذریعہ یہاں عیسائی اڈے قائم ہیں۔

پاکستان میں ان کے کام کی جو رفتار ہے۔ اس کے بارے میں عالمی مشنری ادارے برملا اس فخر کا اظہار کرتے ہیں کہ پاکستان ہمارے لیے نہایت کارآمد میدان ثابت ہو رہا ہے آپ نے آج سے دس سال قبل کے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۵۱ء میں مغربی پاکستان کی کل آبادی تین کروڑ دس لاکھ سات سو تاسی تھی۔ اور ۱۹۶۱ء میں یہ آبادی تین کروڑ چورانوے لاکھ چالیس ہزار چار سو انتالیس ہو گئی۔ اس کے مقابل ۱۹۵۱ء میں مغربی پاکستان میں مسیحی آبادی چار لاکھ بتیس ہزار سات سو چھ تھی جو ۱۹۶۱ء میں پانچ لاکھ تراسی ہزار آٹھ سو چوراسی ہو گئی یعنی مجموعی آبادی ۲۷ فیصد بڑھ گئی مگر مسیحی آبادی میں ۳۵ فیصد کا اضافہ ہوا ان اعداد و شمار سے یہاں ارتداد پھیلنے کی تیز رفتاری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے کہا کہ سرحدی علاقے سے جو دشمن سے ملے ہوتے ہیں۔ ان سرگرمیوں کا خاص نشانہ بنے ہوئے ہیں جس سے لازماً سرحدات غیر محفوظ ہو کر دشمن کی سازشوں کی لپیٹ میں آ سکتے ہیں اس لیے ان اداروں پر پابندی لگانا ملک کی سالمیت کا بھی تقاضا ہے۔ جبکہ ہندوستان پہلے سے اپنے ہاں اس کی ممانعت کر چکا ہے اس لیے پاکستان میں مسیحی سرگرمیوں اور اس کے ساتھ ساتھ تمام غیر مسلم اقلیتوں کے ارتداد پھیلانے کی سرگرمیوں کی سختی سے ممانعت کی جائے۔

عام بحث[1]

اس کے بعد قرارداد پر عام بحث شروع ہو گئی۔ میاں محمود علی قصوری نے کہا کہ مسئلہ آبادی کے تناسب کا ہے۔ گورنمنٹ ۱۹۷۳ء تک کے اعداد و شمار پیش کر سکے تو بحث میں مدد ملے گی۔ وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ صاحب نے جواب میں کہا کہ اس وقت

---

[1] مباحث اسمبلی ۷ رجون ۱۹۷۳ء ص ۴۳۵ تا ص ۴۵۳

عیسائی آبادی ۱۵ لاکھ کے قریب ہے، مگر اس سوال کا تعلق ریزولیشن سے کیا ہے وہ تو مشنری پر بحث ہے تو قصوری صاحب نے کہا کہ مولانا عبدالحق نے ۱۹۶۱ء تک کے اعداد و شمار پیش کیے ہیں۔ ہمیں موجودہ تناسب معلوم کرنا ہے۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ اگر بحث جاری رہی تو موجودہ اعداد و شمار مہیّا کر دیئے جائیں گے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا کہ مولانا عبدالحق صاحب نے صرف عیسائی مشنری پر پابندی کا نہیں ارتداد پر پابندی لگانے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس لیے اس بحث میں یہ نقطۂ نظر بھی سامنے رکھا جائے۔

وفاقی وزیرِ قانون جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا عبدالحق کا یہ ریزولیشن پاکستان کے آئینی تحفظات کی خلاف ورزی کر رہا ہے ہم عبوری آئین کے دور سے گذر رہے ہیں جو ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء تک کسی بھی صورت میں ختم ہونا ہے۔ سینٹ بننے کے بعد دو مقننہ پارلیمنٹ ہوں گی گو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ قرارداد قطعی طور پر آئین کے خلاف ہے یا نہیں، مگر میری رائے میں اس سے بنیادی حقوق کے تحفظ کی کسی حد تک خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ ہم اس وقت عبوری دور سے مستقل دور میں جا رہے ہیں۔ کمیٹی میں بھی اس پر بحث کر سکتے ہیں اگر مولانا کو اس پر اصرار ہے تو میں کہوں گا کہ عبوری آئین کے تحت ایوان اس قرارداد پر رائے دینے کا مجاز نہیں اس لیے کہ اقلیت کو بھی اکثریت کی طرح تحفظ دیا گیا ہے اس لیے میں مولانا سے اس وقت تک اس قرارداد کے واپس لینے کی گزارش کروں گا۔

اس وقت کے جمعیۃ علماء اسلام کے رکن مولانا عبدالحکیم صاحب نے قرارداد کے حق میں کہا کہ اسلام غیر مسلموں کو شہریت کے وہی حقوق دیتا ہے جو مسلمانوں کو دیتا ہے قرارداد کا مقصد تو یہ ہے کہ یہ غیر ملکی لوگ ایک تنظیم بنا کر بیرونی امداد سے ایسے حربے اور طور طریقے اختیار کرتے ہیں کہ درپردہ پاکستان کی سلامتی کے خلاف کام ہوتا ہے۔ دشمن کی جاسوسی ہوتی ہے تو ایسی سرگرمیوں پر پابندی مقصود ہے۔ اس ملک میں

بہائی، قادیانی، ہندو، مسلم، سکھ سب کو رہنے کا حق ہے۔ تعلیم ملازمت تجارت میں آبادی کے تناسب سے حقوق بھی ہیں۔ انھوں نے وزیر قانون کی اس رائے کی تائید کی کہ مستقل آئین کے نفاذ کے بعد دونوں ایوان جمع ہوں تو باہمی افہام و تفہیم سے بات ہو سکتی ہے سپیکر نے کہا کہ اس پر بحث سے نقصان ہو گا، مگر جواب میں کہا گیا کہ کیا روس اور چین وغیرہ میں ملک کے نظریات کے خلاف سرگرمیوں پر پابندی نہیں لگائی گئی۔ آئین نے اقلیتوں کو اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کی اجازت دی ہے تو باہر جاکر لوگوں کو ورغلاتے ہیں، اس لیے غیر ملکی مشنریوں پر مسلمانوں میں تبلیغ کرنے کی پابندی ہو۔

سرکاری پارٹی کے غلام نبی چودھری نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا کی اس قرارداد سے بین الاقوامی طور پر ہماری ساکھ کو نقصان پہنچے گا کہ اکثریت اقلیت سے خائف ہے۔ مولانا کو چاہیے کہ ہاؤس میں ایسی قرارداد پیش کرنے کی بجائے باہر نکل کر مشنریوں کا مقابلہ کریں اس طرح تو ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کا محاذ کھل جائے گا ہندوستان میں اگر مشنریوں پر پابندی ہے تو ان کا آئین سیکولر ہے (حالانکہ وہ یہ بھول گئے کہ سیکولرزم کا تقاضا تو یہ تھا کہ انھیں کھلی چھٹی دی جاتی) پھر کہا کہ مولانا نے جو اعداد و شمار پیش کیے ہیں اس سے ہماری نیک نامی ہوتی ہے کہ ہم اقلیتوں کو اتنا موقع دے رہے ہیں۔

صاحبزادہ صفی اللہ صاحب نے قرارداد کے حق میں اپنی تقریر میں کہا کہ بعض لوگ مولانا کی قرارداد کی غلط تشریح کر رہے ہیں۔ قرارداد کا مقصد ارتداد کو روکنا ہے قتل مرتد کتاب اجماع سنت اور خلافت راشدہ کے وقت سے طے شدہ مسئلہ ہے، وزیر قانون کی یہ تشریح بھی غلط ہے کہ اسلام میں ہر کسی کو جو دین چاہے اختیار کرنے کی اجازت ہے، انھوں نے کہا کہ سعودی عرب وغیرہ میں مشنری اداروں اور ارتداد پر پابندی ہے بدنامی سے ڈرنا احساس کمتری ہے۔ آپ جاکر سوشلسٹ ممالک کا حال دیکھیں، پتہ چل جائے گا۔ اسلام بھی ایک ضابطہ حیات ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ جو چاہے۔ اس

سے کٹ جائے۔ فوج میں آنے کی مجبوری نہیں، مگر واپسی کی اجازت نہیں ہوتی، تو قرارداد کی مختلف تاویلات نہ کی جائیں۔ اس کا واضح مطلب ارتداد پر پابندی عائد کرانا ہے۔

اس مرحلہ پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے دوبارہ اٹھ کر خود تشریح کی اور فرمایا

"کہ ہمارے ہاں تمام اقلیتوں کو ان کے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی آئین نے بھی دی ہے۔ ہم اس پر کوئی قدغن نہیں لگانا چاہتے میرا مقصد قرارداد پیش کرنے سے یہ ہے کہ پاکستان جو بہت سی قربانیوں اور لاکھوں مسلمانوں کے اجڑنے کے بعد اسلام کی خاطر بنا ہے تو پاکستان بنتے وقت عیسائی تعداد ۸۰ ہزار تھی۔ مگر آج وزیر قانون نے اعتراف کیا کہ اب ۱۵ لاکھ کی تعداد ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اتنی تعداد مشنریوں کی وجہ سے نہیں بڑھی؟ یہ لوگ باہر کی عیسائی مملکتوں کے فنڈز سے پاکستان کے شہریوں کے مذہب اور ملک کی حدود اور سالمیت کے لیے خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔ تبلیغ سے نہیں کہ دلائل عقل اور حکمت سے کسی کا مذہب اور عقیدہ بدلا گیا ہو۔ بلکہ مالی امداد لالچ اور ترغیب دے کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ تو درحقیقت اغوا ہوتا ہے۔ اور ان مالی حربوں سے لوگ بعض مصالح دنیوی کی خاطر ان کے زمرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

۱۹۶۵ء کی لڑائی میں پاکستان کی سرحدات پر عیسائی مشنریوں نے خفیہ کام کیا پاکستان کو نقصان پہنچایا تو ملک کی حفاظت کی خاطر ان سرگرمیوں کو روکنا چاہیے۔" اس کے بعد مولانا مدظلہ ایک پاکستانی مسیحی مسٹر انتھونی کا ایک حوالہ پڑھ کر سنایا کہ ـــــ "آج مغربی پاکستان میں عیسائیوں کے پورے پورے گاؤں معرض وجود میں آچکے ہیں۔ پاکستان نے عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا خیر مقدم کیا ہے۔ ارباب اقتدار نے ممنونیت کے ساتھ

وستِ اعانت بڑھایا ہے۔ ان آبادیوں کی اکثریت کا دارومدار ایسے فنڈز پر ہے جو بیرونی ممالک سے درآمد ہوتے ہیں اور ان کی مقدار کئی ملین ڈالر تک پہنچتی ہے۔"

ابھی مولانا نے یہ حوالہ پورا نہیں کیا تھا کہ عبدالحفیظ پیرزادہ نے اُٹھ کر کہا کہ مولانا نام لیں جنگ میں کس نے جاسوسی کی، یہ آپ کیا لیے بیٹھے ہیں۔ آئینی پوزیشن کو بھی سمجھنا چاہیے اس طرح نقصان ہوگا ——— مولانا نے کہا کہ یہ صرف مذہبی معاملہ نہیں، سیاسی معاملہ بھی ہے البتہ اگر وزیرِ قانون یقین دہانی کرائیں کہ دوسرے موقع پر اسے پیش کردوں گا۔ تو اس وقت تک میں قرارداد کو واپس لیتا ہوں۔ البتہ قرارداد کا واپس لینا مقید اور مشروط ہوگا کہ اسے دوبارہ ایوان میں پیش کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔ پیرزادہ نے کہا کہ ہم کس طرح روک سکتے ہیں۔ آپ جس وقت چاہیں اسے ایوان میں لا سکتے ہیں، میں کیسے روکوں گا۔ مولانا نے پیرزادہ کے اس اصرار اور یقین دہانی پر قرارداد مستقل آئین کے نفاذ تک واپس لی، مگر اخبارات میں مبہم واپس لینے کا ذکر آیا تو دوسرے دن ایوان میں مولانا نے اس کی وضاحت ضروری سمجھتے ہوئے دو باتوں کی طرف سپیکر جناب چودھری فضل الٰہی صاحب کو توجہ دلائی۔

قادیانیت[۱]

ایک یہ کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی میری قرارداد یہ کہہ کر مجھے واپس کردی گئی کہ یہ مفادِ عامہ کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ عین مفادِ عامہ کا تقاضا ہے اور مرزائیوں کو الگ کر دینا خود قادیانیوں کے مسلک اور پالیسی کے مطابق بھی ہے۔

سپیکر نے کہا کہ اس بارہ میں آپ میرے چیمبر میں آکر مجھ سے گفتگو کریں۔ یہاں نہیں کر سکتے۔ دوسری وضاحت مولانا نے یہ کی میں نے جناب سپیکر اور وزیرِ قانون کے مشورہ اور یقین دہانی پر مشنریوں کی قرارداد ملتوی کردی ہے۔ واپس نہیں لی۔ کیا میں

---

[۱] مباحث ۹ جون ۱۹۷۳ء ص ۸۳۵ تا ۸۳۷

نعوذ باللہ ارتداد کی اجازت دے سکتا ہوں، سپیکر نے کہا ہاں یہ واپسی آئین کے نفاذ تک ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے بھی مولانا کی تائید میں فرمایا کہ نئے آئین کے بعد قرارداد کو ایوان میں لانے کے بارہ میں وزیر قانون کی یقین دہانی ریکارڈ پر ہے۔ مشورہ قبول کرنے کا مطلب قرارداد کو بالکل واپس لینا نہیں۔

روٹری اور لائن کلب

قرارداد ۴

۵ جولائی ۷۳ء کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے فری میسن تحریک سے ملتی جلتی کلبوں روٹری کلب اور لائن کلب پر پابندی کی قرارداد پیش کی، مولانا نے قرارداد پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ملک بدستور متحد رہے اور دشمنوں کی سازشوں کی آماجگاہ نہ بنے۔ ایسے کلب انتشار پھیلانے میں اہم کردار ادا کر رہے اور اہم اطلاعات ملک سے باہر بھیج سکتے ہیں۔ انھوں نے کہا جب حکومت نے فری میسن پر پابندی لگا کر اس کی خرابیاں تسلیم کر لی ہیں تو اس تحریک سے ملتی جلتی سرگرمیاں خود بخود ممنوع ہونی چاہئیں، حضرت مولانا مفتی محمود، مولانا عبدالمصطفٰے الازہری صاحبزادہ صفی اللہ راؤ خورشید علی خان، صاحبزادہ احمد رضا قصوری نے قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے ایسی کلبوں کو صیہونی یہودی سازشوں کے مراکز قرار دیا۔ جہاں شراب نوشی اور قمار بازی کی ترویج ہوتی ہے یہ سامراج کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ خان عبدالقیوم مرکزی وزیر داخلہ نے تقاریر کے یقین دہانی کرائی کہ ڈیفنس اور سول سروسز کے ملازمین پر ان کلبوں کا رکن بننے پر پہلے ہی پابندی لگا دی گئی ہے۔ اگر ان کلبوں کے بارہ میں ملک دشمن سرگرمیوں کی اطلاعات ملیں تو حکومت ان پر فوراً پابندی لگا دے گی۔ (قرارداد پر بحث مختصراً حسب ذیل ہے)

روٹری کلب اور لائنز کلب پر پابندی کی قرارداد

(۵ جولائی ۱۹۷۳ء کو یہ قرارداد زیر بحث آئی۔ یہ بحث اس سال
کے مباحث اسمبلی میں ص ۶۶ تا ۹۰ پر پھیلی ہوئی ہے۔)

سپیکر:۔ مولانا عبدالحق قرارداد پیش کریں۔ پڑھیں دفعہ نمبر ۱

مولانا عبدالحق:۔ جناب اسپیکر! میں یہ قرارداد پیش کرتا ہوں کہ اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ملک بھر میں فری میسن تحریک سے ملتی جلتی سرگرمیوں میں ملوث ادارے۔ روٹری کلب اور لائنز کلب پر پابندی لگائی جائے۔"

تشریحی تقریر

مولانا عبدالحق:۔ جناب اسپیکر! گذارش یہ ہے کہ ہم سب چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک متحد اور متفق رہے اور دوسرے لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا مرکز نہ بنے تو ایسی (CLUBS) جن سے یہ خطرہ ہو کہ ملک کے مفاد میں نہیں ہوگا اور وہ ملک کی سلامتی کے خلاف ہوگا۔ یہاں کے حالات دوسرے ملکوں کو پہنچائیں گے۔ تو ایسی صورت میں اگر ان پر پابندی عائد کی جائے تو یہ ملک کی سلامتی اور مفاد کی خاطر بہتری ہوگی۔

جناب اسپیکر:۔ اگر کوئی اور صاحب بھی اس پر تقریر کرنا چاہتے ہیں تو کریں۔

جناب عبدالقیوم خان:۔ میں مولانا صاحب کی خدمت میں عرض کروں گا۔ اس دن بھی انہوں نے سوال کیا تھا۔ اس کے جواب میں لائنز کلب اور روٹری کلب سے متعلق بڑی وضاحت سے میں نے واقعات بیان کئے تھے۔ بہت سے ضمنی سوالات بھی ہوئے تھے۔ فی الحال ہمارے پاس ایسا کوئی مواد موجود نہیں جس سے کہ یہ ثابت ہو کہ یہ کوئی غیر قانونی کارروائی کر رہے ہیں۔ لیکن ہم ان پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ڈیفینس اور سول ملازمین کو اجازت نہیں ہے اس میں شامل ہونے کی۔ مولانا صاحب کو میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہمیں پتہ چلے کہ کوئی خلافِ وطن سرگرمیوں میں مصروف ہے تو ہم ضرور کارروائی کریں گے۔ اس کے بعد بھی اگر یہ (PRESS) کرنا چاہتے ہیں تو ان کی مرضی ہے۔ اس دن بھی میں نے سب کچھ کہہ دیا تھا۔

جناب اسپیکر:- ٹھیک ہے۔

مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری:- جناب والا یہ جو مختلف کلب ہیں یہ یہودیوں کی سازشوں کا ایک حصہ ہیں جس طرح سے فری میسن کے بارے میں لوگوں کو بتایا جاتا تھا کہ یہ اجتماعی ادارے ہیں، اور یہ کہ بڑے مفید ادارے ہیں، اور ملک و قوم کی بڑی خدمت کرتے ہیں۔ لیکن جب لوگوں کے سامنے حقائق پیش کئے گئے تو ان کی آنکھیں کھلیں کہ یہ ادارے خباثتیں اور شرارتیں پھیلا رہے ہیں اسکے بعد ہماری حکومت مجبور ہوئی کہ وہ حضرت مولانا صاحب کی قرارداد پر غور کرے۔

مولانا مفتی محمود:- مملکت کی پالیسی کے جو راہنما اصول ہیں وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ پاکستان میں معاشرے کی تخلیق کن بنیادوں پر ہونی چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلب روٹری کلب ہو یا لائنز کلب یا بعض دوسرے کلب ان میں حقیقت میں اسلامی اخلاق کا بالکل ہی استحصال کیا جاتا ہے۔ شراب ان میں پی جاتی ہے۔ جوئے بازی ان میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ کلب جن میں غیر ملکیوں کا ہاتھ ہو۔ اور صرف غیر ملکی نہیں بلکہ یہودی۔ وہ طبقہ جو میں سمجھتا ہوں عالم اسلام کے لئے ناسور کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ لوگ کسی بھی صورت میں پاکستان کے خیر خواہ نہیں ہیں بلکہ بدخواہ ہیں اور فری میسن کے ادارے کو خلافِ قانون قرار دینے کی جو وضاحت جناب وزیرِ داخلہ کے پس منظر تھی اور انہوں نے فرمایا کہ فری میسن کے اس ادارے کو خلافِ قانون قرار دے دیا ہے۔ اور ان کی عمارات پر بھی حکومت نے قبضہ لینے کے لئے فیصلہ کر لیا ہے۔ تو بالکل انہی دلائل کے ساتھ یہ روٹری کلب اور لائنز کلب بھی اس طرح ممنوع قرار دیئے جائیں۔

دلائل دونوں کے ایک ہی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ جناب وزیرِ داخلہ ان دونوں میں فرق کس طرح کر رہے ہیں۔ وزیرِ داخلہ کی سی آئی ڈی تو بہت تیز ہے۔ کوئی آدھی رات کو اگر کمرے کے اندر ہوتا ہے جب بھی انہیں معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اور وہ کس طرح لوگوں کے پیچھے پھر پھر کر سی آئی ڈی کرلتے ہیں آج وہ کس طرح کہتے ہیں کہ کوئی معلومات نہیں ہے۔ خان عبدالقیوم خان کا ماضی، ان کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ وہ جس چیز کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، اس کی تمام معلومات ان کو فوراً مہیا ہو جاتی ہیں۔ لیکن آج وزیرِ داخلہ ہوتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ مجھے کوئی پتہ نہیں۔ مجھے ایسی باتوں پر یقین نہیں آتا۔ چشم پوشی کی جا رہی ہے۔ اس لئے فری میسن کے ادارے کے ساتھ ساتھ ان کلبوں کو بھی خلافِ

قانون قرار دیا جائے۔ اور میں اس قرارداد کی حمایت کرتا ہوں۔

اس کے بعد احمد رضا قصوری، صاحبزادہ صفی اللہ اور راؤ خورشید علی نے بھی قرارداد کے حق میں اور جناب وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان نے مخالفت میں جوابی تقریر کی۔ آخر میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے فرمایا

<u>مولانا عبدالحق</u>:۔ میں وزیر داخلہ کی بیدار مغزی کا قائل ہوں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ یہ ہمارا ملک اخلاقی، دینی نقطہ نظر سے ہر لحاظ سے پاک اور طیب ہو۔ اور فتنوں سے محفوظ ہو۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ فوج کے اوپر سویلین اور ڈیفنس والے ان کے اوپر۔

<u>جناب چیئرمین</u>:۔ اب مزید تقریر کا موقعہ نہیں ہے۔

<u>مولانا عبدالحق</u>:۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ ان کے اوپر ہم نے پابندی لگائی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے وزیر صاحب کو شبہ ہے کہ کچھ نہ کچھ خرابی ہے۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے جس طریقے سے فری میسن پر پابندی لگائی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اسی طریقے سے (INTELLGENEC) کے ذریعہ سے معلوم کرنے کے بعد اس کو بھی انشاءاللہ وہ پابندی لگا کر خلاف قانون قرار دیں گے۔

سودی نظام کے خاتمہ کی قرارداد

قرارداد[1]

اس کے بعد مولانا عبدالحق مدظلہ نے سودی نظام کے متعلق وہ قرارداد پیش کی جس پر معرکۃ الآراء بحث ہوئی اور بالآخر سرکاری پارٹی نے اسے رائے شماری کے بعد اپنی اکثریت کے بل بوتے پر مسترد کر دیا۔ قرارداد میں ملک بھر میں سودی اقتصادی اور معاشی کاروباری نظام بشمول بنکنگ وغیرہ کو اسلامی اقتصادی نظام سے بدلنے کا کہا گیا تھا۔ نہ صرف آج کے غیر سرکاری دن بلکہ اگلے غیر سرکاری دن کو بھی اس پر بحث ہوتی رہی۔ سرکاری پارٹی کے ارکان وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن جناب پیرزادہ جناب جے اے رحیم، شیخ رشید وزیر صحت، علی حسن منگی، غلام نبی چودھری، جناب ممتاز احمد، جناب راؤ حفیظ اللہ، جناب گردیزی وغیرہ نے قرارداد کے مندرجات سے ایک حد تک اتفاق کرتے ہوئے بھی قرارداد کی مخالفت میں تقریریں کیں اور خود محرک قرارداد مولانا عبدالحق کے علاوہ جناب غلام فاروق خان، راؤ خورشید علی، مولانا ازہری، مولانا محمد علی، مولانا عبدالحکیم، مولانا نعمت اللہ مولانا غلام غوث ہزاروی، پروفیسر غفور، جناب فاروقی صاحب، جناب محمود علی قصوری جناب کریم بخش اعوان اور سرکاری پارٹی کے جناب غلام رسول تارڑ نے قرارداد کے حق میں تقریریں کیں۔ اخبارات میں پچھلی قرارداد کی طرح اس بحث مباحثہ کا بھی بہت ہی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ذکر آیا۔ اس لیے ہم ملک کو اقتصادی اور معاشی لحاظ سے درپیش اس اہم مسئلہ پر دونوں فریقوں کے ضروری نقطہ ہائے نظر پیش کرنا چاہتے ہیں۔

بحث سب سے پہلے قرارداد کے محرک مولانا عبدالحق مدظلہ نے تشریحی تقریر میں

[1] مباحث ۷ جون ۱۹۷۳ء ص ۵۳ تا ص ۱۱۱

مختصراً سود کی شرعی قباحتوں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سرکاری مذہب
آئینی طور پر اسلام مانا گیا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ سود چاہے جس شکل میں بھی ہو
اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ صاف
اعلان ہے جو اللہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سودی کاروبار کرتا ہے اسے میری طرف
سے اعلانِ جنگ ہے فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ پھر ہمارے آئین میں بھی
ہے کہ ہم سودی لین دین اور معاملات کو ختم کریں گے۔ تو میری قرارداد کا مقصد یہ ہے کہ
سودی نظام کو اسلام کے معاشی نظام سے تبدیل کر کے ملک میں غیر سودی نظام رائج کیا جائے۔

مولانا کے بعد سوشلسٹ نظام برپا کرنے کی دعویدار پارٹی کی طرف سے غلام نبی چودھری
نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا آج کی ترقی پذیر دنیا میں کوئی بھی صنعت و تجارت
سود کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا اور بنکوں کی حیثیت شریانوں جیسی ہے۔ مولانا بنک
کے منافع کو سود سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ اس کے بغیر ہم دنیا کے ساتھ معاملات
نہیں کر سکتے۔ سود تو سود خوار پٹھانوں والا حرام ہے۔ مطلقاً نہیں۔ اس ریمارک پر ایوان
میں شور ہوا اور مقرر نے الفاظ واپس لیے اور اس ضمن میں اصل مسئلہ کو ہنسی مذاق کو ٹالنے
کی کوشش شروع ہوئی مولانا غلام غوث ہزاروی نے (جو اس وقت تک کھلے طور پر حکومتی
پارٹی کے ہمنوا نہ تھے) تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ مسئلہ بڑا نازک ہے اس لیے مذاق سے
کام نہیں لینا چاہیے۔ سوال بنکوں کے نہ ہونے کا نہیں سودی بنکنگ نظام کا ہے
مولانا نے بحث کا رُخ معقول موقف کی طرف موڑنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ آپ
یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس بارہ میں سوچا جائے گا، لیکن سودی نظام کے حق میں دلائل پیش
کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ مگر مولانا   کے ارشاد کے برعکس آخر تک وہی نامعقول
انداز سامنے آتا رہا۔ چودھری غلام نبی کو اصرار تھا کہ میں بنک کے منافع کو سود تسلیم ہی
نہیں کرتا۔ یہ تو ملازمین کی محنت ہے، منجمد سرمایہ کو حرکت دینا ضروری ہے۔ پروفیسر غفور نے

پھبتی کسی کہ آج یہ سرمایہ داروں کا ایجنٹ بن کر کون بول رہا ہے ؟ مولانا ہزاروی نے بھی کہا کہ اجلاس کے کسی ممبر کو مفتی بننے کا حق حاصل نہیں۔ مصر کے مجمع البحوث الاسلامیہ کے سینکڑوں علماء نے سود کی موجودہ تمام قسموں کو حرام قرار دیا ہے۔

پھر ہمارے وزیر خزانہ بھی سودی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کی جڑ سمجھتے ہیں غلام نبی صاحب نے کہا کہ سعودی عرب کے سرمایہ سے یورپ کے بنک چل رہے ہیں اور حکومت منافع لے رہی ہے۔ وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن نے بھی قرارداد کی مخالفت کی اور کہا کہ صرف بنکوں سے سود کے خاتمہ سے استحصال ختم نہیں ہوتا۔ بٹائی وغیرہ کی کئی صورتیں سود میں آتی ہیں (حالانکہ قرارداد میں صرف بنکوں کا نہیں ہر قسم سودی نظام کا ذکر تھا) انھوں نے کہا کہ ہمارے سوشلسٹ نظام قائم کرنے کے دعوؤں کا مطلب استحصال کی تمام قسموں کو ختم کرنا ہے، مگر ایک قرارداد پاس کر کے ہم کیسے سود ختم کر سکتے ہیں اس لیے قرارداد کی مخالفت کرتا ہوں۔ اس مرحلہ پر ملک محمد جعفر جو قائم مقام سپیکر کے فرائض انجام دے رہے تھے نے قانونی نکتہ اٹھا کر وزیر قانون وغیرہ سے دریافت کرنا چاہا کہ ربوا ختم کرنیکا ذکر عبوری اور مستقل آئین کے رہنما اصولوں میں ہے تو کیا ایسی بات کے متعلق قرارداد آسکتی ہے پیرزادہ صاحب وزیر قانون نے جواب میں کہا کہ قرارداد سے نیشنل اسمبلی کی خواہشات حکومت تک پہونچائی جاتی ہیں۔ آئین قرارداد سے بالاتر ہے۔ اب جب آئین میں ذکر ہے تو قرارداد کی اہمیت بھی نہیں رہتی اس لیے اگر مولانا اسے واپس لے لیں تو بہتر ہوگا۔ سابق وزیر قانون میاں محمود علی قصوری نے اس نکتہ پر بولتے ہوئے کہا کہ خود پالیسی اصول کے بارہ میں یہ مسلم ہے کہ اسے قانونی ادارہ کے ذریعہ نافذ نہیں کیا جا سکتا تو اسکی قانونی حیثیت کچھ بھی نہیں اس میں شراب اور دیگر محرّمات کے ختم کر دینے کا بھی ذکر ہے مگر اس کے باوجود اس ملک میں سب کچھ ہو رہا ہے تو یہ پالیسی اصولوں پر عمل کرنے کا طریقہ ہے کہ ادارہ اپنی خواہشات کا قرارداد کے ذریعہ حکومت پر دباؤ ڈالتا ہے پالیسی

اصولوں کا مطلب یہ نہیں کہ قرارداد ہی نہ آسکے۔ نائب سپیکر نے کہا کہ جب پالیسی کے اصولوں میں ہے تو تحصیل حاصل ہے۔

جواب میں قصوری صاحب نے کہا کہ اس ادارہ کا کام اسے نافذ کرانا اور اس پر رائے کا اظہار کرانا ہے۔ اس ادارہ کو حق حاصل ہے کہ وہ قرارداد کے ذریعہ ملک بھر کے قحبہ خانے شراب نوشی اور سود وغیرہ ختم کرنے کا مطالبہ کرے۔

اس کے بعد وفاقی وزیر جے اے رحیم نے تقریر میں کہا کہ بے شک مولانا بہت پرہیزگار اور پاکیزہ کردار والے ہیں، مگر جس نظام کو وہ اس ملک میں لانا چاہتے ہیں وہ مثالی نظام اس غریب ملک میں نہیں آسکتا۔ اس کے لیے انقلابی اقدامات کی ضرورت ہوگی۔ میں نہیں سمجھتا کہ بنکوں کا نظام ختم کیا جا سکتا ہے۔ جناب غلام فاروق صاحب جو اقتصادیات کے گنے چنے ماہرین میں سے ہیں اور بنکنگ کا بھی تجربہ رکھتے ہیں نے قرارداد کی پرزور حمایت کی اور اس بات کی تردید کی کہ بنکنگ نظام بغیر سود کے نہیں چل سکتا۔ انھوں نے اسی برصغیر سے کئی مثالیں پیش کیں کہ بڑی بڑی صنعتیں اور ادارے بغیر سود کے قرضے کے شروع کیے گئے، احمد آباد بھارت کی تمام ملز اس کی مثال ہیں۔ یہ تمام کاروباری ترقی بغیر سودی نظام کے بھی انھیں حاصل ہو گئی۔

پروفیسر غفور نے بھی عبوری اور مستقل آئین کے حوالے سے سودی نظام ختم کر دینے پر زور دیا اور کہا کہ آئین میں پچھلے سارے قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھال دینے کا بھی ذکر ہے۔ جب سود حرام ہے تو حکومت کا فرض ہے کہ اس بارہ میں عملی اقدامات کرے۔ مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے بھی اس مرحلہ پر کہا کہ قرارداد سے مستقل آئین اور عبوری میں سود کی ممانعت کی اہمیت اور بڑھ سکتی ہے تو پھر قرارداد منظور کر دینے میں کونسی قباحت ہے۔ اس لیے میں قرارداد واپس لے لینے کا مشورہ قبول نہیں کر سکتا۔ آپ اسے کثرت رائے سے مسترد کر دیں یا بحث جاری رکھیں، بحث جاری رہی اور

پیپلز پارٹی کے جناب غلام رسول تارڑ نے قرارداد کے حق میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میرے نزدیک سود قطعی غیر اسلامی چیز ہے اس پر بحث کرنا ہی نہیں چاہیے۔ سعودی عرب میں سود کا ایک پیسہ وصول نہیں ہوتا۔ نظام بدلنے سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ غریب ملک جو بھیک مانگتے تھے۔ وہاں زکوٰۃ وصول کرنے والا نہیں ملتا اور وہاں سود نہیں۔ یہ ملک سود کے بغیر بے مثال ترقی کر سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ معاملہ مشاورتی کونسل کو بھیجا جائے۔ مگر تین ماہ میں رپورٹ آنے کی شرط لگائی جائے مشاورتی کونسل مجبور ہوتی ہے یا آزاد مجھے اس سے بحث نہیں، مگر اس میں جید علماؑ کو مقرر کرنا چاہیے۔ ہم جب مسلمان ہیں، قرآن و سنت پہ ایمان رکھتے ہیں تو سود کو حرام کرنا ہی پڑے گا۔ تارڑ صاحب کی تقریر سرکاری بُت کدہ میں ایک ہی اذان تھی۔

وزیر خزانہ نے مشاورتی کونسل کے سلسلے میں جواب دیتے ہوئے کہا [illegible]ء میں مشاورتی کونسل نے جواب دیا تھا کہ وہ اس بارہ میں متفق ہے کہ ربا حرام ہے مگر وہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ عامی سودوں اور مصارفی (فقہی) ذخیرہ پر لگایا گیا سود ربا میں شامل ہے یا نہیں وزارت مالیات نے پھر ابہام رفع کرانا چاہا۔ کونسل نے صاف کہا کہ ہم نہیں بتا سکتے کہ موجودہ سود ربا میں شامل ہے یا نہیں بعض نے رپورٹ میں کاروباری سود وغیرہ کو حرام قرار دیا۔ بعض نے نوٹ جاری کرنے کا کمیشن پرائز بانڈ، پراویڈنٹ، پوسٹل لائف فنڈ بھی ربا میں شامل کر دادی۔ بعض نے ربا کو حرام کہا مگر بنک کے سود کو مستثنیٰ قرار دیا۔ الغرض شخصی ملکیت کی بنیاد سود ہے۔ ہم اسے ختم کریں گے۔ مگر ساری باتوں کو سوچ کر۔

جمعیۃ العلمائے اسلام کے ایک رکن نے وزیر خزانہ کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ وزیر خزانہ نے علماء اور ججوں کے بڑے حوالے دیئے، مگر کونسل میں کون سے علماؑ

علما تھے۔ اور جب کونسل ایک ایسے مسئلہ پر واضح فیصلہ نہ دے سکی تو ایسے نااہلوں کو کیوں رکھا گیا، اس لیے تو ہم کونسل میں کم از کم نصف تعداد علما، کی رکھنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ۹ اپریل کو صدر سے میں نے خود کہہ دیا تھا کہ اس موجودہ شکل میں ہم کونسل کے فیصلوں کو کب صحیح کہہ سکتے ہیں۔ اس میں چار علماء رکھنے کا تو ذکر ہے مگر باقی نو ارکان کی اہلیت ایسی ہی مبہم رکھی گئی ہے۔ انھوں نے پی پی پی کے غلام رسول تارڑ کی تحسین کی کہ انھوں نے اسلامی فرض ادا کیا۔ انھوں نے تجویز پیش کی کہ قرار داد کو آپ کونسل بھیج دیں۔ انھوں نے کہا وزیر خزانہ سرمایہ داری کی مخالفت کرتے ہوئے نفع اور سود میں فرق نہیں کر سکتے یہ فرق کرنا ما و شما کا کام نہیں، مسئلہ نازک ہے۔ اس لیے تقریر میں بھی احتیاط سے کرنی چاہئیں۔

پی پی پی کے باغی جوشیلے ممبر راؤ خورشید علی نے ایمانی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرار داد کی حمایت کی اور کہا کہ مولانا عبدالحق کا شکر گذار ہونا چاہیے۔ جنھوں نے معزز ایوان کو یہ موقع فراہم کیا کہ ایسے نازک اہم مسئلہ پر اظہار رائے کیا جائے۔ انھوں نے کہا وزیر قانون کہتے ہیں کہ یہ قرار داد آئین کے مطابق نہیں تو اسے کیوں پیش کرنے دیا گیا، اگر مولانا پرائیویٹ بل لاتے تو اس وقت کہہ دیا جاتا کہ اسے قرار داد کی شکل میں آنا تھا۔ بہرحال مولانا کی قرار داد نہایت اہم ہے۔ جب طے شدہ ہے کہ اسلام کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا اور اسلام میں ربوا اور سود کی اتنی مذمت آئی ہے کہ آدمی اس پر غور کرے تو ڈر لگتا ہے یہ ہمارے چار سُو، بھوک، افلاس، بے روزگاری کی لعنت، سود کا اثر نہیں تو اور کیا ہے۔ تو اسے ٹلنے والی بات موزوں نہیں۔ بلا سود بنکاری ناممکن نہیں، اس پر مستند کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اگر خدا و رسول کو خوش کرنے ہم سود سے پاک معیشت کو آزمالیں تو کیا حرج ہے۔ راؤ صاحب نے کہا کہ دوسری چیز جسے قرارداد کے ذریعہ توجہ دلائی گئی وہ یہ کہ ہماری رائے لوگوں تک پہونچ جائے جن کے ووٹ سے

ہم منتخب ہو کر آئے ہیں۔ اب مولانا عبد الحق، پیرزادہ صاحب، بشر صاحب وغیرہ کی ساری باتیں لوگوں تک پہنچیں گی۔ آئندہ لوگ اس بات کا نوٹس لیں گے کہ کون نمائندگی کا اہل ہے جو یہاں ایوان میں خدا و رسول کی سود جیسے مسئلہ میں مخالفت کریں گے تو شاید اس وقت اکثریت کے بل پر اسے ناکام بنا دیں، لیکن یہ ساری مخلوق دیکھ رہی ہے۔ ان کو جواب دہی کرنا پڑے گی کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے ایوان میں حرام کو حلال قرار دیا۔ تو سود ختم کرنے کے لیے فضا ہموار کرنی چاہیے۔

علماء ایسی قرار دادوں سے آئندہ قانون سازی کا رُخ متعین کرنا چاہتے ہیں۔ علماء نے اپنا نقطۂ نظر رکھ دیا ہے۔ اس لیے صحیح معنوں میں قانون سازی کے لیے اس قسم کی قرار دادوں پر بحث ضروری ہے کہ ایوان کا نقطۂ نظر سامنے آتا ہے۔

پی پی پی کے گردیزی صاحب نے کہا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ سود کو حرام سمجھے مگر موجودہ نظام اقتصادیات کے ساتھ چلتے ہوئے کچھ فیصلہ کرنا ہوگا۔ اس کے بعد مولانا عبد المصطفیٰ الازہری نے قرار داد کی تائید میں تقریر شروع کی اور کہا کہ سود کا مسئلہ کبھی محل نظر نہیں رہا اور آج صبح قاری نے جو تلاوت کی، اتفاقاً وہ قدرت کی طرف سے آج کے مسئلہ پر ایک تنبیہ تھی کہ من اعرض عن ذکری فان لہٗ معیشۃ ضنکاً۔ یہ معیشت کا فساد خدا سے روگردانی ہی کا نتیجہ ہے۔ (اجلاس ختم ہونے کا وقت ہوا اور بحث کسی غیر سرکاری دن پر ملتوی کراتے ہوئے۔ سپیکر نے اجلاس ختم کرا دیا)

دوسرے دن کی بحث

۲۹ جون ۱۹۷۳ء کو قرار داد پر دوبارہ بحث شروع ہوئی تو ازہری صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھ کر کہا کہ قرآن کا اصولِ معاشیات لا تظلمون ولا تظلمون ہے۔ نہ خود ظلم کرے نہ دوسرے کو موقع دے۔ سودی ظلم کا کاروبار مٹانا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ حضور نے

حجۃ الوداع میں سود کو قدموں میں روندنے کا اعلان کیا۔ حضورؐ کے اس اعلان کو ہم یہاں ایوان میں دہرا کر اور ایوان کو شاہد بنا کر احکامِ شریعت پہنچانے کا فریضہ ادا کر چکے ہیں۔ اس لیے میں مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی قرارداد جس میں مسلمانوں کی ترجمانی کی گئی ہے کی تائید کرتا ہوں۔

جماعتِ اسلامی کے جناب محمود اعظم فاروقی نے قرارداد کے حق میں کہا کہ ہم ترقی یافتہ ملکوں سے بلاسود قرضوں کے امیدوار ہیں اور ملکی قرضوں پر سود لگاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مزدور کو سائیکل قرض خریدنے پر بھی سود لگاتے ہیں۔ یہ کیسا تضاد ہے تو دستور پر کچھ تو عمل ضروری ہے۔ حقائق سے انحراف نفاق ہے۔ جو ہماری پالیسیوں کا اذیت ناک پہلو ہے۔ انھوں نے انکشاف کیا کہ یہ مسئلہ اسلامی مشاورتی کونسل کو جب بھیجا گیا تو کونسل نے بنک کے سود کو بھی حرام قرار دیا اور رپورٹ کی اکثریت کی رائے ہر قسم کے سود کو حرام قرار دینے کی تھی، مگر اس رپورٹ کو مختلف وجوہات سے رکوا دیا گیا۔

قائم مقام سپیکر ملک محمد جعفر نے لفظ ربوا کے معنی متعین کرنے پر زور دیا۔ فاروقی صاحب نے کہا کہ لفظ کا معنی اس کا معاشرہ میں استعمال سے متعین ہوتا ہے۔ حضورؐ کے زمانہ میں ربوا کی وہی شکل تھی جو آج سود کی شکل میں رائج ہے، بلاسود بنکاری انوکھی چیز نہیں، مغربی مفکرین اور ماہرین معاشیات سودی نظام کو معاشی نقطۂ نظر سے غلط قرار دے چکے ہیں۔ ہمارے سٹیٹ بنک کے گورنر بھی باہر جا کر یہی کہتے ہیں تو آج کا سود جو مہاجن سود ہے کہ دس ہزار پر اٹھارہ ہزار سود ہے۔ اس لیے مولانا کی قرارداد نہایت بروقت ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے بھی ملک جعفر کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ انٹرسٹ کا مطلب لا-بک میں وہی ہے جو ربوا ہے شریعت میں۔

پیپلز پارٹی کے ممتاز احمد صاحب نے بھی سرکاری ترجمانی کرتے ہوئے وہی بات دہرائی کہ سود لینا دینا گناہ ہے۔ مگر پہلے معاشرہ کو اسلامی بنانا ہوگا، مگر وہ یہ وضاحت نہ کر سکے کہ آخر اسلامی بنانے کا یہ عمل سود، شراب، جوا، زنا کے خاتمہ سے

نہیں شروع ہو سکا تو کب اور کیسے شرمندہ وجود ہوگا۔ ممتاز احمد صاحب نے یہ بھی الزام لگایا کہ اسلامی حکومتوں میں سود مضاعفاً بھی لیا جاتا تھا۔ بنکوں کے نظام نے بتدریج اس کی شرح کم کر دی۔ اب کسی ملک میں بھی سودی نظام کے بغیر معاشیات چل سکنے کی مثال نہیں۔ سوشلسٹوں نے بھی پہلے سرمایہ داری ختم کردی تب بلا سود بنکاری قائم کی۔

حیدرآباد کے مولانا سید محمد علی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ قرارداد کے مخالفین سرمایہ داری کی بنیادیں مستحکم کرنا چاہتے ہیں جس کے خلاف زبانی دعوے ہو رہے ہیں۔ بنکوں کو مضاربت کی شکل میں بھی چلایا جا سکتا ہے۔ نقصان کے بغیر نفع ہی نفع تو قطعاً سود ہے مضاربت سے چھوٹے سرمایہ کار بھی نفع میں شریک ہو سکیں گے۔ صرف بنک کے دیوالیہ کا خطرہ بھی ختم ہو جائے گا کہ سرمایہ والے بھی نقصان میں شریک ہوں گے۔

پی پی پی کے ملک محمد جعفر اور ڈاکٹر مبشر حسن وزیر خزانہ نے یہ نکتہ اٹھایا تھا کہ منقولہ یا غیر منقولہ جائداد کے استعمال کا معاوضہ اور زمین کا ٹھیکہ دینا اور لگان ذخیرہ بھی سود ہے یا نہیں۔ فاضل مقرر مولانا محمد علی اس الجھن کو وضاحت سے دور نہ کر سکے، مگر ان کی تقریر جاری تھی تو جواب بھی وہی دیتے رہے۔ پھر بھی انھوں نے اجارہ، رہن اور سود کا فرق سمجھانے کی کوشش کی۔

جمعیۃ علماء اسلام کے مولانا نعمت اللہ کوہاٹ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ سود کی حرمت کے وقت بھی لوگوں کو ایسی ہی الجھنیں تھیں کہ روپیہ پر روپیہ لینا جائز اور تجارت کا نفع جائز مگر نفع اور سود میں فرق ہے۔ سود میں اصل محفوظ ہوتا ہے۔ نقصان ایک کا ہوتا ہے، تجارت میں اصل کے ضائع ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ اگر اکتناز و ادخار کے خیال سے خریدے وہ بھی حرام ہے۔ مہنگائی پیدا کرنے کی نیت سے بھی حرام ہے مگر عام تجارت حلال ہے۔ اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں انگریزی نظام، تہذیب و تمدن سب کو چھوڑنا ہوگا۔ مولانا نے تعجب ظاہر کیا کہ یہاں اور باہر تو سب سود کو حرام کہتے ہیں۔ مگر ووٹ

پھر بھی خلاف دے دیتے ہیں۔ یہاں بانیٔ پاکستان کی بے عزتی کرنے والوں کے لیے تو ہتھکڑیاں، مگر اسلام کے اصولوں کی اس طرح پائمالی کے لیے کوئی سزا نہیں۔ ہمیں اس لیے عوام نے منتخب کیا کہ اسلامی فریضہ ادا کرسکیں، اگر آج ہی آپ اعلان کر دیں تو کوئی بھی کام نہیں رُکے گا۔ قذافی نے شراب سود سب کچھ حرام کر دیا۔ اس کا کونسا کام بند ہوا۔

مولانا عبدالحکیم (جو تاحال جمعیۃ علماء اسلام کے ہمنوا تھے) نے کہا کہ ہم بنکاری کے مخالف نہیں اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام کا عدل عمرانی نافذ کرانے کے لیے سود کا خاتمہ ضروری ہے۔ سود کا مسئلہ عقل سے زیادہ نقل سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ اور صحیح نقلی دلیل ہزار عقلی باتوں پر بھاری ہے۔ انھوں نے اسلام میں قرضِ حسنہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ قرضوں کا تحفظ فرہان مقبوضۃ کہہ کر کیا گیا۔ اگر رہن نہ ہو تو وثیقہ لکھدیا جائے تجارت میں شراکت کی اجازت دی۔ ظلم اور حق تلفی روکنے کے لیے الجلب (شہر سے باہر جاکر سودا کرنا) سے روکا کہ اسے مارکیٹ میں آنے دو، تاکہ وہ خود مارکیٹ میں اپنی قیمت متعین کرسکیں۔ انھوں نے کہا کہ آپ استحصال ختم کرنے کے دعوؤں کے باوجود سود باقی رکھنے پر کیوں مصر ہیں جو مغربی نظام کے بانی یہودیوں کا ورثہ ہے۔

کونسل لیگ، کے رکن کرم بخش اعوان صاحب جو اب سرکاری پارٹی کے ہمنوا ہیں نے بھی قرارداد کی حمایت کی اور کہا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد حضورؐ کے لائے ہوئے نظامِ حیات کے ہم پابند ہوتے۔ پھر بھی ایسی چیز میں جائز و ناجائز کا پوچھتے ہیں، اگر ہماری زندگی اپنی پٹڑی پر نہ رہی ایکسیڈنٹ ضرور ہوگا۔ قوم خدا کے صراطِ مستقیم پر رہی تو توازن قائم رہے گا۔ پیپلز پارٹی کے علی حسن منگی نے قرارداد کی مخالفت کی اور کہا کہ ہم اقتصادی بین الاقوامی معاہدوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ترقیاتی مقاصد کے لیے قرضوں کی ضرورت ہے راؤ حفیظ اللہ نے بھی قرارداد کی مخالفت میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔

قرارداد مسترد : اس وقت ایوان کا وقت ختم ہونے کا تھا۔ اتفاق سے سرکاری ارکان

کی اکثریت نہیں بن سکی تھی۔ حزبِ اختلاف کو اصرار تھا کہ ابھی ووٹنگ کرائی جائے، مگر سپیکر صاحب برابر ٹال رہے تھے۔ قصوری صاحب نے کہا قرارداد ایک سفارش ہوتی ہے جس پر آپ تحدید نہیں کر سکتے، اب حکومت اس لیے ووٹ نہیں لینا چاہتی کہ پوزیشن خراب ہوتی ہے اس مسئلہ پر ایوان میں ہنگامہ جاری رہا کہ سپیکر نے ڈپٹی لیڈر شیخ رشید کو تقریر کرنے کا کہا ان کی کوئی تقریر استحصال کے درد سے خالی نہیں ہوتی۔ آج استحصال کی بنیادی جڑ سود ختم کرنے کی مخالفت کرتے ہوتے بھی انہوں نے یہی حربہ خوب استعمال کیا۔ ایک مرحلہ پر جب انہوں نے کہا کہ ہم قرارداد پیش کریں گے کہ ہر قسم کا استحصال ختم کیا جائے تو حزب اختلاف نے شور بلند کیا کہ ابھی پیش کر دو، ہم آپ کے ساتھ ہیں انہوں نے کہا اگر یہ لوگ سود کے مخالف ہیں تو انھوں نے آئین سے سوشلسٹ نظام معیشت کا لفظ کیوں نکلوایا۔

بہرحال اسی ہنگامہ میں تقریر ختم ہوئی، رائے شماری سے قبل ضابطہ کے مطابق مولانا عبدالحق محرّک قرارداد کو آخری جوابی تقریر کرنا تھی اور ان کا یہی تقاضا تھا، مگر حزبِ اختلاف چاہتی تھی کہ قرارداد پر دوسرے کسی دن پر ٹلنے کی بجائے ابھی ٹائم جو چند ہی منٹ سے ختم ہونے سے قبل ووٹنگ کرائی جائے۔ چنانچہ ووٹنگ میں حزب اختلاف کے کل موجود ۲۲ ارکان نے حق میں اور سرکاری پارٹی کے موجود ۳۲ ارکان نے مخالفت میں ووٹ دیا اور استحصال، سوشلزم، مساواتِ محمدیؐ کے دعویداروں نے سودی نظام کے خاتمہ کی قرارداد مسترد کرنے پر خوب تالیاں بجائیں۔

سودی نظام کے خاتمہ کی قرارداد

ملکی پریس کی نظر میں

قومی اسمبلی نے سودی نظام کے خاتمہ سے متعلق شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی قرارداد کو رائے شماری سے مسترد کر دیا۔ اس پر ملکی پریس نے مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی۔ یہاں ہم ملک کے بعض مشہور اخبارات وجرائد کے اداریے پیش کر رہے ہیں۔ (مرتب)

جسارت کراچی

سودی نظام معیشت کے خاتمے کے لیے جمعیۃ علماء اسلام کے مولانا عبدالحق کی پیش کردہ قرارداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں ۲۲ کے مقابلے میں ۳۴ ووٹوں سے مسترد ہو گئی۔ حیرت ناک امر یہ ہے کہ یہ قرارداد اس کے باوجود مسترد کر دی گئی کہ سودی نظام کی حمایت میں کوئی ایک دلیل بھی ایوان میں پیش نہیں کی جا سکی۔ بحث میں حصہ لینے والے تمام ارکان نے تسلیم کیا کہ اسلام نے سود کو ناجائز قرار دیا ہے اور سودی نظام معیشت استحصالی نظام ہے۔ سرکاری پارٹی کے ارکان نے بھی اقرار کیا کہ ان کا بھی یہ ایمان ہے کہ سود حرام ہے لیکن اس لعنت کو برقرار رکھنے کے لیے انہوں نے جو بہانہ تراشا وہ یہ کہ سوشلزم کے نفاذ کے بغیر سود کا خاتمہ ناممکن ہے۔

ہم نہیں سمجھ سکے کہ لوٹ کھسوٹ کے اس نظام کو پاکستان کے استحصال زدہ عوام کے سر پر مزید مسلط رکھنے کے لیے ایسے نامعقول دلائل پیش کر کے کسے بے وقوف بنانے کی توقع کی جا رہی ہے؟

اسلام نے ۱۴۰۰ برس پہلے ہی سودی کاروبار کو حرام قرار دے کر سرمایہ دارانہ نظام کی جڑ کاٹ دی تھی اور اب مغربی ماہرین معاشیات بھی جو پہلے اس نظام کے پرجوش وکیل تھے۔ اپنی سوسائٹی میں شدید مادہ پرستی، خود غرضی اور انسانی اقدار کی پامالی کی شکل میں اس

کے کڑوے پھل دیکھ لینے کے بعد اس لعنت کی تباہ کاریوں کے قائل ہو گئے ہیں، لیکن ماتم کے لائق ہے ہمارے دانشوران سیاست کی عقل و دانش کہ وہ اس چیز کو چوم چاٹ کر اپنے سروں پر رکھے رہنے کے لیے مصر ہیں جسے اب خود وہ لوگ مسترد کر رہے ہیں جن کی اندھی تقلید میں ہم نے اسے اپنایا تھا۔ یہ دلیل نہایت بودی اور ناقص العقل ہونے کا ثبوت ہے کہ سود مکمل سوشلزم کے نفاذ کے بغیر جو بجائے خود ایک استحصالی نظام ہے ختم نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے شرکت و مضاربت کے جو اصول مقرر کیے ہیں۔ ان کے ذریعہ موجودہ نظام بنکاری کو غیر سودی سانچے میں بہ آسانی ڈھالا جا سکتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ اس معاشی نظام کا تفصیلی نقشہ تیار کرنے کے لیے ہمارے ماہرین معاشیات کو کچھ کام کرنا پڑے گا۔ لیکن بہرحال اصولی طور پر اس ضرورت کو تسلیم کیا جانا چاہیے اور اس سمت میں تیز رفتاری سے اقدامات عمل میں لائے جانے چاہئیں تاکہ جلد سے جلد سود کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی جڑ بنیاد یہی لعنت ہے۔ جب تک اس پر تیشہ نہیں چلایا جائے گا۔ اس استحصالی نظام کا خاتمہ ناممکن ہے۔ سودی نظام برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ سرمایہ داری کی مخالفت حقیقتاً منافقت کے سوا کچھ اور نہیں۔

قومی اسمبلی کے اس فیصلے کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس سے پاکستان کے اسلامی تشخص کو شدید جھٹکا لگا ہے۔ سود، شراب، ریس، نائٹ کلبوں اور قمار بازی کے اڈوں پر پابندی کے سلسلہ میں سابقہ حکومتوں کا طرز عمل یہ رہا ہے کہ وہ عوام کے مطالبے کو ٹھکراتے ہوئے ہچکچاتی تھیں اور کچھ وعدے وعید کر کے اپنی جان چھڑا لیتی تھیں۔ انہیں پاکستان کے اسلامی مملکت اور اپنے مسلمان ہونے کی تھوڑی بہت شرم دامنگیر رہتی تھی، لیکن پیپلز پارٹی کے عوامی دور میں یہ شرم بھی اٹھ گئی اور ہم پہلی بار دیکھ رہے ہیں کہ اسمبلیوں میں سود، شراب، نائٹ کلب اور قمار بازی کے اڈوں پر پابندی کی تحریکیں اور قراردادیں بڑی ڈھٹائی کے ساتھ مسترد کی جا رہی ہیں اور انتہا یہ ہے کہ اب حکومت حج کی رقم پر بھی

سود کمانے کے انتظامات کر رہی ہے۔

اس صورتِ حال سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو پیپلز پارٹی کے نعرۂ "اسلام ہمارا دین ہے" سے دھوکا کھا گئے اب وہ کھلی آنکھوں سے دیکھیں کہ اسلام کے ساتھ اس پارٹی کا عملی رویّہ کیا ہے اور وہ اسلام کی ان بنیادی تعلیمات کے ساتھ بھی کیا سلوک کر رہی ہے جن پر پوری اُمّت کا کامل اتفاق ہے اور جو ۱۴ سو سال میں کبھی متنازعہ نہیں رہیں۔

(جسارت۔ کراچی ۲ر جولائی ۱۹۷۳ء)

نوائے وقت

پاکستان میں اسلام کے ارفع و اعلیٰ اقتصادی و معیشی اصولوں کی سربلندی اور ہر قسم کے استحصال سے پاک اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے آرزومند حلقوں کے لیے یہ اطلاع بلاشبہ مایوسی کا موجب بنے گی کہ قومی اسمبلی نے وہ غیر سرکاری قرارداد مسترد کر دی ہے جس میں حکومت سے سفارش کی گئی تھی کہ سُود پر مبنی لین دین کا اقتصادی نظام ختم کرکے اس نظام کو اسلام سے ہم آہنگ کیا جائے اس سے بھی زیادہ افسوس ناک وہ روش ہے جو مرکزی وزیر صحت اور قومی اسمبلی میں حکومتی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر شیخ محمد رشید نے اس قرارداد پر بحث کے دوران اختیار کی۔

پاکستان کے ہر محب وطن شہری کی یہ خواہش و آرزو ہے کہ یہاں استحصال اور لوٹ کھسوٹ سے پاک معاشرہ تشکیل ہو۔ دولت کی مساوی تقسیم ہو۔ امیروں کے امیر تر اور غریبوں کے غریب تر ہونے کی لعنت ختم ہو اور ہر شخص اپنی صلاحیت و قابلیت کے مطابق معاش و روزگار حاصل کر سکے ہر شخص کو اس کی محنت کا پورا ثمرہ ملے اور وہ آسودگی کے ساتھ زندگی گذار سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومتی پارٹی نے بھی مساوات محمدی کے نعرے پر انتخابی کامیابی حاصل کی۔

ہماری موجودہ اقتصادی ناہمواری کی سب سے بڑی وجہ ہمارا مروجہ اقتصادی نظام

ہے۔ اس نام نہاد سامراجی نظام کی بنیاد سود پر ہے۔ یہ سود ہی ہے جس نے اس نظام کو بدترین قسم کا استحصالی نظام بنا دیا ہے۔ ہم بعض سوشلسٹ اور ترقی پسند وزرائے کرام کے اس دعویٰ کو تو تسلیم نہیں کر سکتے کہ سوشلسٹ ملکوں میں سود نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو سوشلزم کو مشرف بہ اسلام کر کے اسلامی سوشلزم کا نام دینے کا تکلف شاید کرنا پڑتا۔ لیکن اگر بحث کی خاطر ان کا یہ دعویٰ درست تسلیم کر لیا جائے کہ سوشلزم میں بھی سود نہیں، اسلام اور سوشلزم کے اقتصادی نظام میں کوئی فرق نہیں یا وہ دونوں (اسلام اور سوشلزم) کا مقصد یہاں نافذ کرنا چاہتے ہیں تو پھر معاف کیجئے یہ بڑی منافقانہ روش ہے کہ جب قومی اسمبلی میں سود کو ختم کرنے کا مسئلہ پیش ہو اور یہ معاملہ پیش کرنے والے نام نہاد سامراجی یا سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی بنیاد سود کو ختم کر کے یہاں استحصال سے مبرا اسلامی نظام معیشت نافذ کرنے کی کوشش کر رہے ہوں اور اس کی مخالفت وہ لوگ کریں جو استحصال سے پاک معاشرہ کی تشکیل کے علمبردار ہوں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ لوگ نہ اسلام پر یقین رکھتے ہیں اور نہ وہ اپنا مثالی سوشلزم لانا چاہتے ہیں، بلکہ موجودہ استحصالی نظام کو ہی جاری رکھنا چاہتے ہیں جو محنت کشوں، کسانوں اور غریبوں کا خون چوسنے والے عناصر کو راتوں رات امیر بنا کر دولت کی ریل پیل سے ہمکنار کر سکتا ہے

(نوائے وقت۔ لاہور، راولپنڈی۔ یکم جولائی)

حریت

رونا تو اس بات کا ہے کہ پاکستان کے معاشرے کو ایک مثالی معاشرہ بنا دینے، اقتصادی ناہمواری کو ختم کر دینے اور استحصالی ذرائع کو ملیا میٹ کر دینے کے دعوے تو بہت کیے جاتے ہیں۔ لیکن جب اس مقصد کے لیے کوئی بنیادی قدم اٹھانے کا موقع آتا ہے تو راہ فرار اختیار کی جاتی ہے اور نہایت سطحی اصلاحات کے ذریعے یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ بس منزل مقصود قریب آ گئی۔

ایسا ہی ایک واقعہ گذشتہ ہفتے قومی اسمبلی میں پیش آیا۔ ایک غیر سرکاری قرارداد پیش کی گئی تھی جس میں حکومت سے سفارش کی گئی تھی کہ سود پر مبنی لین دین کا نظام ختم کیا جائے۔ یہ قرارداد مسترد کر دی گئی اور حکومتی پارٹی کی جانب سے اس کی مخالفت میں دلیل یہ دی گئی کہ صرف سود ختم کرنے سے کیا ہوتا ہے، ہم تو استحصال کی دوسری شکلوں کو بھی ختم کرنا چاہتے ہیں سود تو استحصال کی صرف ایک صورت ہے اور اس کی ممانعت ایک ادھورا اقدام ہو گا۔

بحث بحثی کا معاملہ الگ ہے، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام ماہرین معاشیات سود ہی کو معاشی ناہمواریوں کی جڑ قرار دیتے ہیں۔ پھر اس جڑ کو کاٹنے سے گریز کیوں ہے؟ اخباری اطلاعات کے مطابق مرکزی وزیر صحت نے اس قرار داد کی مخالفت کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی نقل کی اور فرمایا اگر اس حدیث پر عمل کیا جائے تو مزدور کی محنت سے پیدا ہونے والی "قدر زائد" کا ایک حبّہ بھی سرمایہ دار کی جیب میں نہ جائے۔ وزیر موصوف کا کہنا یہ تھا کہ حکومت تو ملک میں مساواتِ محمدی قائم کرنا چاہتی ہے، مگر حزبِ اختلاف اس میں رکاوٹیں ڈالتی ہے۔ ہمارے خیال میں ملک کی کوئی پارٹی اصولی طور پر اس نصب العین سے اختلاف نہیں رکھتی۔ اختلاف ہے تو اس بات پر کہ اس عادلانہ نظام کو قائم کرنے کے لیے بنیادی اقدامات کی بھی ضرورت ہے یا صرف دعوے کرتے رہنا کافی ہے؟ (حریت۔ کراچی۔ ۵ جولائی ۱۹۷۳ء)

الاعتصام لاہور

یہ خبر گو غیر متوقع تو نہیں لیکن سخت افسوسناک ضرور ہے کہ قومی اسمبلی نے اس غیر سرکاری قرار داد کو مسترد کر دیا ہے۔ جس میں حکومت سے اقتصادی نظام کو سود سے پاک کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔

اسمبلی میں حکمراں پارٹی کی اکثریت ہے جو اسلام اور "مساواتِ محمدی" کے نعرے پر

انتخابی معرکہ جیت کر برسرِ اقتدار آئی ہے جس نے قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کو یکسر ختم کر دے گی۔ اکثریت کی بناء پر اس وعدے کو عملی جامہ پہنانے کی راہ میں اس پارٹی کے لیے کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے اور اس پارٹی کے ٹکٹ اور منشور پر کامیاب ہونے والے اراکین اسمبلی اگر اپوزیشن کی حق و صداقت کی آواز پر لبیک کہیں اور اس قسم کے استحصالی نظام کے خاتمہ کے مطالبے پر اس کی تائید کریں تو ایسا کر کے وہ اس فرض کی ادائیگی سے ہی سبکدوش ہوں گے جو ان کے ووٹروں کی طرف سے ان پر عائد ہوتا ہے، لیکن افسوس کہ نہ حکمران پارٹی ہی کو اپنے وعدوں کا پاس ہے اور نہ اس کے اراکین کو ووٹروں کی طرف سے عائد ہونے والی ذمہ داری ہی کا احساس نتیجۃً پیپلز پارٹی سابق "بدعنوان" حکمرانوں ہی کی روش پر قائم و گامزن ہے اور اس میں شامل افراد حق و صداقت کی آواز کی بجائے اپنے چیئرمین کے اشارۂ ابرو کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔

آئین سازی کے مرحلے میں بھی پیپلز پارٹی کی انگوٹھا لگانے والی اکثریت نے اپوزیشن کی تمام معقول ترامیم کو نظر انداز کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے زبردست آئینی بحران پیدا ہوا۔ اگر پیپلز پارٹی کے اراکین اس وقت پارٹی لائن کی بجائے ملک و ملّت کے وسیع تر مفادات پر نظر رکھتے اور اپنے شعور و بصیرت سے کام لیتے تو وہ بحران کبھی پیدا نہ ہوتا۔ اسی طرح موجودہ بجٹ سیشن میں اپوزیشن نے حکومت کی مسرفانہ عیاشیوں اور شاہ خرچیوں پر جو تند و تیز تنقید کی، سرکاری اخراجات میں مناسب کمی کا مطالبہ کیا اور کٹوتی کی گتی تحریکیں پیش کیں یہ اہم مطالبات اور تحریکیں بھی اس لیے مسترد ہو گئیں کہ پیپلز پارٹی کے ارکان نے اپوزیشن کا ساتھ نہ دیا حالانکہ فضول خرچیوں سے اجتناب اور سرکاری اخراجات میں مناسب کمی ملک کے استحکام کے لیے بحالاتِ موجودہ انتہائی ضروری ہے اور پوری قوم کا مطالبہ بھی ہے اور خود پیپلز پارٹی کے وعدہ ہائے خوش کن اور دلفریب منشور کا ایک لازمی تقاضہ بھی۔

یہی صورتِ حال اقتصاد و معیشت کو سود سے پاک کرنے کی قرار داد کے معاملے

ہو پیش آتی ہے۔ سود کے متعلق اب ساری دنیا اس بات کا اعتراف کر رہی ہے کہ استحصالی نظام کی سب سے بڑی بنیاد یہی ہے اور اس کو ختم کیے بغیر استحصال کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ اقبال نے اس مصرعہ میں سود کی انہی تباہ کاریوں کا نقشہ کھینچا ہے

سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات ۔ ([illegible] جولائی ۱۹۷۳ء)

لادینی اور فحش لٹریچر پر پابندی لگانے کی قرارداد [1]

(۹ اگست ۱۹۷۳ء)

۹ اگست ۱۹۷۳ء بروز جمعرات قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی حسب ذیل قرارداد زیر بحث آئی۔ یہاں ہم قرارداد کا متن اور شیخ الحدیث مدظلہ کی تشریحی تقریر پیش کر رہے ہیں

(مرتب)

قرارداد

"اس اسمبلی کی رائے ہے کہ پاکستان بھر میں ایسے لٹریچر کی فروغ و اشاعت اور ملک میں داخلہ ممنوع قرار دیا جائے جس سے مسلمانوں کے اخلاق و عقائد اور نظریہ پاکستان متاثر ہو سکتے ہیں، نیز عریاں اور فحش لٹریچر کی بھی ممانعت کی جائے۔"

مولانا عبدالحق کی تشریحی تقریر

جناب سپیکر صاحب! میرے لیے یہ بات خوشی کی باعث ہے کہ آپ (صاحبزادہ فاروق علی صاحب) کے انتخاب کے بعد سب سے پہلے آپ کی نگرانی میں جو کارروائی ہو رہی ہے۔ وہ میری اس قرارداد سے متعلق ہے۔ اس ایوان نے اب تک ایسے کئی قوانین بنائے ہیں جس کا مقصد ملک کی سرحدات کی دشمن سے حفاظت ہوتی ہے۔ مملکت محفوظ ہو ملک کی سالمیت ہو سرحدات دشمن کی دسترس سے محفوظ رہیں اس لیے ہم فوج پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کرتے ہیں یہ سب چیزیں ضروری ہیں اور اللہ تعالیٰ اس ملک کی حفاظت کی ہم سب کو توفیق دے۔

---

[1] مباحث اسمبلی ۹ اگست ۱۹۷۳ء ص ۳۹۳ تا ص ۴۰۳

جناب عالی! جس طرح ملک کی سرحدات کی حفاظت اس ایوان اور ملک کا فرض ہے اسی طرح یہ ملک جس نظریہ کے تحت بنا ہے اس کی حفاظت ضروری ہے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے ایک نظریہ کی حفاظت اور بقاء کے لیے جو اسلام کا نفاذ مذہب کی اشاعت اور بقاء ہے۔ الحمدللہ کہ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس کو جس قوم نے بھی اختیار کیا وہ قوم دنیا میں باعزت رہی۔ جرائم سے پاک ہوئی اس نظریہ سے جرائم ختم ہوئے، عفت تقویٰ دیانت اور خداترسی پیدا ہوئی۔ صحابہؓ کے دور میں جن جن ملکوں کو مسلمانوں نے فتح کیا اس کی حالت اور تاریخ آپ کے سامنے ہے ــــ تو اس نظریہ کی حفاظت اور تحفظ ملک کے تحفظ سے بھی زیادہ ضروری اور اہم ہے۔

لیکن جس طرح ہمارے مخالفین مملکت کی سرحدات میں رخنہ اندازی کرتے ہیں اس طرح بیرونی طاقتیں ملک کے اساسی نظریات میں بھی شگاف ڈال رہی ہیں ــــ آج ہمارے ملک کی کیا حالت ہو گئی ہے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو چھرا گھونپ رہا ہے۔ گھر گھر میں عصبیت ہے۔ بازاروں میں بھی عصبیت ہے۔ اگر ہم نے اسلام کا نظریہ ابتدائے قیام پاکستان سے اپنایا ہوتا۔ اسلامی تعلیم اور اسلامی تبلیغ کو پھیلاتے تو یہ جھگڑے آج بازاروں اور ایوانوں میں نہ ہوتے۔

جناب عالی! ہمارے ملک میں اندر سے اور باہر سے ایسا لٹریچر پھیل رہا ہے جو ہمارے بنیادی نظریات کے خلاف ہیں۔ ہمارے نظریہ کے تین اساس ہیں۔ اللہ کی وحدانیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت کہ وہ سیدالرسل اور خاتم النبیین ہیں، قرآن کریم کا آخری کتاب خداوندی ہونا، مگر اس ملک میں خدا کی وحدانیت اور وجود کے خلاف لٹریچر شائع ہو رہا ہے۔ کتابیں رسالے پھیل رہے ہیں۔ اسی طرح رسالت جیسے قطعی مسئلہ میں بھی بحثیں ہو رہی ہیں۔ حضورؐ کی تشریعی حیثیت کو متنازعہ بنایا جاتا ہے۔ انبیاء کی حرمت اور شان کے خلاف ایسا لٹریچر شائع ہوتا ہے کہ اس میں نہایت

گستاخی اور بے ادبی ہوتی ہے۔ قرآن مجید اساسی چیز ہے، مگر ہمیں بیرونی ممالک اطلاع دیتے ہیں کہ پاکستان کے مطبوعہ نسخوں میں تحریف ہورہی ہے۔ نیپال سے بھی ایسی شکایات آئیں پچھلے ہفتہ بلوچستان میں جو فسادات ہوئے اس کی وجہ یہی ہے اور یہ بات ثابت ہوئی کہ تحریف شدہ قرآن کریم کے نسخے (قادیانیوں کے ذریعہ) تقسیم ہورہے ہیں۔ بیرونی ممالک سے ایسا لٹریچر آتا ہے جو سراسر بنیادی نظریات کے خلاف ہے۔ جبکہ مذہب اور بنیادی لٹریچر کو بالکل بند کردینا چاہیے تھا۔

دوسری بات یہ کہ آج اس ملک میں جرائم بڑھ رہے ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ نوجوان کو اپنے مذہب اور تعلیم کی خبر نہیں اور لٹریچر کے ذریعہ فحاشی چوری ڈکیتی خودغرضی سیکھ رہے ہیں۔ ایسا لٹریچر ناولوں کے ذریعہ فحش عریاں تصویروں میں اخبارات میں سینماؤں فلموں میں وہ چیزیں بتائی جاتی ہیں جنہیں ایک مسلمان دیکھ کر برداشت بھی نہیں کرسکتا۔ ہمارا معاشرہ ایسا بے پردہ ہوگیا ہے کہ جیسا پچھلے دنوں ایک اخبار میں ایک تصویر چھپی کہ ایک عورت اوپر سے چھتری لیے ہوئے ہے اور نیچے سے بالکل ننگی ہے اور جب قوم کے شہوانی جذبات ابھرتے ہیں تو شراب، کباب کی ضرورت ہوتی ہے۔ فحاشی کے جذبات برانگیختہ کرنے کے بعد اور فحاشی پھیلانے کے بعد وہ اپنی عیاشی کے لیے روپے کہاں سے لائے گا ؟ لازماً حرام اور ناجائز ذرائع استعمال کریگا لوٹ مار اور حرام خوری پھیلے گی، کل ہی ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ آرہا تھا۔ راستہ میں ایک سینما پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ مولوی صاحب یہ پاکستان بنا یا یا انگلستان لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ سوائے عشق لڑانے، مار دھاڑ ڈکیتی کے اور کچھ مشغلہ ہی نہیں فلموں میں یہی کچھ تو سکھایا جاتا ہے۔ شمالی آئرلینڈ میں ایک خاتون رکن اسمبلی کنواری تھی اور حاملہ ہوگئی۔ کسی نے پوچھا آئندہ بھی انتخاب لڑو گی کہا ضرور، میں ایک مقصد رکھتی ہوں اس کے لیے جدوجہد کروں گی۔ کسی نے کہا تم اس بچے کے اسقاط کے لیے

تیار ہو۔ اس نے کہا میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں۔ یہی اندازِ فکر یہاں بھی آرہا ہے کہ ذاتی زندگی پر نہ کوئی پابندی رہے نہ کسی قسم کا قدغن۔

پچھلے مارشل لاء کے دور میں ایک گورنر کو میں نے ایک نئے سینما قائم ہو جانے کے بارہ میں شکایت کی کہ عام مسلمانوں کے اخلاق اس سے تباہ ہوں گے اور اس طرح غریبوں کی جیبوں پر بلا ضرورت ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے۔ گورنر صاحب نے مجھے کہا کہ یہ غریب تفریح بھی تو کریں گے۔ یہ تو تفریح کا ایک ذریعہ ہے تو جب یہ اندازِ فکر ہو تو قوم کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟

الغرض ہمارا مذہب جرائم کش ہے۔ وہ نہ تو چوری ڈکیتی کی اجازت دیتا ہے نہ عصبیت جاہلیت کی اجازت دیتا ہے۔ اس لیے وہ تمام دواعی اور محرکات جو برائیوں کے پھیلنے کا سبب بنتی ہیں۔ اس ایوان کی وساطت سے بند کر دینی چاہئیں۔ بے شک ہمارے وزیر اطلاعات نے اخبارات کو فحش لٹریچر کے سلسلہ میں چھٹی بھیجی ہے، مگر یہ تو وعظ و نصیحت سے مشکل ہے۔ صرف اس سے کام نہیں چلتا، قانونی پابندی لگا دینی چاہیے۔ ایک افسر نے پچھلے سال کہا کہ رمضان ہے۔ ناچ گانا جاری ہے، مگر میرے پاس اسے بند کرنے کے لیے کوئی قانون نہیں تو قانونی ممانعت لازمی ہے۔ اسطرح قرآن و حدیث کے خلاف اسلام کے خلاف صحابہ کرام کے خلاف اندرونی اور بیرونی ہر قسم لادینی نظریات اور فحاشی پھیلانے والے لٹریچر کی اشاعت اور باہر سے برآمدی فلموں کی تشہیر ممنوع قرار دی جائے۔ اب تو جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ ہرگز کافی نہیں۔"

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی تقریر کے بعد مولانا غلام غوث ہزاروی نے قرارداد میں فحش تصاویر اور اشتہارات کے اضافہ کی ترمیم پیش کرنی چاہی۔ شیخ محمد رشید وزیر صحت نے ترمیم شامل کرنے کی مخالفت کی، سپیکر نے کہا کہ مخالفت پیش ہونے کے ساتھ کرنی چاہیے تھی۔ اب مولانا عبدالحق محرک قرارداد اسے قبول کرنا چاہیں تو

اسے شامل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ محرکِ قرارداد نے اسے بخوشی قبول کر لیا

بحث

خود مولانا عبدالحق کے علاوہ مولانا محمد علی رضوی صاحبزادہ احمد رضا قصوری نے قرارداد کی حمایت میں پرزور تقریریں کیں۔ پیپلز پارٹی کے جناب حاکم علی زرداری نے قرارداد کی سختی سے مخالفت کی ابھی بحث جاری تھی کہ وفاقی وزیر قانون جناب پیرزادہ صاحب نے تجویز پیش کی اور کہا کہ عبوری آئین ختم ہونے والا ہے۔ ۱۴ اگست کے بعد مستقل آئین نافذ ہو گا تو اور پوزیشن ہو گی اس لیے میں مولانا عبدالحق سے گزارش کروں گا کہ آج ان قراردادوں کو ملتوی کرایا جائے اسے ایجنڈے ہی پر رہنے دیا جائے اور آئین کے نفاذ تک اسے ملتوی کر دیں۔ مولانا نے کہا کہ میں وزیر قانون کی یقین دہانی پر واپس تو نہیں لیتا مگر ملتوی رکھنا قبول کرتا ہوں۔

ایجنڈے پر مولانا کی دیگر تین قراردادوں کا تعلق شراب نوشی، ناچ گانا، ثقافتی طائفوں کے تبادلہ قمار جوا۔ گھوڑ دوڑ پر پابندی اور سودی نظام کو بدلنے کے لیے ایک ایسی کمیٹی تشکیل دینے سے تھا جو چھ ماہ کے اندر اندر متبادل تجاویز پر مشتمل رپورٹ پیش کرے۔

قرارداد پر معاصر نوائے وقت کی رائے

قومی اسمبلی نے مولانا عبدالحق صاحب کی طرف سے پیش کردہ ایک غیر سرکاری قرارداد پر غور مرکزی وزیر قانون مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کی اس یقین پر ملتوی کر دیا ہے کہ حکومت مستقل آئین کے بعد اس قرارداد پر بحث کے لیے تیار ہو گی۔ اس قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ ایسے تمام لٹریچر پر پابندی عائد کر دی جائے اور اس کی سختی سے روک تھام کی جائے جس سے مسلمانوں کے اعتقادات اور نظریۂ پاکستان پر زد پڑتی ہو۔ نیز ہر قسم

کے عریاں لٹریچر پر بھی پابندی لگائی جائے۔

پاکستان کا کوئی بھی ذی عقل اور باشعور شہری اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ پاکستان اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا تھا اور یہ اسلام کی بدولت ہی قائم و دائم رہ سکتا ہے۔ اسلامیانِ برِّصغیر نے کائناتِ ارضی کا یہ خطہ "ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک ملک، ایک قوم" کے نظریہ کی بنیاد پر حاصل کیا تھا۔ اور اسی نظریہ کے سہارے یہ زندہ رہ سکتا ہے۔ ہم اس وقت ان المناک حالات و واقعات کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے جن سے ہمیں اس نظریہ کا دامن چھوڑ کر دوچار ہونا پڑا۔ اور صرف یہ کہنے پر اکتفا کریں گے کہ ہم نے اسلامی قومیت کے مقابلہ میں بنگالی قومیت کا تصوّر قبول کر کے سقوطِ مشرقی پاکستان کے اندوہناک المیہ کے لیے راہ ہموار کی تھی اور اب بھی اگر ہم نے اس ٹھوس بنیاد کی حفاظت کا اہتمام نہ کیا جس پر پاکستان کی عمارت تعمیر کی گئی تھی۔ تو پھر ہمیں تباہی کے بھیانک غار میں گرنے سے کوئی نہیں بچا سکے گا صدر بھٹو اور ان کے رفقا اگر "نئے پاکستان" کو زندہ و پائندہ دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر انہیں سب سے پہلے نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرنا پڑے گی۔ اس نظریہ پر پامردی سے گامزن ہو کر ہم ایک مضبوط و فعال اور جاندار قوم بن سکتے ہیں۔ ورنہ ہماری حیثیت ایک ہجوم بے لگام سے زیادہ نہیں ہو گی۔

پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر اس وقت مختلف اطراف سے یلغار ہو رہی ہے ایک مغرب کی "ماڈرن ازم" کی یلغار ہے۔ عریاں فحش اور متلذذ لٹریچر کی یلغار ہے۔ "انڈو سوویٹ" لابی کی طرف سے سیاسی "پروپیگنڈے" کی بھی یلغار ہے۔ اس خطۂ ارضی کے مسلمانوں کو "وطنیت" اور "قومیت" کے بتوں کا پرستار بنانے کے لیے علاقائی تہذیبوں اور ثقافتوں کی یلغار ہے۔ ان سب یلغاروں کا مقصد و نصب العین صرف اور صرف یہ ہے کہ اسلام کے نام پر جمع ہونے والے ان پاکستانیوں کو اسلام

سے برگشتہ کر دیا جائے انہیں غیر اسلامی نظاموں میں عیش و عشرت کی زندگی کے سراب دکھا کر سہل انگار بنا دیا جائے۔ لہو و لعب میں الجھا دیا جائے۔ جنسی لذتیت کے شیدائی بنا دیا جائے۔ اس کے لیے یہود و ہنود، کمیونسٹ اور متعصب عیسائی بھی پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر وار کر رہے ہیں اور ہم ہیں کہ نتائج سے بے پروا ان کے دام صدرنگ میں گرفتار ہو رہے ہیں۔ ہماری فلمیں، ریڈیو، ٹیلی ویژن، اکثر و بیشتر اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اس راہ پر بگٹٹ دوڑ رہے ہیں جو ہمیں تباہی کی طرف لے جائے گی۔ ہم اربابِ اقتدار و اختیار سے صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ پاکستان کو کوئی سوشلزم (خواہ اسے کتنا ہی سبز غلافوں میں لپیٹ کر اسلامی سوشلزم کا نام دیا جائے) کوئی "سیکولرازم" وغیرہ نہیں چل سکتا۔ پاکستان کو اگر بچانا ہے تو پھر اسلام کی راہ اختیار کرنا پڑے گی۔ ہمیں اپنے قول و فعل اور کردار و عمل کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہوگا۔ ہمیں نظریات کی اسی طرح حفاظت و نگہبانی کرنا ہو گی۔ جس طرح سوویٹ یونین میں کمیونسٹ اپنے نظریہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کے لیے اگر ہمیں اسلام کے منافی لٹریچر تو کیا اگر اسلام دشمنوں کا ملک میں داخلہ بند کرنے اور اسلام کی جڑیں کاٹنے والے "پاکستانیوں" کو جلاوطن بھی کرنا پڑے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

(نوائے وقت لاہور، راولپنڈی ۱۱ اگست ۱۹۷۳)

قومی اسمبلی
۲۹ر نومبر ۶ر دسمبر ۷۳ء

ثقافت کے نام پر فحاشی رقص و سرود

قومی اسمبلی میں مولانا عبدالحق مدظلہ کی قرارداد، تقریر اور بحث [1]

قومی اسمبلی کے موجودہ سیشن میں ۲۹ر نومبر ۷۳ء بروز جمعرات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی وہ قرارداد ۹۰ منٹ تک زیر بحث رہی جو آپ نے ملک میں ثقافت کے نام پر فحاشی پھیلانے والی سرگرمیوں پر پابندی کے بارہ میں پیش کی۔ دوسرے غیر سرکاری دن ۶ر دسمبر کو وزیر قانون اور محرک قرارداد مولانا مدظلہ کی تقریروں کے بعد اسلام کے نام نہاد دعویداروں کی رائے شماری کرانے پر سرکاری ارکان کی کثرت رائے سے قرارداد مسترد کر دی گئی۔ اس کی تفصیلات یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

قرارداد

اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ملک بھر میں ثقافت اور کلچر کے نام سے ہونے والی تمام ایسی سرگرمیاں (ڈانس، ناچ، گانا وغیرہ) پر پابندی لگائی جائے، جس سے معاشرہ میں اخلاقی برائیاں فحاشی اور بے حیائی پھیل رہی ہو۔ نیز رقص و سرود کرنے والے ثقافتی طائفوں کا بیرون ملک سے تبادلہ بند کر دیا جائے۔

قرارداد کے جواز پر بحث

حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ کے قرارداد پیش کرنے کے بعد محترم وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے قرارداد کی پرزور مخالفت کی اور کہا کہ آئین کے رہنما اصولوں میں ایسے

---

[1] مباحث اسمبلی ج ۵ ش ۱۴ ص ۲۵۱ تا ص ۲۸۴ ۲۹ر نومبر ۱۹۷۳ء

امور کا بندوبست انسداد کا ذکر ہے اور آئین کی بعض اسلامی دفعات کا سہارا لیتے ہوئے ایسی کسی قرارداد کو وقت کا ضیاع قرار دیتے ہوئے اسے زیر بحث لانے کی مخالفت کی۔

محرک قرارداد مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے اس کے جواب میں اُٹھ کر کہا کہ آئین کے رہنما اصولوں کا نفاذ یا تعمیل حکومت پر لازمی نہیں وہ محض رہنما اصول ہیں جن کا حکومت پر نفاذ ضروری نہیں، ہر جگہ اس کا سہارا لینا ہر بات سے محض پیچھا چھڑانا ہے۔ جب پارلیمنٹ اسی آئین کے نفاذ کے لیے قوانین بناتی ہے اور یہ قوانین کی توہین نہیں بلکہ قوانین کو آئین کی تشریح سمجھ کر ایسا کیا جاتا ہے۔ تو یہ قرارداد بھی تو رہنما اصولوں پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ نیز ہمارا مقصد قرارداد سے پارلیمنٹ کی خواہشات اور قوم کے جذبات کو پیش کرنا ہے۔ اور یہ کہ اب پالیسی کے رہنما اصولوں کو قانون بنا کر اسلامی تقاضوں کو عملی شکل دی جائے۔ سپیکر صاحب نے کہا کہ وزیر قانون کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اصولوں کے ہوتے ہوئے ریزولیوشن پر بحث کرنا وقت ضائع کرنا ہے۔ مولانا نے کہا کہ نہیں قرارداد ایک کاغذی چیز کو عمل میں لانے کا مطالبہ ہے اور شاید جو مخالف ہیں بحث کے نتیجہ میں وہ بھی موافق ہو جائیں۔ مولانا عبدالحق صاحب نے کہا کہ آج وزیر صاحب بل لانے کا کہتے ہیں اگر وہ قرارداد پیش کرنے کے مخالف ہیں تو کل بل کی اجازت کس طرح دیں گے۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور پروفیسر غفور صاحب وغیرہ نے بھی اس مرحلہ پر سپیکر کی توجہ اس طرف دلائی کہ قرارداد جب ایک دفعہ پیش ہو کر ایوان کی ملکیت بن چکی ہے تو وزیر قانون اس کے زیر بحث لانے کی مخالفت کس طرح کر سکتے ہیں۔

سپیکر صاحب نے کہا کہ نہیں۔ بحث تو اب لازماً ہوگی اور پہلے محرک قرارداد کو نصف گھنٹہ اس پر بولنے کا جو اُن کا قانونی حق ہے۔ موقع دیا جائے گا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے اس مرحلہ پر سپیکر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ وزیر تعلیم
تو اسے ڈس الاؤ کرانے کی کوشش میں تھے۔ آپ نے کرم فرمایا کہ اجازت دی۔ انھوں
نے کہا کہ حضرت مولانا کی قرارداد بالکل بروقت ہے اور اسمبلی کے ہر ممبر کو اس پر اپنے
جذبات ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔ تاکہ قوم کو معلوم ہو سکے کہ کون کون سے ارکان
اس کے شوقین ہیں اور کون کون سے مخالف اور قوم کو کون کن راہوں پہ ڈالنا چاہتا
ہے۔ اس کے بعد سپیکر کی اجازت سے محرک قرارداد نے اپنی قرارداد کی تشریح
حسب ذیل تقریر فرمائی۔

مولانا عبدالحق کی تشریحی تقریر

محترم سپیکر صاحب! سب سے پہلے ایک بات عرض کرنی ہے کہ ہم سب
کے سیاسی نظریات الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ سیاسی طور پر اپنے لیے مختلف نام بھی
رکھ سکتے ہیں۔ مختلف خیالات بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر بحیثیت مسلمان کے ہم سب ایک
ہیں۔

ارشاد ہے: انما المومنون اخوۃ (سب مسلمان بھائی بھائی ہیں) تو آج غیر سرکاری
قراردادوں کا دن ہے۔ اس لیے میری اس قرارداد پر بحیثیت جماعت کے نہیں اور نہ
حزبِ اختلاف یا حزبِ اقتدار کے نکتۂ نظر سے بلکہ خالص اسلامی نقطۂ نظر سے
غور کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم سب بحمداللہ عزوجل یہاں مسلمان جمع ہیں جنہوں نے
ہمیں ووٹ دے کر منتخب کیا۔ انھوں نے بھی مسلمان جان کر اسلام ہی کی خاطر یہاں بھیجا
ہے اور مسلمان کو اسلام یا کسی اسلامی مسئلہ کے بارے میں جس رویہ کا پابند بنایا گیا ہے
وہ یہ ہے کہ وماکان لمؤمن ولا مومنۃٍ اذا قضی اللہ ورسولہٗ امراً ان
یکون لھم الخِیَرۃ۔ الآیۃ۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ جب اللہ اور اللہ کا رسول

ایک حکم دے دے تو کسی مسلمان مرد یا عورت کو پس پیش کرنے کا اختیار نہیں۔

نہ اسے ووٹ دینے یا نہ دینے کا اختیار ہے کہ وہ چاہے اسے منظور کرتا ہے یا نہیں۔ جب خدا اور خدا کا رسول کوئی حکم دے دے تو کسی کو اس طرح کا اختیار ہی نہیں۔ (سوائے تسلیم و انقیاد اور اطاعت کے) تو ہمارے ارکان اسمبلی مرد ہوں یا عورتیں ان میں بدعملی اور عملی کوتاہی تو ہو سکتی ہے مگر بدعقیدہ کی مسلمانی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اور بحمد اللہ کہ ہم بدعقیدہ نہیں ہیں اور سب کا عقیدہ ہے کہ مالک ہم سب کا اللہ ہے تو قانون بنانے کا اختیار بھی اللہ کو ہے ہم تو صرف یہ کر سکتے ہیں کہ اس کے قانون کا نفاذ کریں اور یہی ہم چاہتے ہیں اور بحمد اللہ کہ اُمّت کی اکثریت اب بھی بدعقیدہ نہیں تو بنیادی مسئلہ تو یہ ہے کہ اللہ کے ہر حکم کے آگے بلاچوں وچرا سر تسلیم خم کریں۔ اگر وہ حکم دے کہ آگ میں کود و تو ہم کود پڑیں۔ اگر سمندر میں کودنے کا حکم ہو تو ہم بلا پس و پیش تعمیل کریں۔ دیکھئے آج بھی موجودہ فوجی قانون میں یہی طریقہ ہے کہ اگر کسی فوج کا کمانڈر حکم دے کہ آگ میں کود و، تو سپاہیوں پر کودنا لازمی ہو جاتا ہے۔ اس کے حکم پر ہتھیار تک ڈال دیا جاتا ہے۔ (جیسا مشرقی پاکستان میں کیا گیا) تو فوج کا کام ہے کمانڈر کے احکام کی تعمیل کرنا۔ اگر کمانڈر جو کہ ایک انسان ہے کے حکم کی تعمیل کرنا فوج پر لازم ہے۔ تو جب ہم نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیا تو اب خدا اور رسول کے ہر ہر حکم پر آمنا وصدقنا کہنا لازمی ہوگا ——— تو مجھے بحیثیت پارٹی کے رکن کے نہیں بلکہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اور ادنیٰ خادم ہونے کے کچھ عرض کرنا ہے اور اسلام صرف میرا نہیں، سب کا دین ہے۔

تو یہ جو قرارداد فحش ثقافتی سرگرمیوں کے بارہ میں میں نے پیش کی ہے اور یہ جو فحاشی وغیرہ ہمارے ملک میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ دینی لحاظ سے اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس کا کیا حکم ہے۔ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے: ومن

الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ و یتخذھا ھزوا۔ یعنی بعض لوگ اسی میں لگے رہتے ہیں۔ کہ دولت لٹا لٹا کر ڈھوم، کنجر اور ناچ گانے والوں کو بلاتے ہیں۔ ان سے لھو ولعب والی باتیں سنتے ہیں۔ گانا ناچنا یہ سب لھوالحدیث ہے تاکہ کسی طرح طبیعت ان چیزوں سے خوش ہو جائے۔ اور ایسا کیوں کرتے ہیں کہ لوگ خدا کا راستہ چھوڑ کر اپنی خواہشات میں بھٹک جائیں۔ و یتخذھا ھزوا۔ اور دین کا مذاق اڑایا جائے۔ ایسے لوگوں کے بارہ میں آگے فرماتے ہیں اولئک لھم عذاب مُھین۔ ذلیل کرنے والے عذاب کا ذکر ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے بچائے۔ آج بھی جس قیدی کی تذلیل و توہین کرنی ہو۔ اسے سی کلاس میں رکھتے ہیں اور اگر کسی معزز شخص کو سزا دی جائے تو اسے اے کلاس میں رکھ دیتے ہیں تو ان لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہو گا۔ تو اخلاقی نقطۂ نظر سے جیسا کہ محترم وزیر قانون نے بھی ایک حد تک تسلیم کر لیا۔ کہ ناچ گانوں سے سوائے بے حیائی اور جنسی انارکی کے اور کچھ پیدا نہیں ہوتا۔

اس مرحلہ پر حضرت مفتی محمود صاحب شاہ احمد نورانی صاحب اور دیگر ارکان حزب اختلاف نے اصلاح کرتے ہوئے کہا کہ وزیر قانون نے ایسا نہیں کہا۔

مولانا عبدالحق مدظلہ نے اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں کہا کہ نہیں جناب میں نے تو ایسا ہی سُنا ہے۔ ایک حد تک وہ تسلیم کرتے ہیں، مگر تعجب اور حیرت کی بات یہ تھی کہ خود وزیر قانون نے اُٹھ کر سختی سے محرک قرارداد کی تردید کی اور کہا کہ مولانا میں نے کبھی نہیں کہا کہ ناچ گانے سے فحاشی پھیلتی ہے۔

مولانا عبدالحق مدظلہ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ تو بہر حال اخلاقی نقطۂ نظر سے ہمیں ایسی تمام باتوں کو ترک کر دینا چاہیے۔ وزیر صاحب موصوف نے یہ فرمایا ہے کہ ہمیں موجودہ تہذیب کے ساتھ چلنا ہے۔ دوسری قومیں ان چیزوں کو اچھا جانتی ہیں۔ تو ہم بھی ان کی موافقت کریں تو اتنا عرض ہے کہ دیکھئے ہم یورپ کی تقلید میں کہاں

تک جا پہنچے۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ اچھائی جہاں بھی تمہاری چیز ہے، اسے اپناؤ اسے حاصل کرو۔ تو اگر ہم یورپ کی اچھائیوں کو اپنائیں تو کوئی ہمیں نہیں روک سکتا۔ یورپ والے ایٹم بم بناتے ہیں، ہوائی جہاز بناتے ہیں، جفاکشی کرتے ہیں، سخت کھردرے کپڑے اور وردی پہنتے ہیں۔ صرف ائر کنڈیشنوں ہی میں نہیں پڑتے رہتے۔ یورپ والے جھوٹ نہیں بولتے، وہ پارلیمنٹ میں کوئی جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ اگر کہیں ایسا ہو گیا یا کسی نے غلط بیانی کی تو اسے مستعفی ہونے پہ مجبور کر دیا جاتا ہے وہ قومی امور میں بد عہدی نہیں کرتے۔ اسلحہ اور جنگ کی دوڑ میں مصروف رہتے ہیں۔ تو اگر ہم یورپ کی ان اچھائیوں کو لیں تو اچھی بات ہے۔ مگر یہ تو نہیں کہ ان ساری اچھائیوں پہ تھوکتے رہیں، مگر ان میں جتنی سب بے غیرتیاں اور خرابیاں ہیں اسے گلے لگا لیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ ایک بھنگی ہے اور بھنگی بھی بحیثیت انسانیت کے احترام کے قابل ہے۔ میں اس کی تنقیص نہیں کرتا۔ صرف مثال دیتی ہے کہ بھنگی میں کتنی اچھی باتیں ہوں، مگر ایک شخص اس کی تمام اچھائیوں کو چھوڑ کر اس کی یہی ایک بات اپنا لے کہ سارے جہاں کی غلاظت اور گندگی لیے پھرے، تو ہم نے بھی یورپ کے ساتھ ایسا کیا، تو اس کی برائیاں چھوڑ دو اور اچھائیاں اپنا لو۔ اپنی تمدن و تہذیب اور طور طریقے مت چھوڑو۔ میری طالب العلمی کا زمانہ تھا۔ ہندوستان سے ایک وفد جس میں مولانا محمد علی جوہر جن کا انتقال وہیں ہوا۔ اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔ اس وفد میں گاندھی بھی گیا، ملکہ سے ملاقات کے لیے خاص لباس اور مخصوص آداب تھے۔ مگر گاندھی شاہی دربار میں حاضری کے وقت بھی اسی سادھوؤں کی شکل میں لنگوٹ باندھ کر جاتا ہے اور کہتا ہے۔ ملکہ معظمہ اگر گفتگو مجھ سے کرنا چاہتی ہے۔ تو اسی لباس میں کرے جو میرا قومی لباس ہے۔

تو ہمیں یورپ کا ہر معاملہ میں اتباع نہیں کرنا چاہیے۔ انگریز کے دور میں بھی

ہمارے ملک میں ایسے پختہ کردار کے لوگ تھے۔ جنھوں نے ترکی ٹوپی پہننا نہ چھوڑی، قومی لباس نہ چھوڑا اور اسی لباس میں وائسرائے تک سے ملتے اور وائسرائے نے کسی کو اس لباس میں دیکھ کر کہا کہ اے دوست اس لباس میں تو جتنا بھلا لگتا ہے۔ انگریزی لباس میں اتنا نہیں لگ سکتا۔

بدقسمتی ہے کہ ہم نے ثقافت کو جو عربی لفظ ہے اور اس کا مطلب کسی چیز کا ٹیڑھا پن درست کر دینا ہے، مگر ہم نے اخلاقی اور معاشرتی خرابی اور ٹیڑھا پن کو اور بڑھا دینے اور ترقی دینے کا نام ثقافت رکھ دیا۔ صرف ناچ ڈانس گانے بجانے کو ہم نے یورپی تہذیب سمجھ لیا اور اسے ترقی کا نام دیا۔ کل میں نے یہاں کراچی میں ایک بہت بڑے جوئے خانے کے متعلق سوال کیا تھا، مگر جواب میں اس کے وجود سے انکار کیا گیا، مگر آج ہی مجھے معلوم ہوا کہ کراچی میں سراج الدولہ روڈ پر بھی ایک بہت بڑا جوا خانہ کروڑوں روپے سے تعمیر کیا جا رہا ہے۔ خدا کرے کہ بات ایسی ہو جیسے ہمارے محترم وزیر نے جواب دیا کہ نہیں ہے، مگر یہاں کراچی والے بھی موجود ہیں۔ اگر ایسی باتیں پائی جاتی ہیں تو بڑی شرم کی بات ہے۔ یورپ نے بہت سی اچھی باتیں ہم مسلمانوں سے ہی لیں مگر ہم ان کی برائیوں ہی سے مرعوب ہوتے ہیں۔ پرسوں اخبار میں پڑھا تھا کہ لندن میں ایک شخص مادرزاد برہنہ رہنے کی تحریک لے کر نکلا ہے اور کہا کہ ہم پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ تو کیا ہم بھی یورپ کی تقلید میں یہ کہیں کہ لندن میں ایسا ہو رہا ہے، تو ہم بھی مادرزاد ننگے ہو جائیں۔ انھوں نے پارلیمنٹ میں ہم جنسی اور اغلام بازی کو قانونی شکل دی۔ تو کیا ہم بھی ایسا کریں؟

ہمارے ہاں تالابوں میں ننگے نہانا اور ناچنا کودنا آرٹ ہے اور ہمارے وزراء کو اس پر بہت افسوس ہے کہ ہم ایسی ترقی کیوں نہیں کر رہے گویا کہ ایسے لوگوں کو یہ افسوس ہے کہ قوم کی ساری مائیں بہنیں کیوں ایسا کر رہیں (مگر کیا پوری قوم کو اسی راستہ

پر لگا دینا قوم کے ساتھ انصاف ہے۔

دیکھئے خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے اور فحاشی پھیلانے والوں کے بارہ میں ہے کہ

ان الذین یحبّون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذابٌ الیمٌ فی الدنیا والآخرۃ۔

اخبارات میں ایسی چیزیں پڑھ کر میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ لوگ ننگے ہیں بھوکے ہیں۔ فاقوں مر رہے ہیں، مگر ہم ریڈیو کو ترقی دینے اور رنگین ٹیلی ویژن بنانے کے مژدے سناتے ہیں جن پر کروڑوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں اگر یہ دولت بجائے ایسی باتوں کے قوم کی بنیادی ضروریات پر خرچ ہو تو آج یہ حالت نہ ہو میں کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرتا۔ مگر ایسی فحش سرگرمیوں سے یہ توقع رکھنا کہ اس سے قوم کی حالت ٹھیک ہو جائے گی۔ تو یہ فطرت سے مقابلہ ہے۔ دیکھئے پانی کی خاصیت ہے کہ پیاس بجھائے۔ زہر کھانے کا نتیجہ زہر سے مر جانا ہے تو اس ناچ گانے کا لازمی نتیجہ اخلاقی تباہی کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

دودھ اور گوشت بلّی کے سامنے رکھ دیں اور یہ توقع رکھیں کہ وہ اسے نہ کھائے یہ کیسے ممکن ہے۔ مرد عورت مشترکہ ڈانس کریں اور نتائج ظاہر نہ ہوں گے۔ یہ کب ممکن ہے؟

کہا جاتا ہے کہ ایک وائسرائے نے حیدر آباد کے نواب سے کہا کہ دیکھو تم بڑے تنگ نظر ہو۔ دیکھو میرے ساتھ میری میم بھی ہے، مگر تم اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لاتے۔ نواب حیدر آباد نے کہا کہ کل اس کا جواب دوں گا۔ دوسرے دن مجلس میں نواب صاحب نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر وائسرائے سے کہا کہ مجھے یہ قطعی یقین ہے کہ یہ دونوں میرے ہی بیٹے ہیں۔ کیونکہ شادی کے بعد میری بیوی پر کسی غیر مرد کا سایہ بھی نہیں پڑا ہوگا، مگر کیا آپ کو بھی اس طرح یقین حاصل ہو سکتا ہے؟

ایک انگریز نے لکھا ہے کہ یورپ اور انگلینڈ میں سو فیصد عورتیں زنا میں مبتلا ہیں اور سب بچے حرامی ہیں ملکۂ وکٹوریہ اور سوائے میری والدہ کے آگے لکھا ہے کہ ان دو عورتوں کی استثناء بھی اس وجہ سے کرتا ہوں کہ ملکہ تو حاکم ہے، ڈر کی وجہ سے اس کا استثناء کرتا ہوں۔ دوسری عورت میری والدہ ہے۔ اگر اس کا استثناء نہ کروں تو میں بھی حرامی اولاد ہو جاؤں، ورنہ ان کا حال بھی مجھے معلوم نہیں۔

تو جس طرح آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے۔ اس طرح فحاشی کے ساتھ اخلاقی عفت اور پاکیزگی جمع نہیں ہو سکتی۔

محترم سپیکر صاحب! ہمیں کافروں کو دیکھ کر ایسی باتیں نہیں اپنانی چاہئیں۔ کافر کے ساتھ دنیا میں اللہ کا معاملہ اور طرح ہے۔ اس کو برائی پر بھی اللہ تبارک و تعالیٰ مہلت دیتا ہے۔ سو سو برس دو دو سو برس کی مہلت۔ مگر مسلمانوں کو اللہ جل جلالہ اتنی لمبی مہلت نہیں دیتا۔ سال دس سال مہلت دے بھی اسے بالآخر جلد ہی ایسے لوگوں کو مٹا دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے (لهم عذاب مهين) کی سزا سنائی گئی ہے۔ آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ بحیثیت ایک ادنیٰ خادم اسلام کے یہ میرا فرض تھا۔ اس لیے یہ قرارداد میں نے پیش کی ہمیں کبھی بھی ناجائز کو جائز نہیں کہنا چاہیے اور شاید آپ حضرات کا ایمان مجھ سے بھی پختہ ہو۔ عقیدہ کے لحاظ سے تو ہمیں متفقہ طور پر اس قرارداد کے ذریعے اپنے جذبات اور پوری قوم کے جذبات صدر، وزیر اعظم اور وفاقی وزراء تک پہنچانے چاہئیں۔ (وزیر قانون کی تقریر کو اشارہ کرتے ہوئے آپ نے کہا) اگر آپ کہتے ہیں کہ اس بارہ میں مجھے بل پیش کر دینا چاہیے اور آپ کل کو بل منظور کرتے ہیں اور قانونی شکل دینے کے مدعی ہیں ـــــ تو آج اسی قرارداد پر ابتداء اور بسم اللہ کیجئے اور اس قرارداد کو منظور فرمائیں۔ کل کو بل کی شکل میں جب پیش ہوگا تو اس کی منظوری آسان طریقہ سے ہو گی۔"

قرارداد پر بحث اور رائے شماری میں قرارداد کا استرداد

مولانا عبدالحق مدظلہ کی تقریر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ تک قرارداد کی مخالفت اور موافقت میں تقریریں ہوئیں جن کا اختصار ہم بعض اخبارات مثلاً روزنامہ اعلان کراچی یکم دسمبر ۷۴، نوائے وقت راولپنڈی ۳۰ نومبر ۷۴، حریت کراچی یکم دسمبر ۷۴، روزنامہ جمہور لاہور یکم دسمبر ۷۴، جنگ راولپنڈی ۳۰ نومبر ۷۴، پاکستان ٹائمز ۳۰ نومبر ۷۴ سے نقل کر رہے ہیں۔

قرارداد کی پُرزور تائید اور موافقت کرتے ہوئے مولانا مفتی محمود صاحب نے کہا کہ آئین میں قرارداد میں موجود تمام باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے اس لیے قرارداد قبول کی جائے۔ انھوں نے دکھ کا اظہار کیا کہ یہ لوگ اسلام کے نام پر منتخب ہو کر آئے، مگر اسلام کے نام پر ووٹ دینے کو تیار نہیں یہ نفاق اور دوغلی پالیسی ہے جو اسلام، جمہوریت، اور سوشلزم سب دعووں کے بارہ میں اختیار کی جا رہی ہے۔ جمعیۃ العلماء پاکستان کے مولانا مصطفےٰ الازہری نے کہا کہ ماضی میں مسلمان ہندوؤں کے اثر میں آ کر فحش کو اپنانے سے تباہ ہوا اسی طرح طائفوں سے ہماری زرمبادلہ ضائع کیا جا رہا ہے۔ صاحبزادہ صفی اللہ نے کہا کہ پاکستان میں ثقافت کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ دشمن کے اس مشن کا حصہ ہے کہ اسلام کو ختم کرنے کے لیے فحاشی پھیلائی جائے۔ مولانا عبدالحکیم نے کہا کہ اسلام نے قدم قدم پر بے حیائی کی مخالفت کی ہے۔ کھیل کود کے انتظامات حیاء کو قائم رکھ کر اپنائے جا سکتے ہیں۔ اگر ناچنے والی یحییٰ خان کو تباہ کر سکتی ہیں تو اس کا تدارک کیوں نہیں کیا جاتا ملک کی اقتصادی ترقی کے لیے بھی مولانا عبدالحق کی قرارداد کو قبول کرنا چاہیے سرکاری پارٹی کے منظور نظر میں اذان دینے والے صرف ایک ممبر چوہدری غلام رسول تارڑ

تھے جنھوں نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ جب اسلامی نظریات کی حفاظت کی ضمانت آئین میں دی گئی ہے تو عریانی کو جنم دینے والے پروگراموں پر پابندی لگانی چاہیے۔

سرکاری پارٹی کی طرف سے وزیر قانون پیرزادہ صاحب نے قرارداد کی شدید مخالفت کی اور کہا کہ آئین کی پالیسی کے اصولوں میں ایسی باتیں موجود ہیں اس قسم کی قرارداد کا مقصد وقت ضائع کرنا ہے پروفیسر غفور احمد نے مولانا کی قرارداد میں یہ ترمیم پیش کی تھی کہ بیرون ملک جانے والے تمام وفود پر پابندی لگائی جائے کہ وہ دوسرے ممالک میں کسی قسم کے مخرب اخلاق شو میں حصّہ نہ لیں اور اپنی روایات پر قائم رہیں وزیر قانون نے اس ترمیم کی بھی شدید مخالفت کی اور کہا کہ شو دیکھنے سے قبل کیسے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ پروگرام غیر اسلامی ہے، اور کون فیصلہ کرے گا کہ کونسی چیز فحش ہے۔ ڈاکٹر محمد شفیع (پی پی پی) نے کہا قرارداد میں رقص موسیقی کی مذمت کی گئی ہے۔ مگر ہم قوالی کے خلاف نہیں قومی ترانہ، علامہ اقبال اور ظفر علی خان کا کلام موسیقی میں ہوگا تو اس کی مخالفت نہیں کی جائے گی انھوں نے کہا قرارداد کے محرک مولانا عبدالحق خٹک ڈانس کے کس طرح خلاف ہوسکتے ہیں۔ (یعنی مولانا کا تعلق خٹک قبیلہ سے ہے)

وزیر محنت رانا محمد حنیف نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ قرارداد میں راگ ناچ پر پوری پابندی لگانے کا کہا گیا ہے۔ جبکہ فحاشی پر پابندی موجود ہے۔ خواہ اس پر عمل نہ بھی کیا جائے۔

اس مرحلہ پر عبدالحفیظ پیرزادہ نے مولانا عبدالحق صاحب سے استفسار کرنا چاہا کہ کیا وہ اصولاً ڈانس اور گانے کو قبول کرتے ہیں یا صرف فحش حصہ کے مخالف ہیں؟ مولانا ابھی جواب نہ دینے پائے تھے کہ مولانا مفتی صاحب نے اُٹھ کر اعتراض کیا کہ قرارداد کی عبارت بالکل واضح ہے اور ایسی باتوں کی آڑ میں پیچھا چھڑایا جا رہا ہے۔ مولانا نورانی نے اس مرحلہ پر ہونے والی نوک جھونک میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ میں پوچھنا چاہتا

ہوں کہ نائٹ کلبوں کو لائسنس دیے جا رہے ہیں یا نہیں۔ ان کی سرگرمیاں فحاشی کی ضمن میں آتی ہیں یا نہیں۔

صاحبزادہ صفی اللہ (دیر) نے کہا کہ وزیرِ قانون اور وزیرِ محنت مولانا عبدالحق صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کونسا ڈانس اور گانا جائز ہے اور کونسا نا جائز، مگر شاید آپ کے پاس اسلامی ڈانس اور غیر اسلامی ڈانس کی تقسیم کرنے والے لوگ ہوں گے جیسے اسلامی اور غیر اسلامی سوشلزم ہمارے پاس اسلامی ڈانس ماننے والے لوگ نہیں رانا محمد حنیف نے کہا۔ خٹک ڈانس تو آپ کے کلچر کا ایک حصہ ہے تو کہا گیا کہ پٹھانوں میں اور بھی اچھی صفات ہیں انہیں بھی اپنائیے۔ ارکان میں یہ نوک جھونک جاری تھی کہ سپیکر نے اجلاس دوسرے دن تک ملتوی کر دیا۔

دوسرے روز کی بحث[1]

قرارداد پر ۶ دسمبر بروز جمعرات دوبارہ بحث شروع ہوئی تو مرکزی وزیرِ قانون پیرزادہ صاحب نے قرارداد کی مخالفت میں طویل تقریر کی اور کہا کہ ثقافتی سرگرمیوں سے کسی طرح فحاشی اور اخلاقی بے راہ روی کی حوصلہ افزائی نہیں ہو رہی۔ انھوں نے ثقافتی طائفوں کے تبادلوں کو بھی وقت کی ضرورت قرار دیا اور کہا دوستانہ مراسم کے لیے ایسا تبادلہ ضرورت بن گیا ہے۔ انھوں نے کہا یہ تمام سرگرمیاں تمام مسلم ممالک میں ہوتی ہیں انھوں نے اپنے نقطۂ نظر کی حمایت میں قرآن و حدیث کا حوالہ بھی دینا چاہا عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمہ سے کچھ سُنایا، امام بخاری کا نام لیا گیا، ابوبکر صدیق اور بعض دیگر صحابہ کا جس پر دورانِ تقریر ہی غلط غلط کی آوازیں اپوزیشن کی طرف سے اُٹھنے لگیں پیرزادہ صاحب نے کہا اس طرح قراردادوں سے عوام کا استحصال مقصود ہے اور سیاسی فائدہ۔

انہوں نے کہا کہ سندھ کا جھومر ناچ، پنجاب میں بھنگڑا ناچ، سرحد میں خٹک ناچ،

---

[1] مباحث قانون ساز اسمبلی ۶ دسمبر ۱۹۷۳ء ج ۵ ش ۹ ص ۲۶۲ تا ۲۷۰

بلوچستان میں لیوا، پاکستان کا ثقافتی ورثہ ہیں انھوں نے کہا کہ یہ لوگ ہر ایسی بات کو غیر اخلاقی ثابت کرتے ہیں جس کے وہ حق میں نہ ہو کچھ تو پاکستان کے قیام کو اخلاقی برائی سمجھتے تھے اور کچھ نے کفر کے فتوے لگاتے۔ انھوں نے کہا اگر یہ لوگ سنجیدہ ہیں تو قرارداد کی بجائے پرائیویٹ بل لایا جا سکتا ہے مگر افسوس کہ ہر جمعہ کو ایسی قراردادیں لائی جاتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اگر ان لوگوں کے بس میں ہوتا تو وہ ۱۲ کروڑ پاکستانیوں کو کافر بنا دیتے۔

وقت کے اختصار کے پیشِ نظر سپیکر نے دونوں طرف سے مزید تقاریر کا سلسلہ ختم کرنے اور محرک قرارداد کو آخری جوابی تقریر کرنے کا کہا۔ جب کہ بیس منٹ تک اس تقریر کا آئینی حق محرک کو حاصل ہوتا ہے۔ مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی تقریر کے بعد سپیکر نے ہاں اور نہیں کہنے کے ذریعہ رائے شماری کرائی مگر محرک قرارداد اور دوسرے ارکان حزب اختلاف نے مطالبہ کیا کہ قرارداد پر واضح انداز میں رائے شماری کرائی جائے تاکہ مخالفت اور موافقت کرنے والے معلوم ہو سکیں، محمود علی قصوری احمد رضا صاحب۔ جناب پیرزادہ صاحب اور سپیکر کا اس نقطہ پر بحث و مباحثہ ہو جانے کے بعد محرک قرارداد کے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے سپیکر نے دوبارہ ارکان کو کھڑا ہو کر واضح رائے دینے کا حکم دیا۔ باقاعدہ رائے شماری کے نتیجہ میں موجود تمام ارکان میں ۱۲ ارکان نے حق میں اور اٹھائیس ارکان نے مخالفت میں ووٹ دیا اور اس طرح سودی نظام کو ختم کرنے کے بعد یہ دوسری خالص اسلامی قرارداد تھی جو ایک اسلامی ریاست کے بااختیار ادارہ میں اس جرآت اور بے دردی سے مسترد ہو گئی۔ سرکاری بنچوں سے صرف راؤ خورشید علی نے ووٹ دیا۔ جب کہ مسلم لیگ (قیوم لیگ) اور کسی قبائلی ممبر نے بھی حق میں ووٹ نہ دیا۔

محرکِ قرارداد شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی جوابی تقریر

محترم سپیکر صاحب! اس مسئلہ کو خواہ مخواہ سیاسی رنگ دیا جارہا ہے میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ میرا تعلق جمعیۃ علمائے اسلام سے ہے ہمارے بزرگوں نے انتخابات کے موقع پر جتنی تائید بھٹو صاحب اور پیپلز پارٹی کی ہے اس سے اخبارات پُر ہیں۔ یہ ناانصافی ہوگی کہ ہم اس وقت آپ کی وجہ سے اوروں کی گالیاں سنتے رہے اور آج یہ لوگ ہمیں بھی گالیاں دے رہے ہیں۔ اکابر جمعیۃ علماء اسلام کے بیانات گواہ ہیں۔ انہوں نے کس کو کافر کہا تھا؟ آپ ہر موقع پر کفر کے فتوٰی کی آڑ میں تمام علماء کو نہیں ملامت کر سکتے۔ یہاں (پیرزادہ صاحب نے) یہ سوال اٹھایا کہ یہ قرارداد سیاسی استحصال اور عوام کو دکھاوا کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے اور ہرگز اس کو ایسا کوئی مقصد نہیں۔ تین باتیں عرض کرنی ہیں جسے ہم تسلیم کر چکے ہیں۔

۱۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس کی بنیاد کوئی لسانی یا قومی چیز نہیں نہ کوئی علاقائی ثقافت ہے بلکہ اس کی بنیاد وہی ہے جسے ہم لا الہ الا اللہ سے تعبیر کرتے تھے۔ ہم نے ایک نظریہ کے ماتحت اس کو حاصل کیا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا آئین اسلامی آئین کہلاتا ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ ہم نے بار بار اس اسلامی آئین اور نظریہ پاکستان کے تحفظ کا حلف اٹھایا ہے۔ اب جو بھی تہذیب و ثقافت ان باتوں کے خلاف ہو ہمیں اس کی مخالفت کرنی ہے۔ یہاں قومی ثقافتوں میں (پیرزادہ صاحب نے) خٹک ڈانس کا بھی ذکر کیا۔ میں خود خٹک ہوں اور مجھے خٹک قوم نے منتخب کیا ہے مگر میں اس کی مذمت کرتا ہوں۔ ہمیں بہادری کی باتیں اپنانی ہیں، مگر ہماری قوم کو خٹک قوم کو اس ناچ کے ذریعہ دنیا میں رسوا کرانا مقصود ہے کہ باہر کے لوگوں کے سامنے اس کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں

کہ یہ ڈانس بھی بزدلی اور نامردی کی چیز ہے اور میں اپنی قوم کے اس عمل کی مذمت کرتا ہوں۔
جناب سپیکر صاحب! میں نے پچھلی جمعرات کو قرارداد پیش کرتے ہوئے آیت سنائی تھی کہ (ومن الناس من یشتری ھو الحدیث۔الآیۃ) کہ بعض لوگ فضول لغویات کو قیمتاً خریدتے ہیں۔ باہر سے درآمد کرتے ہیں کہ لوگ گمراہ ہوجائیں دین کی طرف سے پیٹھ پھیرلیں —— دیکھئے کافروں کا مسلمانوں سے عناد ہے اور وہ ہر صورت میں مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو ایک صورت تو کافروں کا اسلحہ کے ساتھ لڑنے کی ہے۔ تاریخ میں بارہا یہ ہوتا ہے مسلمان لڑتے رہے جوم گئے وہ شہید ہوئے جو نہ مرے وہ غازی بنے۔ اس مقابلہ میں ہر صورت میں مسلمان کامیاب اور کامران بنے دوسری صورت کافروں نے جنگ کی یہ اختیار کی کہ مسلمانوں کو تباہ کرنے کی غرض سے ان میں عریانی فحاشی اور بے حیائی کی چیزوں کو داخل کر دیا تاکہ مسلمان اپنا دین چھوڑ کر حیاو شرافت، لہو و لعب زینت اور تعیش کی زندگی میں لگ جائیں۔

محترم پیرزادہ صاحب نے ثقافت اور ثقافتی طائفوں کے ذریعہ دوستی پیدا کرنے کی بات بھی بڑی مضحکہ خیز کہی ہے یہ عجیب دوستی ہے کہ ایک کی بیوی دوسرے کی بغل میں اور دوسرے کی اور کی بغل میں ہو۔ ابھی پچھلے دنوں ایک اخبار میں ایسا ہی فوٹو (مولانا نے ابھی بات شروع کی تھی کہ پیرزادہ صاحب نے اُٹھ کر احتجاج کیا۔ دیگر ارکان پیپلز پارٹی نے بھی ہنگامہ مچا دیا۔ مولانا نورانی نے بار بار کہا کہ حضرت مولانا تو اخبار کی خبر سُنا رہے ہیں۔ جناب سپیکر نے ہنگامہ کو دیکھ کر مولانا مدظلہٗ سے بعض جملے واپس لینے کا کہا جسے آپ نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد مولانا مدظلہٗ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔)

محترم سپیکر صاحب! مجھے اتنی گذارش ضرور کرنی ہے کہ ہم یورپ کی تہذیب سے بہت متاثر ہوگئے ہیں۔ جب کہ یورپ چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں نہ غیرت وحمیت

رہے نہ شجاعت رہے (اس غرض سے) انہوں نے بہت سے کھیل تماشے بنائے اور ہمیں اس میں مبتلا کر دیا۔ حضرت موسٰی کی فوج جب عمالقہ سے لڑی بلعم باعور ایک شخص نے کہا کہ جوان لڑکیوں کو ان کے پاس بھیج دو۔ فوجی جو بھی کہیں اس کے مانیے رکاوٹ نہ ڈالو۔ اور فوج میں فواحش پھیلا دو تو یہ حربہ کامیاب ہوا کسی فوجی سے زنا سرزد ہو جانے پر خدا نے ساری فوج کو شکست دی اور اس پر عذاب نازل کیا۔

تو میں آپ کے بیرونی روابط کی مخالفت نہیں کرتا۔ چین، امریکہ، روس سب سے دوستی بنانے کی تحسین کرتا ہوں، مگر ایسی کسی دوستی کے لیے ہم اپنے مذہب کو قربان نہیں کر سکتے (مسئلہ یہاں دوستی اور باہمی روابط کا نہیں بلکہ) مسئلہ ڈانس ناچ گانوں کا ہے اور جس کے ذریعہ مردوں اور عورتوں کا ناجائز اختلاط ہوتا ہے۔ کل ایک اخبار میں تھا کہ ایک کلب میں ایک اجنبی شخص کسی اجنبی عورت پر ہاتھ ڈالے ہوئے ناچ رہا ہے تو جہاں تک ہمارے دین اور تہذیب کا نقصان نہ ہو ہم یورپ کے ساتھ دوستی رکھیں گے، ورنہ نہیں ـــــ قرآن مجید اور حدیث میں اگر ہو کہ ڈانس جائز ہے اور کسی نے ثابت کیا تو مجھ پر جتنا جرم لگایا جائے میں تیار ہوں۔

پیرزادہ صاحب نے تقریر میں بخاری شریف کی روایت کا حوالہ دے کر کہا ہے کہ بچیاں ناچ رہی تھیں۔ اگر آپ نے ثابت کر دیا کہ بچیاں ڈانس کرتی رہیں حضورؐ کے سامنے تو میں ہر قسم کا جرمانہ یا سزا بھگتنے کو تیار ہوں جبکہ یہ حوالہ قطعاً غلط دیا گیا ہے ۔ پھر مقرر نے بچیوں کا ذکر کیا ہے یعنی نابالغ جسے آپ خود مکلف نہیں کہہ سکتے تو نابالغوں کا کوئی عمل دلیل بھی نہیں بن سکتا۔ (پیرزادہ صاحب نے آیت قل من حرّم زینت اللہ۔ الخ سے استدلال کیا تھا۔ مولانا مدظلہٗ اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا) قرآن میں ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑا پہنو، عمدہ لباس پہنو خدا کی حلال نعمتیں استعمال کرو، مگر اس نے کہیں بھی ناچنے گانے اور ڈانس کرنے کی اجازت نہیں دی۔ مسلمانوں نے اس کے بغیر دنیا

میں ترقی کی اور حکومت کی بنوامیہ اور بنو عباس نے ڈانس کے زور سے حکومت نہیں
کی مغلیہ حکمرانوں نے آسام سے ہرات تک سات آٹھ سو برس حکومت ڈانس اور
گانوں کے زور سے نہیں۔ جب ڈانس کا فروغ ہوا اور طاؤس و رباب کا وقت آیا تو
انگریزوں نے ان کے شہزادوں کو قلعہ کی دیواروں سے مار مار کر ہلاک کر دیا۔ اور لال قلعہ
کی دیوار ان کے خون سے رنگین ہو گئی اور ہم پر غلامی مسلّط ہو گئی۔ تو مسلمانوں نے چودہ
سو برس تک بلا ڈانس اور گانے بجانے کے دنیا میں عروج حاصل کیا۔

واللہ العظیم میں سیاسی اختلافات کی بناء پر نہیں اور نہ میں سیاسی طبیعت کا
آدمی ہوں بلکہ آپ ہی نے اصول طے کر دیے کہ یہ ملک نظریاتی ملک ہے آئین
اسلامی ہے، جس کی حفاظت کا حلف لیا گیا ہے۔ اب اگر خٹک قبیلہ ڈانس کرے
پنجابی بھنگڑا ناچیں۔ دنیا بھر کے لوگ ایسا کیوں نہ کریں، میں خود کیوں نہ کروں، مگر یہ اس
بات کی دلیل نہیں کہ ایسا کرنا ہمارے لیے جائز ہو جائے۔ قرآن و سُنت جب ہمیں روکتے
ہیں تو ہمارا عمل دلیل نہیں ہو سکتا۔

(مولانا نے کرنل قذافی کی مثال دیتے ہوئے کہا) کہ کرنل قذافی نے ایسی غیر اسلامی
چیزوں کو روک دیا چور کی سزا قطع ید مقرر کی، شراب پر پابندی لگائی، خدا نے اس کی مدد
کی کیا ان کے ہاں ترقی رُک گئی؟ اور اگر تمام دنیا کے مسلمان بھی کوئی غلط کام کرنے لگ
جائیں تو یہ ہمارے لیے دلیل نہیں بن سکتا۔ میں آپ لوگوں کو باایمان سمجھتا ہوں اور آپ
سے اتنا عرض کرتا ہوں کہ ایک وقت آپ کو یاد ہو گا کہ بچے بچیاں گھروں سے نکلتیں
تو لا الہ الا اللہ پڑھتیں یا قرآن کی تلاوت ہوتی۔ آج ٹی وی اور ریڈیو سننے والے بچے بچیاں
گھروں سے ناچتی گاتی ہوئی نکلتی ہیں۔

تو اب جبکہ ہماری عوامی حکومت کو اللہ نے اختیار دیا ہے تو اگر آپ صرف اتنا
کہہ دیں کہ ناچ گانے اور ایسے مشاغل جس کا اثر عوام کے اخلاق و کردار پر پڑتا ہے

ممنوع ہوں، مخلوط ناچ والے ہوٹلوں پر پابندی لگا دی جائے تو انشاء اللہ، اللہ آپ کی مدد کرے گا۔ تو خدا کی مدد حاصل کرنے کے لیے کچھ تو قدم اُٹھایئے۔ اللہ تعالےٰ نے اربابِ اقتدار کا فریضہ یہ بیان کیا ہے کہ الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموالصلوٰۃ واتوالزکوٰۃ۔ جس کو ہم نے زمین پر سلطنت دی ان کا کام ہے کہ عبادات کو فروغ غریبوں کو مدد اور بھلائی کرے۔ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر بُرائی کو چھوڑ دیں تو زنا کے دواعی کو چھوڑ دو کچھ تو عملی قدم بڑھاؤ۔

یہ طوائفوں کے جو طائفے ہم باہر بھیجتے ہیں وہ بھی تو مسلمانوں کی مائیں بہنیں ہیں۔ ان کی عزت ان کی غیرت اور حیا ہماری ہی غیرت اور حیا ہے تو کیا دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلقات عورتوں ماؤں بہنوں کے ذریعہ بنائیں گے۔

سرکاری پارٹی کی ذہنیت

حضرت مولانا مدظلہٗ کی اخلاص اور دردسوز میں ڈوبی ہوئی تقریر جاری تھی کہ اس مرحلہ پر سرکاری پارٹی کے ایک رکن کرنل حبیب راولپنڈی نے نکتہ اعتراض کے نام پر اُٹھ کر کہا کہ یہ لوگ طوائفوں کا ذکر کرتے ہیں جبکہ طوائف کے کوٹھے سے ہی سارے آداب ملتے ہیں یہ لوگ وہاں جائیں تو ان کو پتہ چلے اور آداب سیکھ کر آئیں۔ کوٹھے پر تو انسانیت ہوتی ہے۔ ممبر موصوف نے اپنی پارٹی کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں غریبوں کی مدد کے لیے موسیقی اور رقص ضروری ہے کرنل حبیب نے مزید گوہر افشانی کرتے ہوئے کہا کہ میں بیس سال تک میوزک ڈانس کے ساتھ رہا ہوں جو میوزک نہیں جانتا وہ پاک آدمی بن نہیں سکتا۔ اگر پاکستان کے غریبوں کی مدد کرنی ہے تو پہلے میوزک سیکھو، گانے دیپک راگ سمجھنے کی کوشش

کرو۔ احمد رضا قصوری اور راؤ خورشید علی نے اس مرحلہ پر سپیکر سے
پوچھا کہ یہ جن آداب کا مظاہرہ ہو رہا ہے وہ کوٹھے پر سیکھے گئے ہیں
اور کیا ان کی پارٹی نے تمام آداب کوٹھے سے سیکھے ہیں کرنل حبیب
کے اس انداز بیان سے سرکاری پارٹی کی ایسی قراردادوں کے بارہ میں ذہنیت
کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اسمبلی کے نازک ماحول کا بھی اور یہ بھی علماء حق
کیسے کٹھن اور روح فرسا ماحول میں فریضہ اعلاء کلمۃ حق ادا کر رہے ہیں۔ کرنل حبیب
اور اس جیسے بعض مقررین کے ایسے ریمارکس کو پڑھ کر پی پی پی سے متعلق
بعض صاحب درد مسلمان بھی چلا اٹھے اور ممبر موصوف کے حلقۂ انتخاب
کے اکثر پارٹی عہدہ داروں نے اخبارات میں ان سے مستعفی ہونے کا
مطالبہ کیا اور اپنی شرمناک رندانہ جرأتوں کی مذمت کی۔

حضرت مولانا مدظلہ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا میں اس غلط فہمی کو دور
کرنا چاہتا ہوں کہ اس قرارداد کا مقصد کوئی سیاسی نہیں ہے بلکہ مقصد مسلمانوں کی آپ کی
اور سب کی ہمدردی اور بھلائی ہے تاکہ خدائے بزرگ و برتر ہماری قوم پر رحم کرے اور خدا
کی مدد شامل حال ہو۔ میں ایک ایک منکر اور دواعی منکرات کو دل سے مٹانا چاہتا ہوں
اس لیے ایسی قراردادیں پیش کی جا رہی ہیں ——— ابھی پچھلے ہفتہ ایک شخص نے
شادی پر ایک ڈانسر عورت کو ۵۰ ہزار روپے دے کر لاہور سے بلایا۔ اگر وہ ۵۰ ہزار
روپے غریبوں پر لگا دیے جاتے تو کتنا اچھا ہوتا ——— تو اگر سرکاری سرپرستی میں ایسے
کام نہ ہوں یعنی سرکاری طاقت اس کی سرپرستی نہ کرے، بلکہ حوصلہ شکنی کرے تو یہ چیزیں
ختم ہو سکتی ہیں۔ اتنی سی بات ہے۔ اب اگر جناب سپیکر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو اس پر
رائے شماری کرا لیجئے تاکہ مسئلہ ہمیشہ کو طے ہو جائے

خدا کے بندو مجھے خطرہ ہے کہ یہ ملک ایک اور فلسطین نہ بن جائے (مولانا عبدالحق)

قومی اسمبلی

۱۷، ۲۴، ۳۱ جنوری ۱۹۷۴ء

غیر اسلامی نظریات، فحش لٹریچر، قحبہ خانے، رقص گاہیں، فحش کلبوں اور عریاں فلموں کے بارہ میں

مولانا عبدالحق کی قراردادیں

قومی اسمبلی کے موجودہ سیشن میں .... شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی کئی اہم قراردادیں زیر بحث آئیں۔ ان قراردادوں کا بنیادی مقصد ملک میں اخلاقی فحاشی پیدا کرنے والے اسباب کا انسداد اور لادینی نظریات کا سدّباب تھا۔ تائید اور مخالفت کے دونوں نقطۂ نظر بحث کے دوران ایوان کے سامنے آئے۔ گو پلڑا اکثریت کے بل بوتے پر حزب اقتدار ہی کا غالب رہا۔ ہر دو قراردادیں مسترد ہوئیں۔ مگر حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے علماء حق کی طرف سے فریضہ کلمۂ حق کی ادائیگی کی بھرپور نمائندگی کی۔

۱۷ جنوری ۱۹۷۴ء جمعرات اور غیر سرکاری کارروائی کا دن تھا۔ اسے قدرت کی خاص توفیق کہیے کہ اب تک ایسا کوئی دن شیخ الحدیث مدظلہٗ کی کسی نہ کسی قرارداد سے خالی نہیں گیا۔ اور ایجنڈا کی ترتیب کے لیے ہونے والی قرعہ اندازی میں مولانا کی کئی قراردادیں سرفہرست تھیں۔ پہلی قرارداد میں عریاں اور فحش فلموں پہ پابندی کا مطالبہ کیا گیا۔ مولانا ایسی تمام فلموں کے سدّباب کے لیے نیا ضابطہ بنانے پہ زور دے رہے تھے، جو ملک میں اخلاقی اور جنسی بے راہروی اور معاشرہ کی خرابی کا ذریعہ بنتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے فواحش کی اشاعت کے نتیجہ میں ہونے والی بربادی اور قدرت کی سنگین

گرفت کا ذکر کر رہے تھے اور ملک کی حالت کا رونا رو رہے تھے اور یہ کہ یہ سب کچھ وہ بحیثیت مسلمان کے اپنے مسلمان بھائیوں سے کہہ رہے ہیں قرارداد میں کہا گیا تھا کہ اسلامی ملکی قومی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے پاکستان بھر میں تمام قحبہ خانوں رقص گاہوں فحش فلموں اور فحاشی پھیلانے والی کلبوں اور قمار خانوں نیز شراب نوشی پر پابندی عائد کی جائے۔" حزبِ اختلاف کے ارکان راؤ خورشید علی پروفیسر غفور احمد مولانا ازہری جناب احمد رضا قصوری مولانا سید محمد علی، صاحبزادہ صفی اللہ اور دیگر حضرات نے قرارداد کے حق میں پرزور تقریریں کیں۔ جناب پیرزادہ صاحب وزیر تعلیم نے اصل قرارداد کا سارا رخ صرف عریاں فلموں کی طرف موڑتے ہوئے جوابی تقریر میں کہا کہ حکومت نئی فلم پالیسی کو آخری شکل دے رہی ہے۔ جو زیادہ تر ترقی پسندانہ (؟) ہوگی اور اس میں عریانیت کی حوصلہ شکنی (؟) کی جائے پیرزادہ صاحب نے کہا کہ نئی فلم پالیسی کا اور ترمیمی آرڈی ننس کا اعلان پندرہ دن کے اندر کر دیا جائے گا (قرارداد کے مندرجات کو پورا کرنے کا کوئی ایسا اقدام اب تک نہیں کیا گیا) ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ مولانا عبدالحق کی اس قرارداد کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ موجودہ ضابطوں کے تحت عریاں فلموں پر پہلے ہی پابندی عائد ہے۔

پیپلز پارٹی کے ملک محمد جعفر نے بھی قرارداد کی مخالفت کی اور کہا کہ سینما ایکٹ کی دفعات پہلے ہی انتہائی سخت ہیں اس لیے انہیں مزید سخت بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس بحث کے بعد سپیکر نے اجلاس دوسرے دن کے لیے ملتوی کر دیا۔

نظریہ پاکستان[1] اسلام کے منافی اور فحش لٹریچر

۲۴ر جنوری کو اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی نظریۂ پاکستان کے منافی اور فحش لٹریچر پر پابندی کی قرارداد زیر بحث آئی۔ مولانا عبدالحق کی قرارداد میں کہا گیا تھا۔

---

[1] مباحث اسمبلی ۲۴ر جنوری ۱۹۷۵ء یہ بحث ص ۲۰۶ تا ۲۴۲ تک ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے

"پاکستان بھر میں ایسے لٹریچر کی طباعت و اشاعت اور ملک میں داخلہ ممنوع قرار دیا جائے جس سے مسلمانوں کے اخلاق اور عقائد اور نظریۂ پاکستان متاثر ہو سکتے ہوں، نیز عریاں اور فحش لٹریچر کی بھی ممانعت کی جائے۔"

مولانا عبدالحق کی تشریحی تقریر

قرارداد کے محرک مولانا عبدالحق مدظلہ نے قرارداد پیش کرتے ہوئے کہا کہ:
پاکستان کا قیام اسلامی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا۔ اس لیے ایسے لٹریچر پر پابندی عائد ہونی چاہیے۔ جو ان نظریات پر کسی بھی طرح اثر انداز ہو۔ انھوں نے کہا کہ ایک نظریاتی مملکت میں کسی کو بھی نظریات کی مخالفت کی اجازت نہیں ہونی چاہیے اور جو بھی ان نظریات کی مخالف کارروائیوں میں ملوث پایا جائے اسے غدار قرار دیا جائے مولانا عبدالحق نے کہا کہ دینی نظریات کا دفاع بھی مسلمانان پاکستان کی اتنی ہی ذمہ داری ہے جتنی سرحدوں کا دفاع اس سلسلہ میں خاص طور پر انھوں نے عیسائی مشنریوں کے تقسیم کردہ لٹریچر اور اس کے فروغ کا ذکر کیا۔ جو سرکاری حکام تک کو بھیجا جا رہا ہے اسی طرح رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر یقین نہ رکھنے والے قادیانیوں کو بھی اپنا لٹریچر تقسیم کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔ ایک اسلامی جمہوریہ میں اسلام کے خلاف لٹریچر پر اس طرح پابندی ہونی چاہیے۔ جس طرح کمیونسٹ ملکوں میں سرمایہ دارانہ لٹریچر اور سرمایہ دارانہ نظام میں کمیونزم کی لٹریچر پر پابندی ہے۔ مولانا نے ایوان پر زور دیا کہ وہ متفقہ طور پر اس قرارداد کی حمایت کرے تاکہ خدا کی رحمت شامل حال ہو اور یہ بات بھی ثابت ہو سکے کہ ایوان کا کوئی بھی رکن ملک دشمن سرگرمیوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

(مشرق کراچی، اعلان کراچی ۲۹ جنوری ۷۴ کے دیگر اخبارات)

تقریریں ہوئیں۔ آخر میں وزیر داخلہ خان عبدالقیوم نے سرکاری موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے قرارداد کی سختی سے مخالفت کی اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق محرک قرارداد نے رائے شماری سے قبل اپنی جوابی اختتامی تقریر میں نہایت درد و سوز سے قرارداد پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اگر غیر مسلم اور مسلمانوں کے عقائد کے منافی اور فحش لٹریچر پر پابندی نہ لگائی گئی تو مجھے خطرہ ہے کہ یہ ملک ایک اور فلسطین بن جائے گا۔

قرارداد کی حمایت کرنے والے اپوزیشن کے ارکان نے اس بات پر سخت تشویش کا اظہار کیا کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک میں بے حیائی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

مولانا مفتی محمود کی تقریر

جمعیتہ علماء اسلام کے رہنما حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے کہا کہ اگر اس ملک میں اس قسم کا کوئی قانون موجود بھی ہے تو اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے انہوں نے کہا کہ یہاں الفاظ کے گورکھ دھندوں میں لوگوں کو پھنسایا جا رہا ہے۔ یہاں اسلام ہے لیکن عمل نہیں سوشلزم کی باتیں ہوتی ہیں، مگر عمل نہیں۔ انھوں نے کہا کہ حکومت کی طرف سے فحش لٹریچر کی قانوناً ممانعت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ سینماؤں کے باہر آویزاں تصاویر سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ بے حیائی کو کس طرح پھیلایا جا رہا ہے انہوں نے کہا کہ اب تو ماچس کی ڈبیوں پر بھی عورتوں کی عریاں تصویریں چھپ رہی ہیں۔ جب کہ دوسری طرف کلمہ طیبہ چھپا ہوتا ہے۔ یہ مسلمانوں کے جذبات کی دوطرفہ توہین جان بوجھ کر ہو رہی ہے۔ مگر حکومت خاموش رہتی ہے۔ انہوں نے کہا آئین کے رہنما اصولوں پر عمل کبھی نہیں ہوا۔

مفتی محمود نے کہا کہ یہ اختلافی مسئلہ نہیں پارٹی کی سیاست سے بالاتر ہو کر اس قرارداد

کو منظور کیا جائے۔ انھوں نے وزیر داخلہ سے کہا کہ اگر ایسے قوانین ہیں تو اس پر عمل کرائیں۔

دیگر ارکان

صاحبزادہ صفی اللہ نے حمایت کرتے ہوئے کہا کہ بعض عناصر خصوصاً مشرقی پاکستان میں ہمارے نظریاتی اساس کو ختم کرنے کی مسلسل جدوجہد کرتے رہے جس کا سب نے دیکھ لیا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے بھی مولانا عبدالحق کی قرارداد پر تقریر کی اور کہا کہ ملک میں ننگا ناچ ہو رہا ہے۔ بے حیائی بڑھ رہی ہے، مگر یہ کام صرف وزیر اعظم کا نہیں کہ ایک ایک کے پیچھے پھرے۔ تمام وزراء تمام ارکان تمام ذمہ دار لوگ ملک کے کیریکٹر درست کرنے کی ضرورت محسوس کریں۔ میں مولانا عبدالحق کی قرارداد کی اس وجہ سے حمایت کرتا ہوں کہ اس میں عقائد کا بھی ذکر ہے اس ضمن میں انھوں نے مودودی عقائد اور لٹریچر پر پابندی کا مطالبہ کیا اور پرویزی و احمدی لٹریچر کا بھی جس کی وجہ سے جماعت اسلامی کے ارکان اور مولانا ہزاروی کے درمیان سخت نوک جھونک ہوئی مسٹر احمد رضا قصوری نے قرارداد کی حمایت کی سرکاری بنچوں سے چوہدری جہانگیر علی اور ڈاکٹر محمود عباس بخاری اور گجرات حکیم سردار علی وغیرہ نے مخالفت میں تقریریں کیں اور کہا کہ ایسے قوانین پہلے سے موجود ہیں اور یہ کہ دوسرے مذاہب کے لٹریچر پر پابندی ایک منفی عمل ہو گا۔

وزیر داخلہ کی مخالفت

حکومت کی ترجمانی کرنے والوں میں آخری تقریر مرکزی وزیر داخلہ عبدالقیوم خان صاحب کی تھی انھوں نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ وفاقی حکومت قابل اعتراض کتابچوں

اور رسالوں پر پابندی لگا چکی ہے اور ایسے قوانین پر پوری طرح عمل کیا جاتا ہے۔
وزیر داخلہ [illegible] نے بھی اپنے پیش رو کی طرح [illegible] خورشید حسن میر کا انداز اختیار کرتے
کرتے ہوئے [illegible] مولانا پر انتہا پسندی کی تہمت لگائی اور کہا کہ اگر کسی قرارداد پر چلنا چاہتے ہیں
کہ فرقہ وارانہ اختلافات ہی اسلام کی مخالفت ہے [illegible] اس قرارداد کی شدید مخالفت
کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ غیر مسلم اقلیتوں [illegible] ملک کا ایک
حصہ مانا ہے اور غیر مسلموں کے لٹریچر پر پابندی سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا۔
اس طرح جو وہ [illegible] سے [illegible] انھوں نے کہا اس طرح کرنا
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مولانا کی جوابی تقریر

جناب وزیر داخلہ کی تقریر کے بعد محرک قرارداد مولانا عبدالحق صاحب کی جوابی تقریر تھی
مولانا نے کہا "یہ ملک ہم نے بے مثال قربانیوں سے حاصل کیا، مقصد یہ ہے کہ جس نظریہ
کے تحت حاصل ہوا ہے اسے چھوڑ کر ساری قربانیاں ضائع کی جا رہی ہیں وہ لٹریچر جو اسلام
کے خلاف ہے اس سے ایک ایک دن میں کئی مسلمان پاکستانی عیسائیت اور دوسرے
مذاہب کی گود میں جا رہے ہیں انھوں نے عیسائی مشنریوں کے حوالے دے کر کہا کہ پاکستان
کی زمین ساری دنیا سے ان کے لیے زرخیز ثابت ہوئی ہے۔ مولانا عبدالحق نے زور دے
کر کہا کہ خدا کے بندو مجھے خطرہ ہے کہ ہمارا ملک ایک اور فلسطین نہ بن جائے اور کہیں دوسرے

کافرانہ مذاہب کا اڈہ نہ بن جائے۔ انھوں نے کہا کہ حاشا وکلّا میرا ارادہ حکومت کو بدنام کرنا یا اپنے آپ کو نیک نام کرنا ہے۔ میں اپنی حکومت کو مسلمان سمجھتا ہوں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں بدنام کرنے کے لیے یہ سب کروں بلکہ یہ تو ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ منکرات کے خلاف آواز اٹھائے۔ حضور کا ارشاد ہے۔

من رأى منكراً فليغيّره بيده وإلّا فبلسانه وإلّا فبقلبه

اگر کوئی تم سے برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھوں سے مٹا دے اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کی مذمت کرے یہ کرنے سے بھی مجبور ہو تو دل سے نفرت جانے اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔

اب چونکہ حکومت کے پاس اقتدار ہے۔ قوت ہے اسے چاہیے کہ برائیوں کے خلاف قوت استعمال کرے۔ علماء تو اسلامی عقائد کی حفاظت اور مخالفانہ پروپیگنڈہ کا جواب دینے کے لیے اپنا پلیٹ فارم استعمال کرتے رہیں گے، لیکن ایک اسلامی ملک کو اس مقصد کے حصول کے لیے سرکاری نظام کو بھی استعمال میں لانا چاہیے۔

ہمارے وزیر داخلہ صاحب قانونی ممانعتوں کا بار بار ذکر کر رہے ہیں، مگر یہ حقیقت ہے کہ دوسرے مذاہب کا دل آزار لٹریچر پھیلایا جا رہا ہے۔ تو ہمیں بتایا جائے کہ اگر قوانین ہیں تو کتنوں پر مقدمہ چلایا گیا، کتنوں کو جیل میں ڈالا گیا۔ جب ایک آرڈیننس نافذ ہوتا ہے تو راتوں رات اس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ سی آئی ڈی تلاش کرنے لگتی ہے جیلوں کو بھر دیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے عقائد اور نظریہ پاکستان کے بگاڑنے والوں میں سے کتنے لوگ پکڑے گئے ؟ کتنوں کو سزا دی گئی مولانا نے کہا ہم اقلیتوں پر یہ پابندی نہیں لگانا چاہتے کہ اپنے مذاہب کی پیروی نہ کریں۔ یہ بات تو آئین کی خلاف ورزی ہوگی بیشک وہ اپنی عبادت گاہوں میں جائیں مگر اتنی آزادی بھی نہیں کہ مسلمانوں کے اندر جا کر کفر والحاد پھیلانے کی سعی کریں اور اسلام کی توہین کے درپے ہوں اور ہمارے ملک کے سادہ لوح

مسلمان مختلف غیر اخلاقی پھندوں اور معاشی مجبوریوں کی وجہ سے اپنا مذہب بدل دیں۔ یہاں اعتراض کیا گیا اور کہا گیا کہ اسلام اتنا کمزور نہیں نہ مسلمان اتنا کمزور ہے تو پھر اسلام کے ہوتے ہوئے آئے دن چوری اور ڈاکہ زنی کیوں ہو رہی ہے۔ اور پھر آپ نے ایسے لوگوں کے لیے سزائیں کیوں تجویز کی ہیں۔

انھوں نے کہا کہ ایسی باتوں کو صرف رہنما اصولوں میں رکھنا محض وعظ و نصیحت ہے اسے آئین کی لازمی دفعات میں شامل کر دیا جائے اور جب آئین کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ تو ایسی باتیں ہرگز برداشت نہیں کرنی چاہییے۔ مولانا عبدالحق نے اس پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ ہمارے وزراء اس اہم دفعہ کا بھی لحاظ نہیں کرتے اور کھلے بندوں مخالفت کر رہے ہیں اس لیے کہ پہلے کہا گیا تھا کہ ہماری معیشت سوشلزم ہوگا۔ اس پر اعتراض ہوا تو اس لفظ کو بدل دیا گیا۔ اور یہ طے ہو گیا کہ صرف اسلام ہی مذہب ہوگا۔ اور معیشت کی بنیاد بھی، مگر کئی وزراء سوشلزم کا پرچار کر رہے ہیں۔ آئین کے حلف اٹھانے کے بعد اس کی سر عام مخالفت ہوتی رہتی ہے۔ بہر حال اگر سرکاری مذہب اسلام ہے تو اسلام کے منافی چیزیں صرف ممنوع نہیں بلکہ اس پر سخت گرفت ہونی چاہییے۔

قرارداد مسترد

مولانا مدظلہٗ کی تقریر کے بعد سپیکر صاحب نے ایوان سے قرارداد پر رائے شماری کرائی اور حکومتی پارٹی کی اکثریت کی بناء پر قرارداد تو مسترد ہو گئی۔ مگر مجھے اسمبلی ہال کے در و دیوار سے ابھی تک مولانا عبدالحق کی یہ دردناک صدا ٹکراتے ہوئے محسوس ہو رہی تھی کہ

"خدا کے بندو! مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ ملک
ایک اور فلسطین نہ بن جائے"

قومی اسمبلی سیکرٹریٹ
۲۴ مئی ۷۳ء

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد مسترد

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ممبر قومی اسمبلی مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے قومی اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نیشنل اسمبلی کے سیکرٹری کے نام حسب ذیل قرارداد شامل کرنے کا تحریری نوٹس بھیجا تھا۔

"اس اسمبلی کی رائے ہے کہ پاکستان میں مرزائی جماعت اور اس کے تمام افراد (قادیانی اور لاہوری ہر دو جماعتوں) کو قرآن وسنت اور اجماع امت کے متفقہ فیصلہ کی بناء پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، ان کی تمام تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جائے اور انہیں زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی علیحدہ تشخص قائم کرنے کی ہدایت دی جائے۔ یہ اسمبلی آزاد کشمیر اسمبلی کی اس قرارداد کی تحسین اور تائید کرتی ہے جس میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے اور ان کی رجسٹریشن کرانے پر زور دیا گیا ہے، نیز آئندہ کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا دعوئ نبوت کرنے یا ایسے کسی مدعی کی پیروی کرنے والوں کے ساتھ مرتد کا سلوک کیا جائے۔"

قومی اسمبلی کے سپیکر کی طرف سے ڈپٹی سیکرٹری نے ۲۴ مئی کو تحریری جواب میں یہ کہتے ہوئے اس نوٹس کو مسترد کر دیا کہ ایسی کوئی قرارداد اسمبلی کے قواعد اور طریق کار پر پوری نہیں اترتی اس لیے زیر بحث نہیں لائی جا سکتی —— سرکاری چھٹی کی نقل حسب ذیل ہے۔

قومی اسمبلی سیکرٹیریٹ

نمبر الف-۱۶(۱)/۷۳-لیجس-(آر ڈی سیل) اسلام آباد، ۲۳ مئی ۱۹۷۳ء

بخدمت مولانا عبدالحق رکن قومی اسمبلی

موضوع: قادیانیوں کا بطور غیر مسلم اقلیت قرار دیا جانا

حسبِ خواہش میں جناب کو مطلع کرتا ہوں کہ قومی اسمبلی (مقننہ) کے قواعد ضابطہ کار و انصرام کارروائی کے قاعدہ ۹۰ بملاحظہ قاعدہ ۹۸ کے تحت سپیکر نے آپ کی مندرجہ بالا قرارداد کو جس کا نوٹس آپ نے ۲۲ مئی ۱۹۷۳ء کو دیا تھا، نامنظور کر دیا ہے۔

آپ کا مخلص

دستخط

ڈپٹی سیکرٹری

---

[1] قرارداد مسترد ہونے پر آپ کے احتجاج کیلئے ملاحظہ ہو مباحث اسمبلی ۹ جون ۱۹۷۳ء ص ۸۳۵

قومی اسمبلی
۳۰ مئی ۷۴ء

آزاد کشمیر کی قرارداد اقلیت کے بعد کے حالات پر

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تحریک التواء

قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے والی قرارداد کی منظوری کے فوراً بعد آزاد کشمیر حکومت کو جن تشویشناک حالات کا سامنا کرنا پڑا اس کے بارہ میں قومی اسمبلی میں تحریک التواء کے کئی نوٹس دیئے گئے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے بھی تحریک التواء داخل کی۔ ۳۰ مئی ۱۹۷۴ء کو ان تحاریک میں سے ایک تحریک کو جناب سپیکر نے کافی رد و قدح کے بعد مسترد کر دیا۔ محرکین نے اس موضوع کی دیگر تحاریک پر بحث کا بھی مطالبہ کیا جسے نامنظور کر دیا گیا جس پر حزب اختلاف نے بالآخر احتجاجی واک آؤٹ کیا۔ ملاحظہ ہوں مباحث اسمبلی ۳۰ مئی ۱۹۷۴ء۔ ہم یہاں حضرت شیخ الحدیث کی داخل کردہ تحریک التواء اور اس کی تشریح پیش کرتے ہیں۔ (مرتب)

تحریک

میں قومی اسمبلی کے ضوابط کار کی دفعہ ۵۲ اور ۵۴ کے تحت تجویز پیش کرتا ہوں کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر کے آزاد کشمیر کی موجودہ صورتِ حال اور وہاں کی موجودہ منتخب حکومت کے خلاف پیدا کیے ہوئے بحران پر بحث کی جائے۔ اس لیے کہ اس بحران کی وجہ وہ قرارداد بتائی جا رہی ہے جو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بارہ میں پاس کی گئی ہے۔ اور اس طرح یہ مسئلہ صرف آزاد کشمیر کا نہیں بلکہ پورے پاکستان کا مسئلہ بن چکا ہے۔

تشریح

کئی دنوں سے آزاد کشمیر کے بارہ میں ایسی تشویشناک خبریں آ رہی ہیں جو ان حالات کے محرکات کی نزاکت اور وہاں کی جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے پورے

پاکستان کے مسلمانوں کے لیے وجہ تشویش بنی ہوئی ہیں۔ بظاہر آزاد کشمیر کی منتخب عوامی حکومت کے خلاف ریاست کے اندر اور باہر ایسی کوششیں صرف اس قرارداد کی وجہ سے کی جا رہی ہیں جس میں وہاں کی اسمبلی نے پورے ایمانی اور جمہوری اختیارات کا مظاہرہ کر کے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی سفارش کی ہے۔ چونکہ اس مسئلہ سے پاکستان کے ۹۵ فی صد مسلمان اکثریت کا نہایت گہرا جذباتی اعتقادی تعلق ہے اور پورے ملک میں اس قرارداد کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک خالص اسلامی قرارداد کے رد عمل میں اگر آزاد کشمیر کی حکومت پر اس بارہ میں دباؤ ڈالا گیا یا قرارداد واپس نہ لینے کی صورت میں وہاں کی حکومت کو استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا تو اس کا پورے ملک میں بدترین اثر ہو گا۔ اور تمام مسلمانوں کو یہ احساس ہو گا کہ یہاں کی اکثریت اقلیتی فرقہ قادیانیوں کے رحم و کرم پر ہے اور گویا تمام مسلمان بے بس ہیں۔ پھر لازماً اس کے نتیجہ میں ملک میں انتشار، بددلی اور پریشانی پھیلے گی اس لیے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر کے اس مسئلہ کے تمام محرکات و اسباب اور اس سے رونما ہونے والے نتائج پر بحث کی جائے۔

آزاد کشمیر کی ریاست جغرافیائی لحاظ سے نہایت نازک حیثیت رکھتی ہے۔ وہاں رونما ہونے والے ایسے حالات اور بھی ملک کی سالمیت کے لحاظ سے اہمیت رکھتے ہیں یہ قرارداد آزاد کشمیر کے تمام مسلمانوں کی جذباتی وابستگی حاصل کر چکا ہے۔ اس لیے کوئی ایسا اقدام جس سے وہاں کے عوام کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہو ملکی سالمیت اور مفاد عامہ کے خلاف ہے۔

فحش فلموں پر پابندی لگائی جائے

<u>مولانا عبدالحق</u>:۔ اس اسمبلی کی رائے ہے کہ اسلامی احکامات اور قومی مفاد کے پیش نظر پاکستان میں فحش فلموں کی نمائش پر پابندی عائد کی جائے۔

سپیکر:۔ کیا قرارداد کی مخالفت کی جائے گی۔

چوہدری محمد حنیف:۔ پہلے سے پابندی عائد ہے۔

جناب سپیکر:۔ یعنی تو اس کی مخالفت کی گئی۔

چوہدری محمد حنیف:۔ پابندی پر پابندی کیسے ہو سکتی ہے۔ پہلے سے پابندی ہے فطری طور سے قرارداد کی مخالفت کریں گے۔

جناب سپیکر:۔ ٹھیک ہے مولانا تقریر کریں۔

مولانا عبدالحق:۔ محترم سپیکر صاحب! اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے والذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاخرة۔ الخ چونکہ ہمارا آئین اسلامی آئین ہے ہماری مملکت بھی مسلمانوں کی مملکت ہے۔

محمد حنیف رانا:۔ پوائنٹ آف آرڈر ـــــ اس فحش فلم کا ذکر فرما دیں جو انہوں نے دیکھی ہے

جناب سپیکر:۔ جواب میں فلموں کا ذکر نہیں کیا۔

چوہدری محمد حنیف:۔ یہ کہیں فحش ہے ہم کہیں فحش نہیں ہے۔ اس لئے اس فلم کا حوالہ دے دیں تاکہ ہم جواب دے سکیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی:۔ کیا ضرورت ہے اور یہی عام طور پر جو بھی فلم ایسی ہو۔

جناب سپیکر:۔ آپ بحث کریں۔

راؤ خورشید علی:۔ دکھا دیں سارے ممبروں کو۔

جناب سپیکر:۔ راؤ صاحب کو ضرور دکھا دیں۔

چوہدری محمد حنیف:۔ مولانا آپ جواب دیں اپوزیشن کی طرف سے کہ فلم کا وہ حصہ فحش ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی:۔ ایک فلم تو یہ لوگ بذاتِ خود ہیں۔

جناب سپیکر:۔ مولانا فرمائیں۔

مولانا عبدالحق:۔ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان تلاوت کیا ہے۔

والذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا۔ الخ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر فحاشی، بے حیائی، نجاست اور اخلاقی گراوٹ پیدا ہو ان کے لئے عذاب الیم ہے ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں ۔

میں یہ گذارش کروں گا کہ اس وقت میں جو آپ کی خدمت میں ایوان میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں میرے جذبات صرف دینی جذبات ہیں، صرف اسلامی جذبات ہیں۔ اور میرا کوئی سیاسی مقصد نہیں ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جب اسلام کو ہم زینہ بنا کر یہاں اس ایوان میں پہنچے ہیں خداوند کریم کے فضل سے اور احسان سے ہم کو ممبری ملی، کسی کو وزارت ملی کسی کو کوئی عہدہ ملا۔ اسلام کو زینہ بنا کر ہم رفعت کے چھت پر پہنچ گئے۔ اب میں یہ گذارش کروں گا کہ جس زینے سے ہمیں یہ مقام حاصل ہوا ہے اس زینے کو اکھیڑیں نہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم سے پہلے اس ملک میں بہت سے لوگ اونچے مقام پر پہنچے لیکن اس زینے کو جس زینے کے ذریعے وہ اوپر پہنچے تھے اس سیڑھی کو انہوں نے توڑ دیا شاید انہوں نے یہ خیال کیا کہ اب ہم چھت پر پہنچ گئے ہیں اب اس کی ضرورت نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی اس زینے کو توڑ دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سیڑھی جو نہ ہوگی اسلام نہ ہو گا زینہ جو نہ ہوگا خدا نہ کرے تو اگر اوپر سے ہم گر گئے تو یقیناً ہماری تباہی ہوگی۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ۲۵ سال زیادہ عرصہ ہوا اور اسلام کے نام پر پاکستان قائم ہوا اس اونچے مقام پر اقتدار کے مقام پر بہت سے لوگ پہنچے لیکن ان کو اللہ تعالےٰ نے کچھ مدت مہلت دی لیکن مدت کے بعد وہ لوگ جب گرے تو کوئی یحییٰ خان کی شکل میں نظر بند ہے کوئی ایوب خان کی شکل میں نظر بند ہے۔ اب وہ لوگ موجود نہیں ہیں۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ہم لوگوں پر بھی اللہ تعالےٰ کی جانب سے ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ہمیں چاہیئے کہ اسلام کی خاطر، اپنے تحفظ کی خاطر، اپنے ملک کی خاطر، اپنے اس عزت کے مقام کی خاطر خدا کا شکر ادا کریں۔ اور خدا کے احکام کو پامال نہ کریں۔

جناب سپیکر:۔ ۶ بجے تک نماز کے لئے اجلاس ملتوی کیا جاتا ہے۔

مولانا عبدالحق:۔ محترم سپیکر صاحب گذارش میں نے یہ کرنا تھی کہ ہمارے اسلامی ملک میں جس کا آئین اسلامی ہے اور جس کے حکمران الحمدللہ مسلمان ہیں۔ ہماری حکومت نے بہت سے اسلامی قدم اٹھائے ہیں۔ اور بہت سے منصوبے انہوں نے قوم کے مفاد کی خاطر بنائے ہیں۔

گذارش یہ ہے کہ جس طریقے سے ملک کے لوگوں کی جان کی حفاظت، مال کی حفاظت، عزت و آبرو کی حفاظت کرنا حکومت کا فریضہ ہے اسی طریقہ سے لوگوں کے اخلاق، لوگوں کے مذہب اور لوگوں کے ایمان کی حفاظت سب سے ضروری ہے۔ ہمارے یہاں فلموں کی بنیادی طور پر ابتداء ہوئی ہے پاکستان کے قیام کے وقت جناب سپیکر اچھا تھا اب میرا خیال ہے دو گنا اور سہ گنا اضافہ ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ ان فلموں میں کیا سکھایا جاتا ہے۔ چوری کس طریقے سے کی جاتی ہے، ڈاکہ زنی کس طرح کی جاتی ہے اور قتل کس طریقے سے کئے جاتے ہیں یہ سب کچھ قوم کے بچوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ میں آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اس کے نتیجے میں ہمارے ملک میں [illegible] برائیاں پھیل رہی ہیں، اخلاق کا کوئی تحفظ نہیں [illegible] کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ قتل [illegible] معاشقہ، دیگر برائیاں [illegible] [illegible] ہم [illegible] سکھاتے ہیں [illegible] [illegible] فوج [illegible] کرتی ہیں۔ یہ فوج کا نقصان نہیں ہے پولیس کا نقصان [illegible] ہے۔

یہ ہماری فلموں کے اندر جو چیزیں ہمیں سکھائی [illegible] آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ملک بے حیائی کے سمندر میں ڈوبتا جا رہا ہے [illegible] جو اثر ہے وہ آپ کے سامنے ہے یہ فلموں کی برکت ہے۔

اور سب سے بڑا ظلم جو فلم ڈان آف اسلام سے ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے فلموں پر کوئی پابندی نہیں لگائی بلکہ اس کی طرفداری کرتے ہیں۔ خدا را ہم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ اے میرے روحانی بیٹے خدا نے تمہیں اقتدار دیا تھا تمہیں میرے اوپر میرے اہل بیت کے اوپر کوئی غیرت نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انبیاء اور صحابہؓ کی شان میں کوئی ذرا سی بے ادبی ملک کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ تو میں گذارش کرتا ہوں کہ ان فلموں پر پابندی لگائی جائے۔

عبدالحفیظ پیرزادہ:۔ میں ایک گذارش یہ کروں گا ان سے کہ قانون موجود ہے ایسی اصلاحات ہو سکتی ہیں۔ یہ معاشرے کے سدھارنے کی بات ہے ایک رات میں ایک دن میں

یا ایک ذہنیت میں معاشرہ نہیں سدھر سکتا۔ یہ علمائے دین ہیں میں ان سے کہوں گا کہ خدا کے واسطے ہر وقت ڈرانے کی باتیں نہ کیا کرو۔ یہ بھی تو لوگوں کو بتاؤ اور باتیں نہیں وہاں اللہ غفور الرحیم بھی ہے۔ ہر وقت یہی سنتے رہنا کہ جہنم میں جاؤ گے جہنم میں جاؤ گے اس طرح سے معاشرہ نہیں سدھر سکتا۔ آپ ذرا انتظار کریں نئے فلم سنسر بورڈ کو دیکھیں۔

جناب سپیکر:۔ مولانا! وزیر صاحب نے یقین دہانی کرائی ہے کہ بہت جلد قانون لایا جا رہا ہے۔

مولانا عبدالحق:۔ میں محترم وزیر صاحب کا ممنون ہوں، لیکن ایک بات میں عرض کرتا ہوں کہ حقیقت یہ ہے کہ ہم مساجد میں، محلوں میں۔ دیہاتوں میں اور شہروں میں تبلیغ کرتے ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ جو کچھ نقشہ اسلام کی تہذیب کے مطابق آپ لوگ دیکھ رہے ہیں وہ علماء کی وجہ سے ہے اور اب جو علماء یہاں کھڑے ہو کر تبلیغ کر رہے ہیں تو یہ دلیل ہے کہ ہم تبلیغ کرتے ہیں آپ کے سامنے، وزراء کے سامنے اور حکومت کے سامنے، تو بدرجہ اولیٰ عوام میں تبلیغ کرتے ہوں گے میں وزیر صاحب کا بڑا شکر گزار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق عطا فرمائی، لیکن ایک بات عرض کروں گا کہ خدا کے لئے یہ فلم "ڈان آف اسلام" اسلام کے اوپر حملہ ہے۔ علمائے مدینہ و علمائے ازہر اور تمام لوگوں نے اس پر ناراضگی ظاہر کی ہے۔ میں جناب وزیر تعلیم سے عرض کروں گا کہ اس فلم کو اس ملک میں بند کریں۔

جناب سپیکر:۔ پچھلے سیشن میں بھی فلم ڈان آف اسلام پر سوال اٹھایا گیا تھا اور وزیر صاحب نے یقین دہانی کرائی تھی کہ جو معزز اراکین دیکھنا چاہیں انکو دکھا کر اگر ان کا فیصلہ یہ ہو کہ یہ فلم قابل اعتراض ہے اور قابل اعتراض حصے کاٹ دیئے جائیں اور بتا دیا جائے گا یہ ریکارڈ میں موجود ہے۔

عبدالحفیظ پیرزادہ:۔ ابھی کل ہی سیشن شروع ہوا ہے میں انتظار کر رہا ہوں کہ ممبروں کی حاضری بڑھ جائے۔

جناب سپیکر:۔ آپ فلم دکھانے کی تاریخ مقرر کریں۔

عبدالحفیظ پیرزادہ:۔ اب یہ قرارداد ہو گیا آپ نے اعتراض کیا فلم دکھائیں گے اور اسے حذف کر دیا جائے گا۔

قومی اسمبلی میں
سنہ ۷۳ء

فلم ڈان آف اسلام کی نمائش

قومی اسمبلی میں صدائے احتجاج[لہ]

قومی اسمبلی میں فلموں کے بارہ میں قرارداد پر تقریر کے دوران آپ نے ڈان آف اسلام کی نمائش پر شدید احتجاج کیا جسے تمام اخبارات اور ایجنسیوں نے قطعاً حذف کر دیا۔ ہمیں اسمبلی کی سرکاری رپورٹ سے جتنا حصہ مل سکا اسے یہاں شائع کر رہے ہیں (مرتب)

محترم سپیکر صاحب! کراچی اور دوسرے شہروں میں دکھائی جانے والی فلم "ڈان آف اسلام" کے بارہ میں آپ سے کیا عرض کروں کیا یہ غیرتِ اسلامی ہے، اور کیا حمیّتِ اسلامی ہے؟ کیا حضور صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ کے ساتھ محبّت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم ان کو خیالی تصویروں میں دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اس فلم میں وہ ایکٹر اور ایکٹرس جو شراب زنا جوا بازی جیسی باتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ معاذ اللہ وہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کی شکل میں پیش ہوں گے ہمیں تو مر جانا چاہیے کہ ہمارے ملک میں ہمارے اقتدار میں وہ چیزیں ہو رہی ہیں جو انگریز کے دور میں بھی نہ ہو سکی تھیں، انگریز کے زمانہ میں حج کی فلم پیش کرنے کا ارادہ کیا گیا تو اسی ملک میں بہت سے نوجوان سر بکف ہو کر میدان میں اُترے کہ اس طرح ہمارے حرمِ مقدس اور ہماری عبادت کی توہین ہو گی۔ دوسری طرف سے یہاں کہا جائے گا کہ اس فلم میں کسی تصویر کی نشان دہی نہیں کی گئی۔ لیکن جب غار حراء میں نازل ہونے والی وحی کا منظر بنایا جائے گا، اور ایک شخص کو گرم ریت پر لٹا کر اس کے سینے پر پتھر رکھ کر طرح طرح کی اذیتیں دی جائیں گی اور وہ احد احد پکارے گا، تو آپ نام نہ لیں۔ تب بھی ہر مسلمان جانتا کہ وہ حضرت بلالؓ کی تصویر بنائی گئی ہے۔ ایک شخص تلوار نکال کر حضورؐ کو شہید کرنے کی

لہ مباحث اسمبلی ۴/۱۷ ص ۹۲ تا ۱۱۷

نیت سے جا رہا ہے اور وہاں پہنچ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ تو ہر ایک جانتا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے علاوہ
اور کون ہو سکتا ہے۔ یہ عہدِ سعادت کی باتیں ہیں۔ ظہورِ اسلام کی چیزیں ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی
باتیں ہیں۔

میں آپ سے عرض کروں گا کہ ہمارے اخلاق کو ہمارے معاشرے کو بگاڑ دیا گیا ہے
ہماری غیرت و حمیت کو بھی اور صحابہؓ کے تقدس کو بھی جو مسلمانوں کے دلوں میں تھی اس طرح فلموں
کے ذریعہ ختم کیا جا رہا ہے۔ اس فلم کے دوران فحش عریاں تصاویر اور مناظر دکھائے جا رہے ہیں
اور کہا جاتا ہے کہ یہ اسلام کی نمائش [illegible] ہے اور ننگی عورتوں کے کلب میں [illegible]
عبادت کرتے [illegible] یہ اسلام [illegible] ہے کہ ایک شخص بلال جاتے [illegible]
[illegible] صلی اللہ
علیہ وسلم [illegible] لوگ دنیا کے سامنے پیش کریں گے
جناب آپ سے [illegible] ہے کہ اگر حضور کسی کو خواب میں بھی نظر آئیں
تو وہ خواب سچا ہے [illegible] کیونکہ شیطان جو بڑی طاقت والا تھا لیکن اس کی جماعت شیطنت
سے بچانے کے لیے شیطان کو بھی یہ طاقت نہیں دی گئی کہ خواب میں بھی حضور اقدس کی شکل
اختیار کر سکے۔ آج ہم ایکٹر اور ایک شرابی سے ایسے حضرات کی شبیہ بنوا ہیں؟ اور میں یہ کہوں
گا کہ اب یہ یہاں ختم نہ ہوگی کل کہیں گے کہ اسلام کی تبلیغ کے لیے خدا اور جبرئیل کی بھی فلم بنائی جائے
کہ ایک خدا ہے اور جبرئیل و میکائیل ہوں گے اور قیامت کا منظر پیش کیا جائے گا۔ یہ
ہمارے ملک میں ہمارے دین کے ساتھ مذاق ہو رہا ہے۔

الحمد للہ کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم سے مسلمانوں کی توقعات ہیں کہ ہم ان کے اندر
اچھائی پیدا کریں گے ان کے اخلاق کو بہتر بنائیں گے اگر ایسا نہ کریں اور ایسی برائیوں پر بھی
پابندی نہ لگائی تو یہ ملک عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین
کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا۔ اور اب بھی مبتلا ہو چکا ہے۔ اس کا تدارک اس طرح ہو

سکتا ہے کہ ہم نادم ہو جائیں اور حکومت سے آپ سب اپیل کریں کہ وہ اس فلم کو مکمل بند کر دیں۔ میرے پاس ایک اخبار ہے ایک فلمی اشتہار میں ایک تصویر بالکل ننگی ہے۔ میں نے ایوب یا یحییٰ کے دور میں ایک بڑے اخبار کے خزانچی کو جو بڑا دیندار ہے کہا کہ خدا سے ڈرو۔ یہ تصویریں گھروں میں جاتی ہیں۔ جہاں بچیاں بھی اسے دیکھتی ہیں۔ اسے بند کرو اس نے کہا کہ اخبار کا مالک بڑا متقی اور حاجی ہے۔ بیٹے اور بیوی کو بھی حج کرایا ہے۔ میں نے کہا عجب تقویٰ ہے انھوں نے کہا آپ کو کیا معلوم ہمیں راتوں رات کاغذات ملتے ہیں کہ اسے چھاپنا ہوگا ہم مجبور ہیں۔ بہر حال اسلام کی تبلیغ بھی اس کے اصول کے مطابق ہونی چاہیے۔ قرآن مجید کو پھیلانے کے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم اسے طبلہ اور سارنگی کے ساتھ پڑھائیں یا ناچتے گاتے اسے پڑھا جائے کہ ویسے اسلام کی تبلیغ ہوتی ہے۔ عصمتوں کو داؤ پر لگا دو۔ اور تبلیغ کرو۔ اسلام اس تبلیغ کو جائز نہیں سمجھتا تو ایسی فلموں کے ذریعہ ہمارے اسلام، ایمان اور غیرت و حمیت پر ڈاکہ نہ ڈالا جائے۔

مزید اہم قراردادیں

وہ قراردادیں جو آخر تک ایجنڈے پر آتی رہیں اور ارباب اقتدار کو دعوت فکر دیتی رہیں۔ مگر اسمبلی میں مختلف حیلوں بہانوں سے ان پر بحث کرنے سے گریز کی گئی

اسلامی مشاورتی کونسل کی تشکیل کا مطالبہ

"یہ اسمبلی قرار دیتی ہے کہ آئین کے تحت اسلامی نظریاتی کونسل کو تشکیل دیتے وقت آئین کی بالخصوص دفعہ ۲۲۸ کی مقتضیات کو پورا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اسمبلی قرار دیتی ہے کہ کونسل کو دوبارہ اس طرح تشکیل کیا جائے کہ اس میں ایسے اراکین کو شامل کیا جائے جو قوانین کو اسلامی تقاضوں کے مطابق بنانے میں رہنمائی کر سکیں۔"

اسلامی اور عصری علوم کے طلبہ کو سہولتیں

"اس اسمبلی کی رائے ہے کہ عصری علوم کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے غیر ممالک میں جانے والے طلباء کو جو سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں ویسی ہی سہولتیں عربی زبان میں مہارت

حاصل کرنے کے لئے اسلامی ممالک میں جانے والے طلباء کو بھی فراہم کی جائیں۔

"سود کو ختم کرنے کے لئے کمیشن کا قیام"

"اس اسمبلی کی رائے ہے کہ آئین میں شامل اسلامی احکامات کے پیش نظر فوری طور پر کمیشن قائم کیا جائے جو اپنی تشکیل سے چھ ماہ کے اندر اندر سود کو ختم کرنے کے بارے میں سفارشات پیش کرے۔" نیز حکومت کے امدادی اداروں از قسم ترقیاتی بنک وغیرہ کو ضرورتمندوں کو قرضے بلا سود دیئے جائیں۔

افریقی ممالک اور دنیا میں تبلیغ اسلام کا پروگرام بنایا جائے

اس اسمبلی کی رائے ہے کہ حکومت وسیع پیمانے پر دنیا میں اسلام کی تبلیغ و تعارف کا پروگرام بنائے بالخصوص یورپ اور افریقی ممالک میں جہاں بعض غیر مسلم فرقوں نے اسلام کے لبادہ میں لوگوں کو گمراہ کرنے کی سعی کی ہے۔

مقدس اوراق و کاغذات کو بےحرمتی سے بچایا جائے

"اسمبلی کی رائے ہے کہ حکومت ایسی انسدادی تدابیر اختیار کرے کہ لوگ ایسے مطبوعہ یا دیگر کاغذات جن میں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی نیز اللہ تعالے اور حضور پاک صلعم کے مبارک نام تحریر ہوں، گلیوں اور نالیوں میں پھینک کر اس طرح کے متبرک اسماء حروف و نقوش کی بےحرمتی کے مرتکب نہ ہوں۔" (۲۶ راگست ۱۹۷۶ء کے ایجنڈے پر)

نمبر الیف ۱۱/۱۷(۱۵)۷۶ (ایجس آرڈی نمبر ۷ اسلام آباد ۴ر جون ۱۹۷۶ء)

تحریک ارتداد پر پابندی جسے مسترد کر دیا گیا

اس اسمبلی کی رائے ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جن شہری اور مذہبی آزادیوں کی اجازت دی گئی ہے، ان کا لحاظ رکھتے ہوئے غیر مسلم اقلیتی فرقوں خصوصاً عیسائی مشنری اداروں کی طرف سے چلائی جانیوالی تحریک ارتداد پر پابندی عائد کی جائے نیز یہ کہ ایسی تمام سرگرمیوں کی ممانعت کی جائے جس سے کسی مسلمان کے مرتد ہونے کا احتمال ہو۔

تحصیل نوشہرہ کی ضروریات ترجیحی بنیادوں پر پوری کی جائیں

اس اسمبلی کی رائے ہے کہ تحصیل نوشہرہ کا پہاڑی علاقہ اب تک بجلی اور پانی سوئی گیس جیسی بنیادی ضروریات سے محروم ہے اس لئے حکومت کو چاہیئے کہ متذکرہ علاقے کو ترجیحی بنیادوں پر سوئی گیس اور بجلی فراہم کرے اور دیگر ضروریات کے لئے بھی صوبائی حکومت کو خاص ہدایات دے۔

مسودہ دستور پر تنقیدی تقریر

۲۷ فروری ۱۹۷۳ء کی شام کو قومی اسمبلی میں مسودۂ دستور پر عام بحث کے دوران شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ نے جو تقریر ارشاد فرمائی اُسے ہم اسمبلی سیکرٹریٹ کی رپورٹنگ کی مدد سے یہاں پیش کر رہے ہیں۔

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جناب سپیکر! مجوزہ دستور کا جو مسودہ ہے۔ اس کے متعلق مختصراً کچھ عرض کرنے سے پہلے اتنی گزارش ہے کہ کسی ملک کا آئین اس ملک کی موت و حیات کا مسئلہ ہوتا ہے۔

دستور کا مسئلہ ہر ذاتی اور سیاسی مفاد سے بالاتر ہے

آئین کے ذریعہ افراد کے حقوق، رعایا کے حقوق، باشندگانِ ملک کے مفادات اور حکومت کی بالادستی وغیرہ تمام امور کی تعیین ہو جاتی ہے۔ تو دستور نہ کسی فرد کا مسئلہ ہے نہ کسی جماعت کا، نہ کسی خاص شہر، مخصوص دیہات کا مسئلہ ہے نہ کسی ایک صوبے کا۔ بلکہ یہ کل قوم اور ملک کا مسئلہ ہے تمام پاکستانی قوم کا مسئلہ ہے۔ اس لیے گذارش ہے کہ اس مسئلے پر نہایت تحمل اور تدبر سے غور کیا جائے۔ اس کے

---

[1] مباحثہ اسمبلی ۲۷ فروری ۱۹۷۳ء ج ۲ ش ۹ ص ۲۴۴ تا ۲۵۰ ایف ایس پی آئی سی ۳۰۰/۴۳/۷۳/۹/۱۱

لیے مناسب فضا پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور ایوان ذملک میں روایتی کشیدگی نہ ہونی چاہیے۔ آپس میں مفاہمت اور محبت کی صورت میں پورے دستور کے صفحات پر غور ہو سکتا ہے۔ میرے ایک بھائی جتوئی صاحب (جناب عبدالحمید جتوئی نے اس سے قبل تقریر کی تھی) نے بہت ہی اچھے الفاظ میں بعض چیزوں کی نشان دہی کی ہے کہ اس وقت جو فضا پیدا کی گئی ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ یہ جو ناموافق فضا ہے یہ بدل جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئین کی ہر دفعہ پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کیا جا سکے گا۔ یہ تو تمہیدی طور پر گذارش تھی جو میں نے پیش کی۔

پاکستان سوشلزم کے لیے نہیں بنا

دستور کے متعلق یہاں یہ کہا گیا ہے کہ ہمارا دستور سوشلزم کے اصولوں پر ہوگا (ایک مقرر سے نوک جھونک کے دوران بعض اراکین نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے تھے) اس لیے کہ ہمارے منشور میں یہ چیز واضح طور پر موجود ہے تو میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ سوشلزم تو نعرہ ہے پیپلز پارٹی کا اور دستور کسی ایک پارٹی کے لیے نہیں بن رہا، بلکہ یہ پورے پاکستان کے لیے بن رہا ہے۔ جس کے باشندے یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور دوسری طرف آپ سوشلزم کی بنیاد رکھ رہے ہیں تاکہ رفتہ رفتہ یہ ملک پورے طور پر اشتراکی بن جائے۔ ان سے میں پوچھتا ہوں کہ یہ آئین پورے پاکستان کے لیے بن رہا ہے۔ اسے ہم پاکستانی قوم کے لیے بنا رہے ہیں یا کسی پارٹی کے لیے؟

یہ آئین نہ میری جماعت (جمعیۃ علماء اسلام) کا ہے، نہ پیپلز پارٹی کا ہے، نہ نیشنل عوامی پارٹی یا مسلم لیگ کا ہے، بلکہ پوری مسلمان قوم کے لیے ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ چونکہ ہماری پارٹی کا منشور ہی سوشلزم ہے اس لیے ہم اپنے منشور کے

مطابق آئین بنائیں گے تو میری رائے میں یہ بڑی زیادتی ہو گی۔

قیام پاکستان کی بنیاد اسلام

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس وقت برصغیر کی تقسیم ہو رہی تھی اس وقت میں ہندوستان میں تھا۔ یوپی کے مسلمان، بہار کے مسلمان، سی پی کے مسلمان۔ ان سب مقامات کے مسلمانوں سے میری ملاقاتیں ہوتی تھیں اور قائداعظمؒ بھی وہاں تشریف لائے تھے۔ ان مسلمانوں سے جب یہ دریافت کیا جاتا کہ تم تو اقلیتی صوبوں کے مسلمان ہو۔ تمہارے لیے پاکستان بننے میں کیا فائدہ ہو گا تم تو ذلیل ہو جاؤ گے۔ تو مجھے خوب یاد ہے کہ وہ چھ سات کروڑ مسلمان جو وہاں موجود ہیں انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اکثریت کے صوبوں میں پاکستان کی شکل میں اسلام کا مینار بلند ہو۔ جہاں اسلامی معاشرہ ہو، اسلامی تمدن ہو، جہاں اسلامی معیشت ہو۔ اگر یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ قائدِ اعظم کہتے ہیں تو ہماری یہ جانی اور مالی قربانیاں یہ سب کچھ اسلام کے قیام و بقاء کی خاطر کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہیں اور جب اس قربانی کے صلہ میں یہاں پر اسلامی نظام قائم ہو جائے تو ہمیں بہت وصول ہو جائے گی۔

مجھے یہ بات خوب یاد ہے کہ قائداعظم سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ جو پاکستان بنا رہے ہیں وہ علاقہ تو مسلمانوں کی اکثریت کا ہے۔ لہٰذا یہ اقلیت والے علاقے کے مسلمان کیا کریں گے۔ تو ایک دفعہ ان کی زبان سے یہ نکلا کہ میں ان کا جنازہ اسلام کے لیے پڑھ چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ہم ان کا جنازہ پڑھ چکے ہیں اور ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کے بدلے ہم کو اسلامی نظام مل جائے گا، لیکن یہ بڑی افسوسناک بات ہے کہ آج ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ ہمارے دستور

میں سوشلزم ہو۔ کیا پاکستان سوشلزم کے لیے بنا تھا؟ اگر پاکستان سوشلزم کے لیے بننا تھا تو پھر ہزاروں، بلکہ لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں کو غلام بنانے کی کیا ضرورت تھی اور ہزاروں آدمی جو قتل اور شہید ہوئے اور عورتوں کی عصمتیں غیر محفوظ ہوئیں، پھر اس کی کیا ضرورت تھی۔ کیا یہ سب کچھ سوشلزم کے لیے ہو رہا تھا؟ یہ مقصد تو متحدہ ہندوستان میں بھی حاصل ہو سکتا تھا۔

اسلام سرکاری مذہب کی دفعہ اور اس کے تقاضے

ہمارے اس دستور میں ایک دل خوش کن بات یہ ہے کہ اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہوگا۔ میرے ایک بھائی (چوہدری ظہور الٰہی صاحب نے) آج کے اجلاس میں ایک جملہ کہا تھا کہ اس دفعہ کی کیا ضرورت تھی اور اس کا کیا فائدہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہاں کا مذہب سرکاری سطح پر اسلام ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب اسے کل کا کل نافذ کرنا ہوگا۔ مذہب کا معنیٰ ہے طریقہ، راستہ، کسی طریقے پر چلنا۔ تو حکومت کس طریقے پر چلے گی؟ اسلام کے طریقوں پر چلے گی یا کسی اور طریقے پر۔ یعنی ہمارے چلنے کا، ہماری زندگی کا، ہمارے طرزِ حکومت کا، ہماری پالیسی کا جو راستہ ہوگا وہ کیا ہوگا اور دیکھیے جن جن ملکوں میں ان کے اپنے نظریات کے مطابق حکومتیں ہیں۔ جیسے روس میں اشتراکیت کا نظام ہے اور وہ سرکاری سطح پر ہے تو وہاں تمام ملک میں کوئی شخص ایسی تقریر نہیں کرسکتا جو اشتراکیت کے خلاف ہو۔ وہاں کوئی سرمایہ دارانہ نظام کی بات نہیں کرسکتا، سرمایہ داروں کی تبلیغ نہیں ہوسکتی۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہاں اشتراکیت حکومتی سطح پر ہے۔ تو یہ بڑی بات ہے اور بڑی اچھی تجویز ہے۔ کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ تو میں یہ عرض کروں گا کہ یہ عنوان ہے تو بڑا خوش آیند، لیکن اس عنوان پر اکتفا نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ہمیں ٹھنڈے دل سے

غور کرنا ہو گا اور فیصلہ کرنا ہو گا کہ ہمارے ملک میں لادینی نظام ہو گا یا اسلامی نظام ہو گا، ظاہر بات ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم میں سے کوئی شخص لادینی نظام کو نہیں چاہتا۔ ہم جب اپنا نظام چاہتے ہیں جس کا عنوان ہے کہ سرکاری مذہب اسلام ہو گا تو اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہمارے ملک میں اگر کوئی تبلیغ اگر کوئی تقریر یا تحریر سرکاری مذہب کے خلاف کرے گا تو وہ شخص باغی تصور کیا جائے گا۔ تو مجھے اس اچھی بات پر یہ کہنا ہے کہ آیا صرف نام پر ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہو گا کیا یہ کافی ہو گا؟ اس کے اعمال بھی تو بتائیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کریں۔ اسلام کے تقاضے کیا ہیں۔ ان پر بھی غور کرنا ہو گا۔ صرف اسلامی نام رکھ دینے سے کچھ فایدہ نہیں ہو گا۔

اسلامی کونسل کی حقیقت

اس کی صورت یہ ہے کہ آئین کی دفعہ ۲۲۷ سے چور دروازوں کے ذریعے اسلام کے خلاف قوانین بننے کی راہیں بند کی جائیں۔ دفعہ ۲۲۷ میں ہے: اس ملک میں کوئی قانون اسلام اور قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنے گا۔ کیا اس کے مجوزہ طریق کار کے مطابق یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اس کے لیے اگلی دفعات کو مؤثر بنانا ہو گا۔ اسے اسی طرح مضبوط کرنا ہو گا۔ کہ فرار کے راستے بند ہو سکیں، چور دروازوں کی گنجائش نہ رہے۔ مجھے ان دفعات کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہو گا تو اگر کسی صوبائی یا مرکزی ایوان میں ایسا کوئی قانون بن جائے جو قرآن و سنت کے خلاف ہو تو کیا عوام کو یا اس ملک کے باشندوں کو یہ حق ہو گا کہ اسے عدالت میں چیلنج کر سکیں اور وہاں یہ کہا جا سکے کہ فلاں دفعہ قرآن و سنت کے خلاف بنی ہے۔ تو اس آئین کی رُو سے اسے کالعدم قرار دیا جائے اور یہ ضمانت دی جائے کہ کوئی قانون اگر قرآن و سنت کے

خلاف اس ملک میں بنا تو اس کی چارہ جوئی کے لیے ہم عدالت تک جا سکیں اور اسے ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں کالعدم قرار دیا جا سکے، لیکن موجودہ آئین میں یہ تحفظ نہیں دیا گیا ہے، بلکہ زیادہ حصہ ہیرا پھیری کا ہے۔ اس میں یہ تو کہا گیا ہے کہ اگر کوئی قانون اسمبلی میں پیش ہو تو اس کے لیے ہم ایک اسلامی کونسل بنائیں گے اگر متنازعہ قانون ہو تو ہم اسلامی نظریات کی کونسل کے پاس اس قانون کو بھیجیں گے تو اسلامی کونسل کے سلسلے میں چند باتیں ضروری ہیں۔

ایک تو یہ کہ جو اسلامی کونسل اس مسودہ میں تجویز کی گئی ہے۔ اس کے افراد زیادہ سے زیادہ ۱۵ ہو سکتے ہیں جن میں دو جج ہوں گے، چار علماء دین ہوں گے اب یہ اسلامی کونسل جو ان قوانین کا فیصلہ کرے گی اور وہ یہ کہ آیا یہ اسلامی قوانین ہیں یا نہیں۔ تو ظاہر بات ہے کہ اس کے اسلامی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ تو وہ کر سکتا ہے جو اسلام کا ماہر ہو۔ لیکن جیسا کہ اس میں کہا گیا ہے کہ اس کونسل میں ۱۵ ارکان ہوں گے جن میں سے دو ہائی کورٹ کے جج ہوں گے جو انگریزی قوانین کے ماہر ہوں گے اور چار علماء ہوں گے اور مابقی کے متعلق کچھ نہیں ذکر کہ وہ کون ہوں گے۔ تو دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اکثریت کس کی ہو گی۔

عبدالحفیظ پیرزادہ : مولانا! چار نہیں۔ کم از کم چار علماء ارکان لکھا ہے۔

مولانا عبدالحق : بہر حال اس کی حد متعین ہونی چاہیے کہ کونسل کی اکثریت صرف علماء ارکان کی ہونی چاہیے۔ چونکہ ہم مسلمان ہیں اور ہم دل سے ارادہ کیے ہوئے ہیں کہ اس ملک میں اسلامی قانون رائج کیا جائے۔ تو کم سے کم یہ تو کیا جائے کہ جیسے اگر اسمبلی کو کوئی فنی مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اس کے لیے فنی ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے کہ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے اسی طرح یہاں بھی کونسل کے ممبران کی اکثریت ماہرینِ دین یعنی علماء کی

ہونی چاہیے۔ اگر یہ چیز اس میں رکھ دی جائے

ڈپٹی سپیکر : عُلما۔ کم از کم چار ہیں ــــ (زیادہ کی بھی گنجائش ہے)

مولانا عبدُالحق : ما لقی کی تعداد معلوم ہونی چاہیے جو کونسل کے اندر اس کی مخالفت نہ کریں۔ ممکن ہے کہ اگر اور ارکان اس کی مخالفت کریں، غلط فیصلہ کریں تو اکثریت کی بنا پر وہ عُلما کی رائے کو ستر دکریں گے۔

پھر آئین میں یہ ہے کہ گورنر، صدر یا اسمبلی یہ کہے فلاں قانون اسلامی کونسل کے پاس مشورہ کے لیے بھیج دیا جائے تو اسے بھیجا جائے گا، لیکن اگر فرض کیجیے کہ صدر یا گورنر یا اسمبلی نے اسے ضروری نہ سمجھا تو وہ کونسل کے پاس نہیں جائے گا اور اس پر اسمبلی ہی میں فیصلہ ہوگا اور قانون وضع کر لیا جائے گا اور اگر اسمبلی کے صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تو فیصلہ اسمبلی کی اکثریت پر ہوگا اور اسمبلی اکثریت اگر یہ کہے کہ ہم اسے اسلامی کونسل میں نہیں بھیجنا چاہتے تو اقلیت میں جو لوگ ہیں وہ اگر کونسل میں بھیجنا چاہیں تو وہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ ایسی صورت میں

ڈاکٹر مبشر حسن : جناب! اسلامی کونسل کے پاس ایوان بھی بھیج سکتا ہے، صدر اور گورنر بھی بھیج سکتا ہے۔

مولانا عبدالحق : تو بہرحال ایوان کے بھیجنے کی صورت میں تو اکثریت کے اعتبار سے ہوگا اور اگر اکثریت نہ بھیجنا چاہے تو معاملہ یہیں رہے گا اور ممکن ہے کہ ایوان خلافِ دین فیصلہ کر دے۔ دوسری بات یہ ہے۔ فرض کیجیے کہ گورنر صاحب نے، صدر صاحب نے یا اسمبلی نے اسلامی کونسل کے پاس مشورہ کے لیے کوئی قانون بھیج کر معلوم کرنا چاہا کہ یہ خلافِ قرآن و سنت ہے یا نہیں؟ وہاں تو بھیج دیا گیا، مگر یہاں مسودہ میں ہے کہ اگر اسمبلی یا حکومت سمجھتی ہے

مفادِ عامہ کی خاطر۔ تو جواب آنے سے قبل ایوان میں قانون وضع کر لیا جائے گا۔ تو گویا کونسل کے مشورے کے آنے کا انتظار نہیں ہوگا اور "مفادِ عامہ" کے نام سے اسے نافذ کر دیا جائے گا۔ قانون بنا لیا جائے گا تو اس طرح پھر قرآن و سنت کے خلاف قانون وضع کرنے کا راستہ نکل آیا۔ چوتھی خرابی یہ ہے کہ اگر اسلامی کونسل اسمبلی، صدر یا گورنر کے پاس اپنی رائے بھیج دیتی ہے اور کہہ دیتی ہے کہ یہ خلاف شرع ہے۔ تو مسودہ آئین میں یہ ہے کہ اسمبلی اس کے متعلق پھر غور کرے گی۔ یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ جب مشورہ مل گیا ہے کہ یہ قانون خلاف قرآن و سنت ہے تو اسمبلی کا از سرِ نو غور اس کے تابع و موافق ہونا چاہیے یا نہیں ؟ بلکہ ایوان اس پر نئے سرے سے غور کرے تو غور تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اس مشورہ کو نہیں مانتے۔ اسمبلی، کونسل کے مشورے کی پابند نہیں۔ یہ صورت غلط ہے، بلکہ اس کی دفعہ کو واضح کر لینا چاہیے کہ اسمبلی اس فیصلے کے مخالف فیصلہ نہ کر سکے گی۔

اب یہاں یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ کیا ہم اسمبلی کے ارکان کو اسلامی کونسل کے تابع بنا دیں اور اسمبلی پر اسے بالادستی کیوں کر دی جا سکتی ہے اس کے جواب میں دو باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بنیادی حقوق کے بارے میں ہر شخص کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ عدالت کی طرف رجوع کرے اور اگر کوئی جج کہہ دے کہ اسمبلی کا کوئی ایسا قانون بنیادی حقوق کے خلاف ہے تو وہ اسمبلی کا قانون کالعدم ہو جاتا ہے۔ تو ایک جج جو سرکاری ملازم ہے اور ایک فرد ہے اور اس کی رائے میں اگر بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہے تو اسمبلی کا فیصلہ کالعدم کر سکتا ہے تو اسلامی کونسل کے ایسے مشورے سے کالعدم کیوں نہیں ہو سکتا (وہاں بالادستی کا سوال کیوں نہیں اٹھایا جاتا) دوسری بات یہ ہے کہ

اسلامی کونسل تو قانون کی واضع نہیں۔ اس میں تو قرآن وحدیث کے ماہر ہوں گے۔ وہ تو صرف یہ بتائیں گے کہ یہ بات قرآن وحدیث کے مخالف ہے یا نہیں۔ تو کونسل کے ارکان وضع کرنے والے نہیں صرف ظاہر کرنے والے ہیں کہ فلاں قانون قرآن وسنت کے مطابق ہے یا مخالف۔ آج ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حکم مانتے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں مُظہِر (ظاہر کرنے والا) کہتے ہیں، نہ کہ واضع (بنانے والا) جیسا کہ یہاں ہمارے ایک دوست میاں محمود علی قصوری کسی قانون کی تشریح کریں تو ہم انہیں واضع نہیں سمجھتے بلکہ صرف مطلب کا واضح کرنے والا ہے۔ مطلب میرا یہ ہے کہ اسلامی کونسل کی بالادستی درحقیقت قرآن وحدیث کی بالادستی ہے۔ اسے کیوں نہ مانا جائے۔ یہ تو نئی قانون سازی کے بارے میں تھا۔ سابقہ جتنے قوانین ہیں ان کو قرآن وسنت کے مطابق کرنے کے بارے میں کہا گیا کہ کونسل سات سال میں حتمی رپورٹ تیار کرے گی۔ گویا سات سال میں کونسل رپورٹ دے اور آخر میں آ کر ایوان یہ کہہ دے کہ ہمیں منظور نہیں تو ساری رپورٹ ردی کی ٹوکری میں چلی جائے گی۔

(تو یہاں بھی اسمبلی کو اس رپورٹ کا پابند بنا دینا ضروری ہے)

ایک مخصوص بنچ ضروری ہے

تو اس کے لیے ایک ضمانت آئین میں یہ دینی چاہیے کہ ایک عدالت عالیہ ہو۔ اس میں علماء کرام اور ماہرینِ شریعت اور دیگر ماہرین کا ایک مخصوص بنچ ہو جو اس بارے میں فیصلہ کر سکے۔

کوشش نہیں، ضمانت ضروری ہے

اس آئین میں کچھ نہ کچھ خوبیاں بھی ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ ایسے اقدامات کیے جائیں گے جس سے لوگ اس قابل بن جائیں گے کہ قرآن و سنت کے مطابق اُن کی تربیت ہو اور انہیں سمجھایا جائے گا کہ قرآن و سنت کے مطابق زندگی کیسی ہو! یہ تو منطقی الفاظ کا چکر ہے۔ قابلیت کے معنی تو امکان اور صلاحیت ہے اور وہ تو ہر وقت موجود ہے۔ ایسے اقدامات سے پہلے اگر ہم میں قابلیت نہ ہوتی تو ہم خدا کی جانب سے مکلف کیسے ہو سکتے تھے۔ یہی حال سمجھنے سمجھانے کا ہے اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی کو سمجھنے والے تو آج بھی ہزاروں لوگ ہیں۔ پچانوے فی صد مسلمان سمجھتے ہیں کہ سود بُرا ہے، زنا بُرا ہے، جوا بُرا ہے تو کیا "پالیسی کے رہنما اصول" میں یہ لکھنے سے کہ معاشرہ میں قابلیت پیدا کی جائے گی۔ مقصد حاصل ہو سکتا ہے؟ اسے عوام کی قابلیت، استعداد اور سمجھنے پر نہیں چھوڑنا چاہیے، بلکہ لازمی قرار دینا چاہیے۔

پالیسی کے رہنما اصول کی حیثیت

اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ ان اصلاحات کو پالیسی کے اصول میں رکھا تو گیا ہے، لیکن اسکی آئینی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ مسٹر جسٹس منیر نے کہا کہ جیسے لوگ انتخابات کے وقت اپنی پارٹی کے منشور کو عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ اس کے گرویدہ ہو جائیں۔ یہی حیثیت آئین میں "پالیسی کے رہنما اصول" کی ہوتی ہے۔ قانوناً اسکی کوئی حیثیت نہیں۔

املاک کی جبری ضبطی اور ملکیت کی تحدید

آئین میں یہ بھی ہے کہ افراد کے حقوق مالیہ کا تحفظ ہوگا، مگر یہ کہ اگر ضرورت ہو۔

توضرورت کے وقت اس کی اجازت ہوگی کہ حکومت کسی ملکیت کی تحدید کرے۔ یا اگر مفادِ عامّہ کے لیے کوئی ضرورت ہو تو حکومت بلامعاوضہ بھی اموال کو لے سکتی ہے۔ تو میں اتنی بات عرض کروں گا کہ اسی ضرورت کی بنیاد پر اگر ایک شخص جو بھوکا ہے۔ اس نے بچوں کے لیے کالج میں فیس دینی ہے اور اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ تو یہ شخص اسی ضرورت کی بنا پر کسی کی جیب کاٹتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں نے بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے جیب کاٹی ہے تو اس پر آپ چوری کا قانون کیوں نافذ کرتے ہیں۔ وہ بیچارہ بلاعوض لیتا ہے مگر کیا اسے ضرورت نہیں؛ تو کیا ضرورت ہمیں چوری اور جیب تراشی کی اجازت دے سکتی ہے؟

میرے خیال میں جب ہم نے اسلامی آئین کو بنیاد بنالیا ہے تو اس تسلیم شدہ بات کہ ہم اسلامی آئین بنائیں گے، کا تقاضا ہے کہ ایسی دفعات ختم کردینی چاہئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کل المسلم علی المسلم حرامٌ دمہٗ ومالہٗ وعرضہٗ (مسلمان کی آبرو، مال، جان سب کچھ دوسروں پر حرام ہے) اور چلیے ہم اس کے لیے تیار ہیں کہ اموال چھین لیے جائیں، مگر اس میں یہ قید بہرحال لگانی چاہیے کہ ناجائز اموال انگریزوں کی دی ہوئی جاگیریں ظلم کے ذریعے حاصل کی گئی دولت ضبط کریں گے، لیکن ایسی صورت میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ ایسے اموال ضبط کرنے کا حکومت کو حق ہے لیکن وہ بھی حکومت کو نہیں ملیں گے، بلکہ اصل مستحقین اور حقداروں کو واپس پہنچانے ہوں گے جن سے چھینے گئے تھے وہ لوگ مل سکیں تو ان کو دیے جائیں گے، لیکن آپ عوام کی تعلیم اور مفادات عامہ کے لیے دوسرے کی املاک ضبط کرنا چاہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایک شخص کو زندگی دینے پر دوسرے کا گلہ کاٹ دیں اور یہ انصاف نہیں اور پھر کیا مفادِ عامہ کے لیے ہمارے بیت المال اور خزانہ میں اور طریقوں سے گنجائش نہیں نکل سکتی ہے؟ بہت سا روپیہ ہماری عیاشیوں پر صرف ہوتا ہے۔ بڑی بڑی بلڈنگوں پر ہماری موٹروں

پر ہماری زیب و زینت پر خرچ ہوتا ہے اسے کیوں نہیں کم کرتے ۔ تو ہم اسے کم کر دیں اس طرح بیت المال میں جو اموال جمع ہونگے وہ محتاجوں پر خرچ کریں ۔ دیکھیے حضرت عمرؓ کی کیا حالت تھی ۔ قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت کے مالک بنے ۔ قبضہ میں دولت ، خزانے اور تاج و تخت تھے ، لیکن حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے دس دس پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر خطبہ دیتے ہیں اور زمین پر لیٹتے ہیں اور ایک دفعہ کھانا کھا رہے تھے تو ایک گورنر آیا ۔ اسے بلا کر بٹھایا اور فرمایا کہ کھائیے ۔ اس نے کہا : کیسے کھاؤں یہ تو جَو کی روٹی ہے اور اس کا بھوسہ بھی نہیں نکالا گیا ۔ تو کیسے نگلے گا ۔ یہ تو گلے میں پھنس جائے گا ۔ تو جو اموال حرام طریقے سے جُوا ، شراب کی وجہ سے حاصل ہوئے ہیں انہیں تو ضبط کیا جاسکتا ہے ۔ حلال اموال کو نہیں ۔

ڈپٹی سپیکر : مولانا ! آپ تشریف رکھیں آپ نے کتنا وقت لینا ہوگا ۔ کیا آج آپ تقریر ختم کر سکتے ہیں ۔ تھوڑے وقت میں (کیونکہ اسمبلی کا وقت نو بجے کو تھا) یا کل تقریر جاری رکھنا چاہیں گے

مولانا عبدالحق : اگر آپ دس منٹ بڑھا دیں تو ختم کر دوں گا ۔

ڈپٹی سپیکر : پھر آج ہی تقریر کو ختم کر دیں (حزب اختلاف سے اصرار تھا کہ کل بھی جاری رہے گی تو سپیکر نے کہا) : میرا خیال ہے کہ ممبر کی آزادی میں کوئی آدمی دخل نہ دے ۔ دونوں طرف سے مولانا صاحب کی تقریر کا سلسلہ ٹوٹ جائیگا ۔ مولانا کو تقریر کرنے دیں ۔

پروفیسر غفور احمد : مولانا ! یہ جَو کی روٹی والی بات ان کو اچھی نہیں لگی ۔

مولانا عبدالحق : بہرحال میں دو باتیں آپ سے عرض کر دوں کہ جو مال حرام طریقے پر انگریزیا کفار وں کو خوش کرنے کے ذریعہ یا کسی اور طرح سے یا سُود کی وجہ سے یا شراب کے ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہو ۔ اُسے لے لیجیے اور اگر کوئی اصل حقدار ہے تو اس کے حوالے کر دیجئے ۔ اگر مالک نہیں ملتا تو بیت المال میں رہے مگر جو حلال آمدنی ہے ۔ وہ کسی طرح لینا جائز نہیں دیکھیے یہ آئین تو ہم اس لیے بنا رہے ہیں کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو اطمینان دلائیں ۔ کہ تمہاری جان ، تمہارا مال ، تمہاری آبرو ، عصمتیں محفوظ ہوں گی ۔ تو جب اس آئین میں

ہم نے ایسی دفعات رکھیں ہیں۔ تو گویا آئین میں آیا کہ ہم لوگوں کو کاٹیں گے۔ تو اس طرح حفاظت کب ہو گی۔ اس کے علاوہ اگر آپ زمینیں بلا معاوضہ لینے کی دفعہ رکھیں گے تو جو مالک ہیں وہ پیداوار بڑھانے میں دلچسپی نہیں لیں گے۔ زمین پر محنت نہیں ہو گی اور جب زرعی آمدنی کم ہو گئی تو ملک کیسے چلے گا؟ پھر لازماً کارخانے اور صنعتیں بھی اس سے متاثر ہوں گی۔

صدر اور وزیر اعظم کا محاسبہ ضروری ہے

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ آئین میں یہ دفعہ بھی ہے کہ صدر کو اختیار حاصل ہے کہ کسی شخص کے متعلق اگر سزائے موت کا حکم ہوا ہے تو صدر اسے معاف کر سکتا ہے۔ تو میں حیران ہوں کہ ایک طرف تو صدر کو وزیر اعظم کا پرائیویٹ سیکرٹری بنا دیا گیا ہے۔ کوئی کام وزیر اعظم کی مرضی کے خلاف نہیں کر سکتا، بلکہ ہر معاملہ میں خاموشی سے دستخط کریگا اور دوسری طرف اسے اتنا اختیار دیا گیا ہے کہ خدائی حدود اور اختیارات کے مقابلے میں بھی صدر کی پوزیشن اتنی بڑھا دی گئی کہ خدا کا حکم ہے کہ (ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولوا الالباب کہ تمہیں قصاص سے زندگی ملیگی) خدا نے حکم دیا ہے کہ ایک شخص نے جرم کیا، قتل عمد کیا ہے۔ اس کو قتل کیا جائے۔ اگر کیا صدر مملکت خدا کے مقابلہ میں اتنا زور آور ہے کہ وہ کہے کہ میں معاف کر سکتا ہوں۔

مولانا مفتی محمود: مولانا! اور صدر کا یہ حکم بھی وزیر اعظم کے بغیر نہیں چلے گا۔

مولانا عبد الحق: پھر تو دونوں مجرم ہوئے۔

ڈاکٹر مبشر حسن: پوائنٹ آف آرڈر سر! جناب والا! مفتی صاحب دخل اندازی کر رہے ہیں اور فاضل مقرر کو تقریر نہیں کرنے دیتے۔ فاضل ممبر کو ہدایات دے رہے ہیں انہیں (مفتی صاحب کو) کہیں کہ ادھر منہ کر کے بیٹھیں۔

ڈپٹی سپیکر: اصل میں ہمارے علاقے کے دونوں بڑے علماء ہیں جن کا علم ٹکرا رہا ہے۔

مولانا عبد الحق: (تقریر جاری رکھ کر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جب مکہ معظمہ میں

حکومت قائم ہوئی تو ایک قریشیہ عورت جس کا نام فاطمہ تھا اور بنی مخزوم میں سے تھی اس نے چوری کی۔ چوری کا ثبوت ہو گیا۔ یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ کے پاس گئے کہ آپ سے سفارش کریں۔ تو انہوں نے کہا کہ بھائی ہم تو کچھ نہیں کر سکتے حضرت اسامہؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز تھے۔ انکے پاس جاؤ۔ وہ حضرت اسامہؓ کے پاس آئے اور انہوں نے جب حضورؐ سے سفارش کی تو حضورؐ نے بڑی ناراضگی سے فرمایا: (افی حد من حدود اللّٰہ) کہ تم خدا کی حدود میں سفارش کرتے ہو) اس میں تو مجھے بھی کوئی اختیار نہیں کہ تخفیف کروں اور پھر لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا: خدا نے تمہیں حکومت دی کہ عدل و انصاف قائم کرو۔ تو آج جب خاندان کا معاملہ آیا تو تم نے سفارشیں شروع کیں۔ دیکھو تم سے پہلی قوموں کو بھی حکومتیں ملیں تو انہوں نے یہ کیا کہ حدود اور قصاص کو غریبوں پر تو نافذ کر دیا، مگر اپنے خاندان اور شریفوں پر جاری نہ کیا تو وہ ہلاک ہو گئیں۔ فرمایا: میں تو کبھی ایسا نہیں کروں گا (یہاں ایک عجیب جملہ فرمایا جس میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے) فرمایا: یہ تو فاطمہ مخزومیہ ہے۔ ولوان فاطمۃ بنت محمد سرقت (اعاذہا اللّٰہ) لقطعت یدھا) فاطمہ بنت محمد میری بیٹی (جو "سیدۃ نساء اہل الجنۃ" ہے) خدا اس کی حفاظت کرے" اگر اس کے ہاتھ سے بھی خدانخواستہ چوری ہو جائے تو میں اس کے ہاتھ بھی کاٹ دوں۔ تو یہاں اسلام کے اندر امیر و غریب کا کوئی فرق نہیں۔ تو یہ بڑی متعجب بات ہے کہ وزیر اعظم اور صدر کو بمقابلہ حکم خداوندی لے آئیں جبکہ ہم نے طے کیا ہے کہ یہاں کوئی چیز اسلام کے خلاف نہیں ہوگی۔ ہاں ایک ہیں تعزیرات، حدود اور قصاص میں تو کسی کو اختیار نہیں پہنچتا۔ حضور فرماتے ہیں کہ میرا بھی اختیار نہیں ہے تو دنیا کے صدروں کو کیا اختیار ہوگا۔ البتہ تعزیرات کہ سیاستاً سزاؤں میں کمی بیشی کر دی جائے۔ فرض کیجیے کہ شراب نوشی کا دور دورہ ہو۔ ایک شخص بار بار حد قائم ہونے کے بعد بھی منع نہ ہو۔ چار پانچ دفعہ شراب پی لے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اسے قتل کر دو۔ یہ سیاستہً ہے، حداً نہیں۔ قاضی کو اس کا اختیار دیا گیا ہے۔ تعزیرات میں صدر تخفیف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، لیکن سزائے موت جو قصاص اور قتل کرنے کی صورت میں ہو تو مقتول کا خون ضائع کرکے صدر اسے ساقط نہیں کر سکتا۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں۔

آیندہ نسلیں کیا کہیں گی

الغرض آئین میں کچھ باتیں اچھی بھی ہیں ۔ لیکن اگر زیادہ تر اسلامی امور کا لحاظ نہ رکھا گیا تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکے گا۔ ہمیں چاہیے کہ آیندہ نسلوں کے لیے اسلامی آئین پیش کردیں کہ وہ یہ نہ کہیں کہ جس آئین کے لیے سات کروڑ مسلمانوں کو ہندوستان میں غلام بنایا گیا تھا ۔ جس آئین کے لیے پچیس سال پہلے ہزاروں افراد شہید ہوئے ۔ لاکھوں عصمتیں لٹیں پیپلز پارٹی نے اسے اپنی اکثریت اور تسلط کے زور سے مسترد نہ کیا ہوتا تو مسلمانوں کی قربانی کام آتی ۔ دوسری صورت میں آیندہ نسلوں کا کیا ردِ عمل ہوگا ؟

جناب والا ! میں نے تو پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مسئلہ نہ حزب اختلاف کا ہے نہ حزب اقتدار کا ، بلکہ ہم سب کا مشترکہ مسئلہ ہے ۔ تو اسے خلوص دل اور ایمانداری سے مرتب کریں کہ لوگ ہمیں دعائیں دیں اور خدا بھی خوش ہو اور یہ تب ہوگا کہ ایسی فضا پیدا کریں کہ چپقلش اور منافرت نہ رہے اور ہر شخص کو ٹھنڈے دل سے پوچھنے کا موقع ملے اگر پیپلز پارٹی یہ کہے کہ چونکہ ہم برسر اقتدار ہیں اور فلاں دفعہ کو منظور کرانا وقار کا سوال ہے ۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہم لوگوں کی اکثریت ہاں کہ کر اسے ہر حالت میں پاس کردے گی ۔ تو کیا یہ ظلم نہ ہوگا آئین پر ظلم نہیں کرنا چاہیے ۔ اس طرح ہم حزب اختلاف والوں کو بھی چاہیے کہ ہم اس نقطۂ نگاہ سے کام نہ لیں کہ یہ مسوّدہ چونکہ ہمارے ان بھائیوں نے پیش کیا ہے ۔ اس میں ضرور ہر جگہ کچھ نہ کچھ تنقید کرنی ہے ۔ جتوئی صاحب (عبدالحمید صاحب جتوئی) پیپلز پارٹی میں ہیں ، لیکن انھوں نے کتنی اچھی باتیں کہیں ۔ جو ان کی صوابدید میں درست تھیں یہی جذبہ سب ارکان کو اپنانا چاہیے ۔ ہم قوم کے مفاد ، افراد کے مفاد ، اسلام کے مفاد میں جو بھی بات ہوگی ہم اسکی ترمیمیں پیش کریں گے ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

باب ۲

مُسوّدۂ دستُور

(آئین سازی)

ترمیمات اور ترمیمات پر تشریحی تقریریں

ترتیب ادارۃ الحق
ضبط۔ نیشنل اسمبلی

دستور ساز اسمبلی

میں اسلامی ترمیمات پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی تقریریں

مسودہ دستور پر دفعہ وار بحث کے دوران شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نے اسلامی اور جمہوری ترامیم پیش کیں۔ ترامیم کی تحریک کرتے ہوئے آپ نے جو تقریریں ارشاد فرمائیں ان میں سے ہمیں میسر آچکی ہیں انھیں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اور ہر ترمیم و تحریک کا حوالہ بھی دیا گیا ہے

(اسمبلی کے مرتب کردہ ریکارڈ مباحثات اسمبلی سے)

سوشلزم کو معیشت کی بنیاد بنانے کے بارہ میں شیخ رشید کی ترمیم کی مخالفت [1]

صدر محترم! قائد ایوان شیخ رشید نے مسودہ آئین کی دفعہ ۱ کے بعد ایک نئی دفعہ بڑھانے کی ترمیم پیش کی ہے کہ پاکستان کی معیشت کی بنیاد سوشلزم پر ہوگی، میں اس کی شدید مخالفت کرتا ہوں۔ صدر محترم یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم ملک کو اسلامی آئین دینا چاہتے ہیں، الحمد للہ یہاں اسمبلی کے تمام ممبران یعنی قوم کے نمائندے مسلمان ہیں اس لیے ہمیں ایسی چیزوں سے بچنا چاہیے جس کو مملکت کے لوگ برا سمجھیں اور دنیا میں بھی رسوائی ہو ہم نے پہلے روز نظریہ پاکستان اور اسلام کا، اللہ کا نام لے کر حلف اٹھایا اور آئین میں یہ ذکر ہے کہ مملکت کا مذہب اسلام ہوگا اس لیے اسلام کے خلاف کوئی حکم نہیں ہونا چاہیے۔

---

[1] مباحث آئین ساز ۱۷ مارچ ۷۳ء ص ۱۰۳۲ تا ص ۱۰۳۴

اتنا عرض کروں گا کہ اسلام کا معاشی نظام نہ سرمایہ داری ہے اور نہ سوشلزم ہے۔
سرمایہ داری کا مقصد خود مختار ملکیت ہے جس میں خدا کے کسی قانون کے ساتھ متصادم ہے
اور سوشلزم سب دولت سمیٹ کر ایک فردِ واحد یعنی حکومت کے ہاتھ میں دینے کا نام ہے
ایک پارٹی سیاہ و سفید کی مالک ہوتی ہے۔

اسلام دونوں کا مخالف ہے یعنی نہ سرمایہ داری اور نہ سوشلزم ہو۔ اسلامی نظام
کی بدولت خلفائے راشدین اور بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ تھا
اسی طرح خلفائے راشدین بنوامیہ اور بنی عباس اور ہندوستان میں مسلمانوں کے آٹھ سوسالہ
حکومت کے دوران سوشلزم رائج نہ تھا بلکہ اسلامی نظام اور اسلام کا معاشی نظام ہی تھا۔ اور
ہر طرف خوشحالی کا دَور دورہ تھا۔ قوم نے ہمارے ساتھ امیدیں وابستہ کی ہیں باقی رہا سوشلزم
کے ساتھ اسلامی کی اصطلاح، تو یہ ایسا ہے جیسے پاک کنوئیں میں ایک قطرہ پیشاب ڈالا جائے
تو تمام کنواں پلید ہو جاتا ہے اور بالفرض تمام آئین اسلامی بھی ہو تو سوشلزم کے لفظ کے لگ
جانے سے جائز نہیں ہو جاتا۔ پھر یہ بھی اصطلاح شروع ہو جائے گی کہ اسلامی سود اسلامی
زنا کہ زنا حرام ہے، مگر اسلامی زنا جائز۔ سود حرام ہے، مگر اسلامی سود جائز

یہ ترمیم دفعہ ۲ کی ابطال کر رہی ہے۔ اگر ڈپٹی لیڈر شیخ محمد رشید لانا چاہتے ہیں، تو
لفظ اسلامی معاشیات لے آئیں۔

میں اس ترمیم کی مخالفت کرتا ہوں اگر یہ لایا گیا تو پورے ملک میں بدنامی ہو گی۔ خدا
کے لیے اس ملک کو اسلامی آئین ہی کے ذریعے بچائیے۔ اسلام کے معاملہ میں کسی کی رعایت
نہ کریں۔

بعد میں نسیم جہاں نے تقریر شروع کر کے سوشلزم کے حق میں الجزائر وغیرہ کے
حوالے دینے شروع کر دیے۔ مولانا عبدالحق نے پوائنٹ آف آرڈر پر کہا، ہم نے
معاشیات کی بنیاد قرآن و سنت پر رکھنی ہے، نہ کہ الجزائر یا دوسرے ملک کی تقلید پر۔

صدرِ دستوریہ: مولانا اب تشریف رکھیں۔ (۱۲ مارچ ۱۹۷۳ء)

انسدادِ غلامی سے متعلق ترمیم[1] ۱۳ مارچ ۱۹۷۳ء

دفعہ ۱۱ کا تعلق غلامی کے انسداد سے ہے۔ اس میں میری ترمیم ہے۔ مجھے اس دفعہ کے لانے سے تمام دن جو تکلیف تھی وہ آج صبح کی بحث سے رفع ہو گئی تھی۔ یعنی آج ایک ترمیم پیش ہوئی تھی کہ کسی شہری کو بلا کسی وجہ بتائے صرف الزام کی بنیاد پر نظر بند کیا جائے گا مگر آپ نے اس کی مخالفت کی اور دوٹوں سے ثابت کر دیا کہ کسی پاکستانی کو بھی وجہ بتائے صرف الزام ہی کی بناء پر جیل میں ڈالا جا سکتا ہے اور یہ دفعہ بغیر ترمیم کے پاس کر دی۔ تو آپ آزاد شہری کی آزادی سلب کرتے ہیں پھر صبح کے وقت یہ دفعہ بھی زیرِ بحث آئی کہ جو شخص بھی آئینِ پاکستان کی تنسیخ کرے گا وہ غدار ہوگا اور ایسے شخص کو سخت سزا دی جائے گی حالانکہ وہ بندوں کا بنایا ہوا قانون منسوخ ہے جو ملکی سالمیت کے خلاف بات کرتا ہے اس کو گرفتار کیا جائے گا۔ تو مجھے تعجب تھا کہ یہاں جب احرار کی آزادیاں سلب کی جا رہی ہیں تو کفار کی آزادی کو تو ضرور ختم کیا جا سکے گا۔ مگر ادھر تو مستحق شہریوں کی آزادی سلب کرنے کا راستہ نکالا ادھر غلاموں یعنی کافروں کی آزادی سے اتنی دلچسپی۔ ہمارے پاکستان میں کہیں غلامی نہیں نہ غلاموں کی خرید و فروخت ہے اور نہ رواج ہے۔ اس دفعہ کے لانے کی ضرورت ہی نہیں، مگر صرف مغربی تہذیب اور دساتیر کی بناء پر اس دفعہ کو لایا گیا سوائے اس کے کوئی ضرورت نہ تھی۔ حالانکہ جب مرض موجود نہیں تو ڈاکٹر کی کیا ضرورت۔ دیکھئے ہم سب مسلمان ہیں اور یہ تو ایک ایسی چیز جو اباحت کے درجے میں موجود ہے۔ جیسا کہ مفتی محمود صاحب نے بھی فرمایا یہ دفعہ اللہ کی اجازت پر حملہ ہے میں یہ نہیں کہتا کہ کسی کو ضرور غلام بنایا جائے۔ لیکن اس دفعہ سے براہِ راست خدا کے دیئے گئے اختیارات مجروح ہوتے ہیں۔

میں اتنا عرض کرتا ہوں غلامی کا معنی کیا ہے؟ آزادی سلب کرنا۔ اور اس کی دو صورتیں

---

[1] مباحث آئین ساز ص ۱۴۴ تا ص ۱۴۶ ۱۳ مارچ ۱۹۷۳ء، تقریر مباحث ۱۳ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۸۲ تا ص ۱۸۴

ہیں۔ایک تو یہ کہ کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر جیل کی کوٹھری میں بند کر دیا جائے۔ اور اس کی آزادی سلب کر دی جاتے اور کہا جائے کہ تم فلاں دفعہ کے مجرم ہو اس لیے تمہاری آزادی سلب کی جاتی ہے۔ اس طرح ہزاروں احرار پاکستانی جیلوں میں بند ہیں اور ان کو غلام مقید بنا یا گیا ہے۔ ان کے اختیارات سلب کر لیے گئے ہیں تو تمام عمران کی آزادی سلب کر لیتے ہیں۔ اس پہ تو ذرا شرم و عار نہیں جبکہ یہ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی نافرمانی کی سزا ہے تو اگر ایک شخص خدا کے قانون کا انکار کرتا ہے، منکر ہے، اور اس کے صلہ میں بالفرض اس کی آزادی سلب کر لی جاتے اور اسے غلام بنایا جائے۔ جو کہ اختیاری امر ہے تو کون سا جرم ہے یہ مغربی تہذیب کا پروپیگنڈہ ہے۔ ہم اس سے ڈرتے نہیں کہ ملک کے توڑنے والے کو قید کیا جائے۔ اور اگر اللہ ورسول کے منکر کو قید کیا گیا تو جرم قرار پائے۔ سیاسی نظر بندی اور سیاسی قید کے نام پر مغربی تہذیب جب غلامی کی مدعی ہے، اس سے ہم نہیں شرماتے، لیکن جب اسلام میں غلامی کا نام آیا ہے تو شرماتے ہیں۔ غلامی جو اسلام میں رہی اس کو اسلام نے ختم کرنا چاہا انجیل کو دیکھیے تورات کو دیکھئے اس طرح زمانہ جاہلیت میں غلامی کا دور دورہ تھا، خرید و فروخت اور کیا کیا مظالم جاری تھے۔ اسلام نے آکر اس کو ختم کر دیا اور انہیں اپنے برابر بنا دیا۔ ایک ہی واقعہ آپ سے عرض کرتا ہوں۔

حضرت امیرالمومنین فتح بیت المقدس کے موقعہ پر جب بیت المقدس داخل ہوئے تھے۔ امراء و حکام بے شمار لوگ استقبال کے لیے کھڑے تھے خود اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور غلام اونٹ پر سوار تھے۔ لوگوں نے پوچھا کونسا امیر ہے۔ بتایا کہ جو مہار پکڑے ہوتے ہے، کیونکہ اتفاق سے اس وقت غلام کے سوار ہونے کی باری تھی۔ لوگ دیکھ کر حیران ہوئے۔ عدلِ اسلامی کو دیکھ کر۔ یہ ہے اسلام کی غلامی کہ امیرالمومنین فاتحانہ حیثیت سے اس طرح داخل ہوئے۔

تو پہلے اس دفعہ کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر پھر بھی لانا تھی تو ہم چاہتے ہیں کہ اس طرح کہ خدا کا قانون منسوخ نہ ہو۔ اس کے لیے دو قید ضروری ہیں "شخص" کو "شہری" سے بدل دیا جائے دوسرے اس دفعہ کو شریعت کی دی ہوئی اجازتوں کے تابع بنا دیا جائے۔ ہم خدا کے حکم کو منسوخ نہیں کر سکتے۔ خدا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور غلامی تو اب ہے بھی نہیں اس لیے اس دفعہ کے لانے کی ضرورت کیا ہے اگر لائی گئی تو یہ خدا کے قانون پر حملہ ہے۔ اس لیے یہ دو الفاظ بڑھائے جائیں تاکہ خدا کے قانون پر حملہ نہ ہو۔

اسلامی ترامیم کو مسترد کرنیکے نقصانات، اوقاف زکوٰۃ کی تنظیم، اسلامی قانون سازی کی ضمانت[1]

۱۵ مارچ ۱۹۷۳ء

پالیسی کے رہنما اصول کے تحت دفعہ ۳۱ ذیلی فقرہ ۲ کی شق میں زکوٰۃ اوقاف اور مساجد کی مناسب تنظیم کا ذکر ہے میری ترمیم ۳۱۷ یہ ہے کہ یہ تنظیم اسلامی احکام اور شرعی قواعد کی تابع ہونا ضروری ہے۔

جناب محترم سپیکر صاحب حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایوان بہت ہی معزز ایوان اور منتخب اراکین پر مشتمل ہے یہ قوم کا خلاصہ ہے ہمارے ملک کے صدر محترم جناب ذوالفقار علی بھٹو اور جناب وزیر قانون پیرزادہ صاحب نے اپنے متعدد بیانات میں یہ کہا کہ جو ترامیم حزب اختلاف کی جانب سے پیش ہوں گی۔ اگر وہ معقول ہوں، اسلامی ہوں، ہم ان پر غور کریں گے تو اس امید اور جذبے کے ساتھ ہم یہاں حاضر ہوئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ملک کو ایسا آئین دینا ہے جس میں ملک کی سالمیت، اسلام کا تحفظ اور ملک کے باشندوں کے حقوق کی حفاظت ہو، مگر یہاں سب سے پہلے تو جب اسلام کی بات آتی ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ دفعہ ۲۲۷ کافی ہے۔ مزید ترامیم کی کیا ضرورت ہے اور یہ ٹھیک ہے کہ اس دفعہ میں یہ ذکر ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی نہیں ہوگی مگر ہمیں

---

[1] مباحث آئین ساز ص ۱۳۱۱ تا ص ۱۳۱۳، ۱۵ مارچ ۷۳ء

ہمیں جب اس کے مجوزہ طریق کار پر اطمینان نہیں ہے تو اس پر اکتفاء کیسے ہو سکتا ہے
ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اس کا فیصلہ آخر کیسے ہوگا کہ فلاں قانون کتاب و سنت کی خلاف ورزی
نہیں کر رہا۔ اس کی ضمانت کی صورت یہ اختیار کی گئی ہے کہ ایوان یا صدر یا گورنر اس قانون کو اسلامی
کونسل کے پاس بھیجے گا۔ وہ چاہے اس پر جلدی غور کرے یا نہ کرے۔ مگر حکومت اگر مفادِ
عامہ کے نام پر ضروری سمجھتی ہے تو قانون پہلے سے بنا سکتی ہے۔ پھر اگر کونسل نے مشورہ
دے بھی دیا کہ اسلام کے خلاف ہے تو ایوان اس کا پابند نہیں ہوگا بلکہ دوبارہ غور کرے گا
اس پر پابندی لازمی نہیں۔ پھر وہاں کونسل میں علماء کی اکثریت کا امکان نہیں اور ایوان کی اکثریت
اگر نہ چاہے تو کونسل میں پہنچ ہی نہیں سکتا۔ تو اس طریق کار کے ہوتے ہوئے ہم کس طرح
مطمئن ہو سکتے ہیں کہ قانون سازی کتاب و سنت کے مطابق ہوگی۔ اس خدشے کی بناء پر
ہم جہاں جہاں بھی کوئی ایسی بات آتی ہے کہ اسلام کا تحفظ ضروری معلوم ہوتا ہے ہم
ترامیم پیش کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر اسلام کا تحفظ کرانا چاہتے ہیں۔ اور جب سرکاری
مذہب اسلام ہے تو یہاں ہر چیز کے ساتھ اسلام کی قید کیوں نہ لگائی جائے۔

یہاں بھی میری ترمیم اس قسم کی ہے کہ زکوٰۃ اوقاف اور مساجد کا نظم شریعت کے
تابع احکام اور قواعد کے مطابق ہونا چاہیے۔ جن مساجد اور اوقاف کے نظم و نسق حکومت
کے ہاتھ میں ہے۔ وہاں ایک ایک بلب کے لیے درخواستیں دی جاتی ہیں۔ مگر مسجدوں
کی حالت ویران ہو جاتی ہے۔ اسلام میں اوقاف کا مستقل قانون اور نظام ہے۔ مگر مسجد
پر وقف کی گئی اموال مسجد ہی پر خرچ ہوں گی۔ تعلیم کے لیے وقف اموال تعلیم ہی پر خرچ
کی جائیں گی۔ ہسپتالوں یا دیگر رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی یہی اصول ہوگا۔ یعنی واقف
کی نیت کے مطابق اسی مصرف پر اوقاف صرف ہوں گے۔ یہ نہیں کہ اوقاف کی آمدنی لے
کر اسے امریکہ اور برطانیہ کے تعلیمی وظائف پر خرچ کر دیا جائے یا اسے ثقافتی امور پر
لگا دیا جائے، اور ہسپتالوں اور دینی اداروں کی حالت یہ ہے کہ کوڑی کوڑی کے لیے ترستے

ہیں۔ اس لیے یہاں شرعی قواعد کے مطابق الفاظ بڑھانے ضروری ہیں امید ہے اتنی سی بات سے ایوان ناراض نہیں ہوگا اور اسے منظور کر لیا جائے گا۔

دیکھئے قوم آئین چاہتی ہے۔ اور ہمیں وہ آئین بنانا چاہیے جو قوم کی امنگوں کے مطابق ہو ورنہ مجھے ڈر ہے کہ خدانخواستہ ہم موردِ عذاب بن جائیں گے۔

ہماری ایسی ترمیمات، آئین سازی میں روڑے اٹکانا نہیں بلکہ بعض دفعات کے کچھ اجزاء کو بڑھانا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ ایسا آئین تیار ہو جو سب کے نزدیک مسلّم ہو اور اگر اس میں کچھ وقت زیادہ بھی گذر جائے تو حرج نہیں کیونکہ جب ۲۶ برس تک ملک بے آئین رہا تو مہینہ دو مہینہ غور و فکر اور باہمی مفاہمت کے لیے بڑھ بھی جائے تو کیا حرج ہے۔

افسوس کہ ہم مغربی جمہوریت کے ہاتھوں بے بس اور مجبور ہیں کہ نہ دفعہ کا مطلب اور مقصد معلوم ہوتا ہے نہ اس کی اہمیت اور ضرورت کا احساس حالانکہ ایک ترمیم کے ساتھ ایوان کے اس سلوک سے آئندہ قوم پر کیا کچھ گذرے گی۔ ہم آنکھیں بند کر کے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں تو گویا ہم نے قوم کو چھری سے ذبح کر دیا۔ ایک ایک دفعہ ۸ کروڑ مسلمانوں کے لیے ہم بنا رہے ہیں اگر کسی دفعہ میں مذہب، مال و جان اور قوم کی جائداد کے تحفظ کے لیے کوئی ترمیم آتی ہے۔ آپ اسے بغیر سمجھے مسترد کر دیتے ہیں تو لاکھوں کروڑوں آدمی اس کی زد میں آجاتے ہیں۔ اس لیے ایک ایک دفعہ کو پورے غور سے سمجھئے اسے اسلام کے مطابق بنائیے پھر اس پر سوچ سمجھ کر رائے دیں اس میں نہ حزب اختلاف کی بات ہے نہ حزب اقتدار کی۔ سپیکر صاحب ہم سب کے لیے قابل احترام ہیں ان سے بھی یہی اپیل ہے صدر صاحب سے بھی اور پیرزادہ صاحب سے بھی جنھوں نے فرمایا ہے کہ ہم معقول ترامیم مانیں گے۔

سماجی، معاشی اور اخلاقی اصلاح، معروفات کا فروغ، منکرات کو مٹانا حکومت کا فریضہ ہے[1]

میں نے پالیسی کے رہنما اصول میں کئی ترمیمات پیش کی ہیں، ترمیم ۱۳۳۱ یہ ہے کہ انصاف کے فروغ اور سماجی برائیوں کے خاتمہ کے لیے دفعہ ۳۹ کے ابتدائی الفاظ مملکت کوشش کرے گی کی بجائے یہ ہونا چاہیے کہ مقتضیات اسلام کے مطابق مملکت کے لیے لازم ہوگا کہ ـــ الخ

دفعہ ۳۹ بہت سے الفاظ پر مشتمل ہے جو تمام ملک اور تمام قوم کی بھلائی کے لیے ضروری ہیں۔ اس لیے پہلا لفظ کہ مملکت کوشش کرے گی کو تبدیل کرنا ضروری ہے اس لیے کہ کوشش تو آج تک جاری ہے۔ انگریزوں کے دور میں بھی تمام مسلمان خصوصاً علماء کوشش کر رہے ہیں اور الحمدللہ کہ علماء کے ان مساعی کی وجہ سے کم از کم عقیدہ کے لحاظ سے تو مسلمان ان چیزوں۔ (مثلاً عصمت فروشی، قمار، فحاشی، شراب وغیرہ) کو برا سمجھتے ہیں اور اب یہ ایک اسلامی اور فلاحی مملکت ہے تو جن چیزوں کے لیے ملک کے قیام سے پہلے صرف کوششوں پر اکتفا کیا جا رہا تھا۔ اب حکومت اور اقتدار کے بعد بھی اگر کوششوں ہی پر دار و مدار کیا جائے تو غلامی اور دورِ حکومت میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ ہمارے پاس جب فوج ہے پولیس ہے قانون ہے عدالتیں ہیں جو چاہے سزا دے سکتے ہیں۔ اگر صدر ایک آرڈی ننس جاری کر دے تو منٹوں میں سارا ملک اس کی تعمیل کرتا ہے۔ تو میری گزارش ہے کہ کوشش پر اکتفا نہ کیا جائے کوشش تو جتنے مسلمان ہیں اپنی حد تک برائیوں کے خلاف کرتے ہیں۔ وہ کون مسلمان ہوگا جو یہ نہ سمجھے گا کہ جوا، زنا قتل شراب نوشی مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ

---

[1] مباحث آئین ساز ۱۵ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۳۶۷ تا ص ۱۳۷۰

اس طرح انصاف اور لوگوں کو ان کے حقوق پہنچانے کی کوششیں بھی انفرادی ہوتی ہیں۔ اور الحمدللہ کہ وہ کوششیں جو منبر و محراب پر ہو رہی ہیں کسی نہ کسی درجے میں کامیاب ہو رہی ہیں۔ ورنہ پاکستان ہی نہ بنتا۔ ہمیں پاکستان اسی اسلامی نظریے کی وجہ سے ہی ملا اور اگر اب بھی وہی حالت ہو کہ غلامی کے دور میں بھی صرف کوشش پر کفایت تھی اب بھی یہی حالت ہو تو یہ کسی اسلامی حکومت کی شان نہیں۔ اسلامی حکومت کے بارہ میں خدا کا ارشاد ہے۔ الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر۔

تو حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ان باتوں کے لیے اپنی طاقت بھی استعمال کرے اور جو کچھ ان دفعات میں ذکر ہے ان کی ضمانت دے اس لیے میں نے دوسری ترمیم ۳۴۵ یہ پیش کی ہے کہ مسودہ آئین کی دفعہ ۳۹ کے پیرا (ج) کی بجائے حسب ذیل درج کیا جائے کہ (یوم آغاز کے فوراً بعد) عصمت فروشی، قمار بازی اور مفرادویات کے استعمال فحش ادب اور اشتہارات کی طباعت نشر و اشاعت اور نمائش کی مکمل روک تھام کرے۔

اسی طرح ترمیم ۳۵۰ ہے کہ یوم آغاز کے فوراً بعد نشہ آور مشروبات کے استعمال کو مکمل طور پر بند کر دے۔

اس لیے حکومت اس بات کی ضمانت دے کہ جو کچھ ان دفعات میں ذکر ہے اس کا نفاذ دستور نافذ ہونے کے فوراً بعد ہوگا۔ صرف کوشش تو ہم بھی کرتے ہیں عوام بھی کرتے ہیں۔ مگر ہمارے پاس طاقت نہیں۔ حکومت کو اپنے اوپر یہ لازم کر لینا چاہیے تا کہ دنیا کو معلوم ہو کہ اسلامی حکومت کیسا بہتر ماحول پیدا کرتی ہے۔ اس لیے وزیر قانون اور حکومت سے ضمانت دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

میری تیسری ترمیم ۳۵۵ یہ ہے کہ دفعہ ۳۹ میں حسب ذیل نئی دفعات

شامل کی جائیں یعنی

(ج) ملک میں مروجہ نظام و نصابِ تعلیم کے ہر شعبہ کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرے۔

(د) قومی اور علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ عربی زبان کو مسلمانوں کی مشترک دینی زبان کی حیثیت سے فروغ دے۔

(ڈ) تمام معروفات کو فروغ دے اور تمام منکرات کو مٹائے۔

محترم سپیکر صاحب حقیقت یہ ہے کہ ۲۶ برس ہوئے کہ انگریز جا چکا ہے مگر مغربی تہذیب مغربی تمدن انگریزی طور طریقے سب اس ملک میں اسی طرح موجود ہیں۔ یہ ساری برکت اس نظامِ تعلیم کی ہے جو انگریزوں نے ہم پر مسلّط کیا۔ اس کی وجہ سے ذہنیت بدل چکی ہے تعلیم سے ذہن بنتا ہے تو وہی ذہنیتیں بنتی ہیں جو انگریزی نصاب کی وجہ سے ہمیں ملتا ہے۔ اس لیے نصاب تعلیم اور نظامِ تعلیم کے ہر شعبے کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کیا جائے۔

دوسری بات عربی کے فروغ کی ہے آج بھی ہم پر ہزاروں میل دور ایک عیسائی اور انگریز قوم کی زبان انگریزی مسلّط ہے جس نے ہمیں غاصبانہ طریقے سے غلام بنائے رکھا۔ ہمارے دین، اخلاق تمدّن کو تباہ کر دیا۔ تو عربی جو خدا کی وحی کی زبان ہے۔ رسولؐ کی زبان ہے، اور کروڑوں مسلمان بھائیوں کی زبان ہے۔ اس کے فروغ کا ذمہ لینا بھی ضروری ہے۔

اسی طرح تیسری بات یہ ہے کہ تمام معروفات کو فروغ دیا جائے اور تمام منکرات کو مٹایا جائے یہ بھی اسلامی حکومت کا فریضہ ہوتا ہے۔

محترم سپیکر صاحب! یہاں دفعہ ۳۹ میں ایک بات یہ بھی ہے کہ بچوں اور عورتوں کو ایسے پیشوں پر مامور نہ کیا جاوے جو ان کی عمر یا جنس کے لیے نامناسب ہوں۔ تو اس

سے ہماری ان ترمیمات کی تائید ہوتی ہے، جو ہم نے دفعہ ۳۶ میں پیش کی تھیں جہاں کہا گیا ہے کہ قومی زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی مکمل شمولیت یقینی بنائی جائے گی۔ تو یہ ایک واضح تناقض ہے اور اس دفعہ ۳۹ سے ہماری تائید ہو گئی وہاں تو تمام شعبوں میں عورتوں کو مکمل مساویانہ حیثیت دی گئی اور یہاں یہ کہا گیا کہ بچوں اور عورتوں کو بعض ایسے پیشوں پہ مامور نہ کیا جاوے گا۔ تو اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ بعض شعبے ایسے بھی ہیں جو عورتوں کے لیے مناسب نہیں۔ تو عورتوں کو کلی طور پر مساویانہ حصہ دینا فطرت سے مقابلہ ہے اگر ایسا رہا تو کل مرد بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم مہر دیتے ہیں، نان و نفقہ دیتے ہیں عورتیں بھی اس میں مساوی شریک ہو جائیں اور عورتیں ہمیں ایک سال نان و نفقہ دیں مہر دیں اور عورتیں آگے چل کر کہیں کہ مرد بھی بچے جننے میں ہمارے ساتھ شریک ہوں تو اس لیے یہ تناقض رفع کیا جائے اور وہ اس طرح کہ دفعہ ۳۶ کی دی گئی کلی مساوات ختم کی جائے فرق مراتب ہر لحاظ سے ضروری ہے۔ (۱۵ مارچ ۱۹۷۳ء)

اقتصادیات کو غیر سودی بنیادوں پر اسلامی اصولوں کے مطابق تبدیل کیا جائے[1]

جناب سپیکر صاحب! پالیسی کے رہنما اصولوں کی دفعہ ۴۰ کے پیراگراف (ش) میں ہے کہ مملکت کوشش کرے گی کہ ربا کو جتنی جلد ممکن ہو ختم کرے۔

میری ترمیم یہ ہے کہ مقتضیات اسلام کے مطابق مملکت کو لازم ہو گا کہ (ش) ربا کو زائد سے زائد تین سال میں ختم کرے اور اس کے لیے ماہرین شریعت و اقتصادیات کی ایک کمیٹی ترتیب دے جو موجودہ بنکنگ سسٹم کو غیر سودی بنیادوں پر اسلامی اصول کے مطابق تبدیل کر دے۔

موجودہ حکومت عوامی حکومت ہے اکتناز دولت اور ہر قسم کے استحصال کو روکنا چاہتی ہے۔ ایک دن بھی سودی نظام ہو تو اکتناز دولت اور ظالمانہ سرمایہ داری کا سسٹم

---

[1] مباحث آئین ساز ۱۵ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۴۰۶ تا ۱۴۰۷

ختم نہیں ہوگا جسے ہم ختم کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ خدا کی طرف سے اعلان ہے کہ جہاں پر سود کا معاملہ ہوگا خدا کی طرف سے وہاں اعلان جنگ ہے۔ ہم سب پاکستان کی سالمیت اور بقاء چاہتے ہیں۔ اپنی حفاظت چاہتے ہیں خدا ہمیں اپنی حفاظت اور سلامتی میں رکھے۔ خدا کے مقابلہ کی طاقت کس میں ہے؟ سودی نظام نہ بدلا گیا تو خدا کی طرف سے عذاب کا خطرہ رہے گا۔ جلد از جلد ختم کرنے کا لفظ تو ہے۔ لیکن ختم کرنے کی مدت متعیّن ہونی چاہیے اور تین سال میں ہم ایک ماہر کمیٹی کی نگرانی میں سودی سسٹم ختم کرسکتے ہیں اور اس لعنت سے نجات پاسکتے ہیں۔ (۵ ارمارچ ۱۹۷۳ء)

صدر مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے

دفعہ ۴۲[1] میں مولانا عبدالحق کی ترمیم ۱۴۴ یہ تھی کہ صدر کم از کم چالیس سال کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے۔ اس پر آپ نے تقریر فرماتے ہوئے کہا:

صدر محترم! میں اپنی ان ترمیموں پر مختصراً عرض کروں گا۔ یہ اسلامی مملکت ہے، خدا کرے کہ یہ مکمل اسلامی بن جائے۔ اسلامی مملکت کے معنی یہ ہیں کہ جس کا نظام ملکی اور ملّی اور بیرونی سب کا سب شریعت کے مطابق ہو۔ پیغمبر اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے اور پیغمبر کا نائب خلیفہ یا امیر ہوتا ہے تو امیر تمام ملک کا گویا نگران ہے۔ فوج کا وہی نگران ہوگا اور اس طریقہ سے آئین کا بھی وہی نگران ہوگا اور ملک کے اندرونی فتنہ و فساد دور کرنے کے لیے بھی وہی ذمہ دار ہوگا تو امیر کی ایک مرکزی حیثیت سے ملک اور بیرون ملک معاہدات کرانا، صلح کرانا یا کسی کے ساتھ شرائط طے کرنا وغیرہ امور میں اسلامی قوانین کے تحت اور اسلامی نظامِ شریعت کے تحت اس کو تمام کاموں کی نگرانی کرنا پڑتی ہے اس لیے ------ یہاں اس ترمیم میں میں نے ایک قید یہ لگادی ہے کہ وہ ۴۵ سال کی بجائے کم از کم چالیس سال کا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے جو چالیس سال کی قید لگادی ہے وہ

---

[1] مباحث آئین ساز ۱۶ رمارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ تا ۱۴۱۷ نیز تقریر کے لیے ص ۱۴۲۳ تا ص ۱۴۲۵

اس لیے کہ پیغمبروں کو نبوت بھی چالیس سال میں ہی ملی ہے۔ بچپن کے زمانے میں کھانے پینے کا شوق ہوتا ہے۔ جوانی میں غصے کا غلبہ ہوتا ہے۔ چالیس سال کا عرصہ ایسا ہے کہ جس میں وہ تجربہ کار اور پختہ عقل متحمل مزاج اور مدبّر ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں جبکہ انبیاء علیہم السلام کو ۴۰ سال میں نبوت ملی تو جو اس کا قائم مقام ہو اس کے لیے بھی ۴۰ سال ہی کافی ہیں۔ ۴۵ سال کی قید لگانا مناسب نہیں تاکہ جو لوگ اس کے اہل ہیں وہ انتخاب بھی لڑ سکیں۔

ترمیم کی دوسری قید کے بارہ میں عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ صدر مملکت مسلمان مرد ہو مسلمان کی قید ضروری ہے اس لیے کہ جب ملک اسلامی ہے تو اسلامی ملک میں اسلامی شریعت کا نافذ کرنے والا، اسلامی قوانین کا نافذ کرنے والا، اسلامی قوانین کو جاری کرنے والا صدر وہ شخص ہونا چاہیے جو ان قوانین پر ایمان رکھتا ہو اور اگر وہ اس پر عقیدہ نہ رکھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ یہ چیزیں نعوذ باللہ صحیح نہیں ہیں تو وہ پیغمبر کا جانشین کیسے ہو سکتا ہے اور ان چیزوں کا نفاذ کیسے کر سکتا ہے اور مسلمان تب ہی ہو گا۔ جب ان چیزوں کو صحیح جانے اور صحیح جاننے کے بعد پھر ان کو نافذ کرے ایک چیز اور باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ امیر مملکت ایسا شخص ہو گا جو مرکز شجاعت ہو جو کہ بھارت کا مقابلہ کر سکے جو کہ دوسرے موقعوں پر کافروں کا مقابلہ کر سکے لاکھوں فوجیوں کو داد شجاعت دے سکے مورچوں پر بھی موقع پر جا سکے تو وہ شخص ظاہر بات ہے کہ صنفِ نازک سے نہیں ہو سکتا بلکہ مرد میں یہ صلاحیتیں پائی جا سکتی ہیں۔

مسٹر سپیکر: مولانا یہ ترمیم نہیں ہے۔

مولانا عبدالحق: تو ظاہر بات ہے کہ مرکز شجاعت خدا نے مردوں کو بنایا ہے کل ایک محترمہ نے تجویز پیش کی ہے کہ خواتین کے لیے ہر شعبہ میں حصہ ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ افواج میں بھی تو میں کہتا ہوں آج ہماری ۹۳ ہزار فوج کافروں کے قبضہ میں ہے خدانخواستہ

اگر یہ عورتیں ہوتیں تو آج ایسی فوج کا کیا حشر ہوتا اور ہمارے لیے کتنی بدنامی ہوتی ہمارے لیے دنیا میں رہنے کی صورت ہی نہ ہوتی۔ یہاں میں آپ کے سامنے ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ کسریٰ کی بیٹی جب تخت نشین ہوئی اور آنحضرت کو یہ بتایا گیا تو انہوں نے فرمایا لن یفلح قوم ملکھم امراۃ (ہرگز نجات نہیں پا سکتی وہ قوم جس کی بادشاہ ایک عورت ہو) چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کو شکست ہوئی، برطانیہ کی حکومت اتنی عظیم تھی کہ جس میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا، مگر جب سے ملکہ وکٹوریہ اور الزبتھ تخت نشین ہوئی تو سلطنت پر زوال آنے لگا اور بالآخر وہ ایک جزیرہ میں محصور ہو کر رہ گئی تو خدا نے مردوں کو جو شجاعت دی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ وہ صنفِ نازک کو عطا نہیں ہوئی اور وہ کسی طرح بھی ان ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ (۱۶ مارچ ۱۹۷۳ء)

صدر اور[1] وزیر اعظم کے اختیارات

مسودہ آئین کی دفعہ ۱۹ کی شق کے آخر میں آپ نے اپنی ترمیم ۵۰۸ میں کہا تھا کہ (الا یہ کہ صدر آئین کے احکام کے سلسلہ میں وزیر اعظم سے محاسبہ کر سکے گا) اس پر تقریر کرتے ہوتے آپ نے کہا

صدر محترم! میں نے جو ترمیم پیش کی ہے اصل میں دو شخصیات ہیں۔ ایک ہے وزیر اعظم اور ایک ہے صدر، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ان پابندیوں کے لگانے سے یہ فائدہ ہوا کہ صدر ڈکٹیٹر نہیں بنے گا۔

تو اس وقت یہ بات تو ہوئی کہ صدر ڈکٹیٹر نہیں بنے گا اس لیے کہ جو کچھ وزیر اعظم فرمائیں گے اس کے مطابق اسے عمل کرنا ہے۔ مگر الفاظ جو استعمال کیے گئے ہیں مشورہ کے، تو ایک ہے سفارش اور ایک ہے حکم۔ مشورے کے متعلق عام کتابوں میں لکھا ہے کہ مشورہ کی پابندی لازمی نہیں ہوتی۔ سفارش کی تعمیل ضروری نہیں ہوتی میرے خیال میں یہ جو ایک

---

[1] مباحث آئین ساز [illegible] ۱۱ مارچ ۱۹۷۳ء تقریر کے لیے [illegible]

لفظ کا جھگڑا ہے تو بجائے مشورہ کے اگر یہ کر دیں کہ وزیر اعظم کے احکام کا تابع ہوتا کہ
ہم پر کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ مشورہ بھی اور پابندی بھی یہ اجتماع ضدین ہے تو عرض یہ کرنا
ہے کہ براہِ مملکت ڈکٹیٹر نہیں بن سکے گا، لیکن اس کو اگر ہم وزیر اعظم کے ہر مشورے کا پابند
بنائیں گے تو اس میں ضروری بات ہے کہ وزیر اعظم جو ایک پارٹی کا منتخب کیا ہوگا، اور
اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ وزیر اعظم بہت ہی اچھے اخلاق اور کردار کا ہوگا، لیکن لازماً اور
طبعاً وہ اپنی پارٹی کے مفاد کا محافظ اور اس کی بہبود اور ترقی و استحکام کے لیے کوشاں ہوگا
اب اگر صدر سربراہ مملکت غیر جانبدار ہو اور اسے چاہیے کہ تمام مملکت کی نگرانی کرے
اور تمام آئین کی نگرانی کرے تو اگر ہم صدر مملکت کو وزیر اعظم کے ہر مشورے کا پابند بنائیں
گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ملک میں جو دو عہدے ہیں وزیر اعظم اور صدر مملکت دونوں
ایک پارٹی کے حقوق کے محافظ ہوں گے اور ملک کے جو دوسرے باشندے ہیں ان
کے حقوق تلف ہو جائیں گے۔ صدر غیر جانبدار ہونا چاہیے، عہدۂ صدارت کے لیے
اتنے اختیارات صبح دے دیے ہیں کہ وہ ہر قسم کی سزاؤں میں تخفیف کر سکتا ہے
یہاں تک کہ حدود و قصاص میں بھی۔ اور ہماری تمام ترمیمیں اس سلسلے میں مسترد ہو گئی
ہیں اس لیے کہ اس کی صدر کی حیثیت باقی رہے تو جب وہ ہم دیتے ہیں باوجود اس کے
کہ دوسرے ملکوں میں صدر کو یہ اختیارات اس لیے دیئے گئے ہیں کہ غیر مسلم ممالک کا اپنا
آئین ہے اور صدر کو اختیار ہے کہ وہ اپنے اس قانون کے مطابق عمل کرے، لیکن ہمارا
ملک اسلامی ہے۔ ہمارا آئین اسلامی ہے۔ یہاں بالادستی خدا اور خدا کے رسول کو ہے
تو صدر کو اس میں ہم اختیارات دیتے ہیں، لیکن اتنے اختیارات کہ خدا اور رسول کے
احکام کو بھی بدل دیں۔ یہ نہیں ہو سکتا، مگر بطور طاقت و اکثریت کے وہ دفعہ تو منظور ہو
گئی لیکن یہاں پر ہم اس کو اس قدر پابند بناتے ہیں کہ وہ وزیر اعظم کے ہر مشورے کا
پابند ہوگا، یہ کیسا تضاد ہے، اتنی غرض ہے میری ترمیم کی کہ چونکہ صدر جو ہے وہ آئین

کا محافظ ہے، وزیر اعظم اگر آئین کی خلاف ورزی کرے تو کم از کم صدر کو آئین کے تحفظ کی خاطر وزیر اعظم سے پوچھنا چاہیے تاکہ یہ کہا جائے کہ اب اگر پارٹی کا وزیر اعظم پارٹی کے مفاد کا محافظ ہے تو ہم یہ اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ تمام ملک کے حقوق کا محافظ صدر مملکت ہے جو کسی سیاسی پارٹی سے وابستہ نہیں ہوگا کہ اس کو وہ اختیارات دے دیئے گئے ہیں کہ جو آئین کی نگرانی کی خاطر وزیر اعظم پر کچھ پابندی لگا سکتا ہے۔ باقی دوسری بات کہ وزیر اعظم کا دستخط صدر کے ہر حکم پر ضروری ہے تو صدر کو حاصل حقوق کی بناء پر اسے بھی حذف کیا جائے۔ (۱۹ مارچ ۱۹۷۳ء)

دین سے انحراف اور اعتقادی خرابی کی وجہ سے بھی صدر کو برطرف کرنا چاہیے[1]

مولانا عبدالحق: جناب والا! صدر کا عہدہ بڑا اہم ہوتا ہے وہ تمام ملک کا ذمہ دار اور نگران ہوتا ہے۔ اس میں جب یہ کہا گیا ہے کہ جسمانی یا دماغی نااہلیت کی بناء پر اسے الگ کیا جا سکتا ہے۔ تو میری گذارش یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک لفظ اعتقادی خرابی بھی آجائے اور صدر کے حلف اُٹھانے میں جن اعتقادات کا ذکر ہے ان اعتقادات کو چھوڑ دینے کی صورت میں بھی اسے الگ کیا جانا چاہیے، گویا اس صورت میں بھی اس کو مستعفی ہونا پڑے گا یا اسے نااہل قرار دیا جائے گا۔ تو جسمانی و دماغی بیماریوں کے علاوہ اگر اعتقادی امور حلف نامہ میں موجود ہیں۔ اس کے خلاف اگر کوئی باتیں پائی جائیں تو اس کو الگ کر دیا جائے گا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی: حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے جو ترمیم فرمائی ہے۔

مسٹر سپیکر: تقریر فرمائی ہے، ترمیم کوئی نہیں ہے۔ (حالانکہ یہ ترمیم ۴۸۴ تھی)

مولانا غلام غوث ہزاروی: انھوں نے جو تقریر فرمائی ہے کہ صدر کے لیے جہاں اور شرائط ہیں وہاں اعتقادی خرابی کی بھی شرط لگا دینی چاہیے تو میں اس کی تائید کرتا ہوں،

---

[1] مباحث آئین ساز ۱۹ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۴۹۶

عرض یہ ہے کہ جب صدر کے منصب کے لیے اس کو صدر بنانے کے لیے جس حلف کی ضرورت ہے۔ اس حلف میں جو باتیں ہیں اس سے جب وہ مکر جائے اگر وہ غلطی کر جاتا ہے۔ اسلامی اعتقادات کے خلاف کرتا ہے تو اس حلف کا فائدہ کیا ہوا اس کے علاوہ مسلمان کی شرط کا کیا ایسا ہی اصول ہے۔ اب میری عرض ہے کہ نااہلیت کے لیے جب چند اور چیزیں مثلاً جسمانی دماغی خرابی ہیں اسی طرح اعتقادی خرابی جو حلف میں مذکور ہے اس کے خلاف کوئی عام بات اور نہیں کرتا جو حلف میں مذکور ہے جو شرائط صدر میں داخل ہے اگر اس کی خلاف ورزی ہو تو اس میں وہ بھی شامل ہونا چاہیے۔

مولانا عبدالحق کی یہ تقریر ان کی ترمیم نمبر ۴۸۵ پر تھی جس میں دفعہ ۵۰ کی شق میں ترمیم پیش کی گئی تھی کہ جسمانی دماغی نااہلیت کے علاوہ حلف میں دیئے گئے معتقدات بدل دینے یا نظریۂ پاکستان اسلام کی مخالفت میں شہرت پا لینے پر بھی برطرف کیا جا سکے گا۔

(۱۹ مارچ ۱۹۷۳ء)

سینٹ کا چیئرمین قومی اسمبلی کے سپیکر کا مسلمان ہونا ضروری ہے[1]

دفعہ نمبر ۵۲ میں صدر کی برطرفی یا وفات کی صورت میں سینٹ کے چیئرمین یا سپیکر کا بطور قائم مقام صدر کے کام کرنے کا ذکر ہے۔ مولانا عبدالحق مدظلہ کی ترمیم نمبر ۵۲۸ میں کہا گیا تھا کہ اس صورت میں دونوں عہدوں کو مسلمان ہونے سے مشروط کیا جائے۔ اس پر آپ نے تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

میری ترمیم اس دفعہ میں یہ ہے کہ صدر کا عہدہ جبکہ صدر وفات پائے یا مستعفی ہو یا برطرفی کی وجہ سے خالی ہو جائے تو اس کی جگہ پر قومی اسمبلی کا سپیکر یا چیئرمین اس کا قائم مقام ہوگا۔ اس میں ترمیم اس قدر ہے کہ اگر صدر کا عہدہ صدر کی وفات، استعفیٰ یا برطرفی کی وجہ سے خالی ہو جاتا ہے۔ یا وہ صدر کے عہدے کے فرائض انجام دینے سے قاصر ہے تو قومی اسمبلی

---

[1] مباحث آئین ساز ص ۸۸ ۱۹ مارچ ۱۹۷۳ء تقریر کے لئے مباحث ۱۹ مارچ ص ۱۵۲۲

کے سپیکر کا مسلمان ہونا ضروری ہوگا تاکہ وہ قائم مقام صدر ہو سکے۔

جنابِ والا! اس میں صرف اتنی عرض ہے کہ صدر کا عہدہ چونکہ بہت ہی اونچا عہدہ ہوتا ہے وہ سربراہِ مملکت ہے تو اس کے لیے جبکہ ملک بھی اسلامی ہے آئین بھی اسلامی ہے اور اس سے پہلے یہ بات منظور ہو چکی ہے کہ صدر جو ہوگا وہ مسلمان ہوگا۔ اب چونکہ صدر کی غیر موجودگی یا مستعفی ہونے کی صورت میں چیئرمین یا سپیکر قومی اسمبلی اس کا قائم مقام ہوگا تو ظاہر بات ہے کہ یہ اس عرصہ میں صدارت کے فرائض انجام دے گا۔ اب جس طریقے سے صدر کے لیے اس آئین میں مسلمان ہونے کی شرط ہے، اسی طریقے سے چیئرمین کے لیے بھی اور سپیکر قومی اسمبلی کے لیے بھی مسلمان ہونا شرط ہے کیونکہ وہ تو وہی احکام جاری کرے گا وہی کام کرے گا۔ جو صدر کرتا ہے تو اس کے ساتھ لفظ "مسلمان" بڑھایا جائے۔ ۱۹۵۶ء میں یہ چیز یعنی مسلمان ہونے کی قید نہیں تھی اس وقت کی حکومت نے یہ کہا کہ ہمیں یہ منظور نہیں ہے کہ جب تک کہ سپیکر جو قائم مقام صدر ہے کسی وقت چیئرمین جو صدر بن جاتا ہے۔ جیسے صدر کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔ اسی طریقے سے سپیکر اور چیئرمین کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

جناب سپیکر : مولانا صاحب! میں آپ کو یہ مشورہ دوں گا کہ جب وہ آرٹیکل سپیکر کے متعلق اور چیئرمین سینٹ کے متعلق آئے گا تو اس میں آپ ترمیم دیں کہ وہ مسلمان ہونا چاہیے۔ اس کا اطلاق ادھر خود بخود ہو جائے گا اور اس موقع پر جو ترمیم آپ نے دی ہے وہ گر جائے گی اور اس وقت آپ کچھ نہیں کہہ سکیں گے آپ یہ سوچ لیں۔

جناب خورشید حسن میر : اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر غیر مسلم بھی سپیکر ہو تو وہ ایکٹنگ صدر ہو پہلے وہ مسلمان ہو جائے۔ اسی طرح سینٹ کا چیئرمین اگر ایکٹنگ چیئرمین ہو تو وہ پہلے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے۔

جناب سپیکر : انھوں نے ترمیم واپس لے لی ہے۔

کوئی ترمیم واپس نہیں لوں گا

دوسرے دن ریڈیو اور اخبارات میں بھی "واپس لینے" کا ذکر آیا تو مولانا عبدالحق نے تحریکِ استحقاق اٹھا کر کہا کہ میں نے کبھی بھی بحیثیت ایک عالمِ دین کے اپنی ترمیم واپس نہیں لوں گا نہ میں نے کوئی ترمیم واپس لی ہے، البتہ یہ ترمیم سپیکر کے مشورہ پر ملتوی کر دی ہے۔ تاکہ دوسری متعلقہ دفعہ میں اس پر بحث ہو سکے سپیکر صاحب نے اس تحریکِ استحقاق سے اتفاق کرتے ہوئے ریکارڈ درست کرنے کی ہدایت کی۔[1]

دفعہ ۵۶ میں قومی اسمبلی کے اراکین میں سے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر منتخب کرنے کا ذکر ہے مولانا مدظلہ نے اپنی ترمیم میں کہا تھا کہ یہاں بھی اراکین کی بجائے "مسلمان اراکین میں سے" کر دیا جائے۔ تاکہ غیر مسلم سپیکر نہ ہو سکے۔

مولانا عبدالحق: جناب سپیکر صاحب

مسٹر سپیکر: آپ کیا چاہتے ہیں، سارے ممبر مسلمان ہوں۔

مولانا عبدالحق: اسپیکر، ڈپٹی سپیکر یا چیئرمین یا صدر کی بجائے جبکہ صدر غیر حاضر ہو کسی دوسرے ملک میں تشریف لے جائیں یا فرض کیجئے عہدے سے معزول ہو جائے تو اس وقت اس کی بجائے چیئرمین یا سپیکر قائم مقام ہوں گے۔ چونکہ صدر کے لیے مسلمان کی شرط لگا دی ہے تو جو ان کا قائم مقام ہو گا ان کے لیے بھی یہ شرط لگانا ضروری ہے اس لیے جن معزز اراکین میں سے سپیکر یا چیئرمین منتخب کیا جاتے ان کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

مسٹر سپیکر: اچھا ٹھیک ہے (مگر ترمیم مسترد کر دی گئی) (۱۹ مارچ ۱۹۷۳ء)

آرڈی ننس[2] نافذ کرانے کا حق قرآن و سنت سے مشروط کرنا چاہیے۔

مسودہ دستور کی دفعہ ۹۲ میں صدر یا وفاقی حکومت کو بوقت ضرورت آرڈی ننس جاری کرنے کا ذکر ہے۔ مولانا عبدالحق نے اس میں یہ ترمیم پیش کی تھی کہ بشرطیکہ ایسا آرڈی ننس قرآن و سنت کا نقیض نہ ہو۔ اپنی ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے مولانا مدظلہ نے فرمایا۔

[1] مباحث آئین ساز ص ۱۱۵ ۱۹ مارچ ۱۹۷۳ء [2] تقریر کیلئے مباحث ۱۹ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۵۲۳ [3] ایضاً ۲۲ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۸۱۸ تا ۱۸۱۹

صدر محترم! دفعہ ۹۲ یہ ہے کہ وفاقی حکومت جب کہ قومی اسمبلی کا اجلاس نہ ہو رہا ہو آرڈی ننس پارلیمانی ایکٹ کے برابر قوت اور تاثیر رکھتا ہے تو اگر آرڈی ننس کے اجراء کے وقت اس کا قرآن و سنت کے مطابق ہونے کی پابندی نہ لگائی جائے تو قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی کا موقع نکل آئے گا۔ جبکہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اجلاس کب ہوگا اور کب وہ اسے بل کی شکل میں سامنے لائے گا۔ گویا یہ دفعہ اس دفعہ کے خلاف ہے جس میں قرآن و سنت کے مطابق قانون سازی کا ذکر ہے اب تک تو ہوا یہ ہے کہ جتنے بھی آرڈیننس جاری ہوتے، اسمبلی انھیں قانونی شکل دیتی ہے تو اگر کوئی آرڈی ننس قرآن و سنت کے خلاف نافذ کیا گیا تو وہ کالعدم ہونا چاہیے۔ سیدنا ابوبکرؓ پہلے خلیفہ ہیں جب خلیفہ ہوئے تو پہلا خطبہ جو دیا اس میں یہ اعلان کیا کہ تم میں سے جو مظلوم ہے وہ میرے نزدیک اس وقت تک طاقتور ہے جب تک کہ اس سے دوسرے کا حق لے کر حقدار کو واپس نہ دلا دوں اور فرمایا کہ جب تک میں قرآن و سنت کی پیروی کرتا رہوں تم میری اطاعت کرو، میرا حکم مانا کرو اور اگر میں نے کسی حکم میں کتاب و سنت کی خلاف ورزی کی تو اسے مت سنو بلکہ مجھے سیدھے راستے پر لگاؤ۔ تو اسلام کے پہلے خلیفہ نے اپنے احکام کو اسلام کے ساتھ پابند کر دیا۔

تو جب آرڈی ننس نافذ ہو چار ماہ بعد معلوم نہیں اسمبلی کیا فیصلہ دے۔ عام تجربہ ہے کہ ایسے غیر اسلامی آرڈی ننس کو بھی قانون کی شکل دے دی جاتی ہے، جس طرح موجودہ آئین میں ۱۹۸۵ء سے پچھلے آرڈی ننسوں اور صدر کے ایسے فرامین کو بھی تحفظ دیا گیا ہے کہ اسمبلی اس کے بارہ میں غور بھی نہیں کر سکتی جس میں عائلی قوانین جیسے رسوائے عالم قوانین کا آرڈی ننس بھی شامل ہے تو ہمیں ایسا کوئی دروازہ ہی نہیں کھولنا چاہیے جس سے کتاب و سنت کی خلاف ورزی ہو سکتی ہو تو اتنی قید لگانا ضروری ہے کہ بشرطیکہ ایسا آرڈی ننس قرآن و سنت کا نقیض نہ ہو وفاقی حکومت اگر مجبوراً آرڈی ننس جاری کرنا بھی

چاہے تو اسلامی کونسل سے اس کی شرعی حیثیت، معلوم کرائی جا سکتی ہے خدا کرے جیسا کہ ہم چاہتے ہیں اور دعویٰ بھی ہو رہا ہے کہ ہمارا آئین کتاب و سنت کے مطابق ہو تو اس غرض سے یہ بات آرڈی ننس جاری کرتے وقت بھی ملحوظ رکھی جاتے (۲۲ مارچ ۱۹۷۳ء)

اسپیکر کا مسلمان ہونا ضروری ہے[1]

میں کوئی اسلامی ترمیم ہرگز واپس نہیں لوں گا۔

(۱۲ اپریل، ۱۰ بج کر دس منٹ)

مولانا عبدالحق: جناب میں ایک نکتہ استحقاق پیش کرنا چاہتا ہوں۔

مسٹر اسپیکر: جی ہاں! فرمائیے۔

مولانا عبدالحق: جناب کل عصر کے بعد دفعہ ۵۲ کے متعلق میں نے یہ ترمیم پیش کی تھی کہ صدر چونکہ مسلمان ہوتا ہے تو اس کا جو قائم مقام بنایا جائے گا، جیسے اسپیکر یا چیئرمین تو اس کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ آنجناب نے بھی یہ اعلان فرمایا تھا کہ اس چیز کو جب دفعہ ۵۶ میں اسپیکر کے انتخاب کا مسئلہ آئے تو اس وقت پیش کیا جائے چنانچہ میں نے اس وقت پیش کیا یہ اور بات ہے کہ ووٹوں کی اکثریت سے میری ترمیم مسترد ہو گئی، لیکن میں نے اس کو واپس نہیں لیا اس سے ملک میں یہ فضا پیدا ہو گئی کہ ہم نے کسی اسلامی مسئلہ کو چھوڑ دیا۔ اس لیے میں گزارش کرتا ہوں کہ اس کے بارے میں تدارک کیا جائے۔

مسٹر اسپیکر: میں آپ سے متفق ہوں کہ آپ نے اپنی ترمیم واپس نہیں لی تھی، لیکن میں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ بجائے اس کے کہ آپ اس کو آرٹیکل ۵۲ پر پیش کریں بہتر ہو گا کہ جب اسپیکر کا انتخاب ہو تو آپ پیش کریں اور آپ نے وہیں پیش کیا تھا اور وہاں اس پر ووٹنگ ہوئی اور وہ مسترد ہو گئی تو یہ اخبارات میں غلط آیا ہے کہ آپ نے واپس لے لی۔

[1] مباحث آئین ساز ص ۲۱۱۰، ۲۰ مارچ ۱۹۷۳ء نیز حوالہ مذکورہ تقریر ص ۱۵۶، مباحث ص ۹۳۱،۱۲

مولانا عبدالحق: اس سے یہ تاثر ہوگا کہ اسلامی چیز ہم نے واپس لے لی۔

مسٹر سپیکر: لیکن آپ نے اس کو چھوڑا نہیں۔ اخبارات میں غلطی سے یہ آگیا ہے کہ آپ نے واپس لے لی، اس کو آپ نے پیش کیا ہے۔

مولانا مفتی محمود: لیکن اخبارات نے لکھا ہے کہ واپس لے لی۔

مسٹر سپیکر: میں کہہ رہا ہوں کہ میں ان سے متفق ہوں جو کچھ اخبارات میں رپورٹ ہوا ہے وہ غلط ہے اس کی تصحیح ہو جانا چاہیے۔

غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر فائز کرنا ملکی مفاد کے خلاف ہے

قائم مقام صدر بن سکنے والا سپیکر اور چیرمین لازماً مسلمان ہونا چاہیے۔

(۲۰ اپریل گیارہ بجکر بیس منٹ)

مولانا عبدالحق: جناب اس آئین کی دوسری خواندگی باقی ہے۔ یہ ابھی بل کی شکل میں منظور نہیں ہوا ہے۔ ابھی ہمارے محترم وزیر قانون صاحب اس کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں میں نے جو اشکال پیش کی ہیں وہ یہ ہیں کہ اسپیکر اور چیئرمین جو صدر کا قائم مقام بنایا جاتا ہے۔ اور غور کرنے کے بعد ضرور بنایا جائے گا تو اس کے لیے مسلمان کی شرط لگا دی جائے چونکہ دوسری خواندگی باقی ہے اور ابھی یہ منظور نہیں ہوا ہے تو ہم کہہ سکیں گے کہ یہ اسلام کے خلاف نہیں ہے

مسٹر سپیکر: دوسری خواندگی ابھی باقی تو ہے، مگر ایک دفعہ جو ترمیم مسترد ہو جائے تو پھر وہ دوبارہ نہیں آ سکتی۔ آپ کا خیال یہ ہے کہ جو صدارت کا امیدوار رہو اس کے لیے مسلمان ہونا لازمی ہے یا وزیر اعظم کے لیے بھی مسلمان ہونا لازمی ہے تو بعض موقعوں پر چیئرمین یا اسپیکر کو بھی عارضی طور پر صدارت کے عہدے پر فائز کرنا ضروری ہوگا۔ خواہ وہ چیئرمین یا اسپیکر چند ہفتوں کے لیے ہو، مگر وہ صدر رہے گا، لیکن مستقل طور پر جو صدر منتخب ہوگا وہ مسلمان ہی ہوگا۔[1]

[1] مباحث ۲۰ رمارچ ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۱

مولانا عبدالحق : گذارش یہ ہے کہ وہ ہر صورت میں مسلمان ہوگا، مسلمان کے اوپر ہمارا دینی لحاظ سے پورا اعتبار ہے۔ ان کا قائم مقام اگرچہ چند گھنٹوں کے لیے بھی کوئی غیر مسلم ہو گا تو وہ ہمارے رازوں کو دوسرے ملکوں میں پہنچا دے گا۔ اگر وہ پانچ منٹ کے لیے بھی ہوگا تو وہ ملک کے مفاد میں نہیں رہے گا۔

مسٹر سپیکر : یہ اسمبلی میں پیش ہو چکی ہے اب اس کو دوبارہ نہیں پیش کیا جا سکتا۔ آپ نے اس پہ ترمیم بھی دی ہے اور آپ کی کوشش برابر ظاہر ہے، اور آپ مسلسل کوشش کر رہے ہیں اور اس پہ اب تقریر کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔

مولانا مفتی محمود : سوال یہ ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم پوری دیانتداری کے ساتھ اس آئین میں قوم کو مطمئن کر سکیں۔ جب ہم نے آئینی سمجھوتے میں وضاحت کے ساتھ یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ پاکستان کا صدر مسلمان ہوگا۔ اس کے بعد آئینی کمیٹی نے وزیر اعظم کے مسلمان ہونے کی شرط بھی منظور کر لی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ صدر خواہ ایک دن کے لیے ہو چھ مہینے کے لیے ہو تین مہینے کے لیے ہو۔ اس کے لیے مسلمان ہونے کی شرط لازمی ہے جو صدر کے لیے ہونا چاہیے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس ترمیم کو اگر اس ایوان میں پورے اتفاق کے ساتھ قبول کر لیا جائے تو اس سے وقار اور بڑھ جائے گا، کم نہیں ہوگا۔

مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ : اس پر ایک فیصلہ تو ہوا ہے۔ نیشنل اسمبلی کے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کے سلسلے میں یہ ترمیم کہ مسلمان کا لفظ ہونا چاہیے۔ اس پہ کافی بحث ہو چکی ہے اب مزید گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ووٹنگ کرانا چاہیں تو کروا ئیں، اصول طے ہو گیا ہے۔

مسٹر سپیکر : جب سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کے متعلق یہ ترمیم منظور نہیں ہو سکی تو چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین کے متعلق ظاہر ہے کہ اس کا کیا اثر ہوگا۔

پارلیمنٹ کے ارکان دین اور دیانت میں ممتاز ہونے چاہئیں

۲۰ اپریل ۱۲ تا ۱ بجے دوپہر[۱]

مولانا عبدالحق: جنابِ والا! میں نے ترمیم پیش کی ہے کہ پارلیمنٹ کا جو رکن ہو اس کا کردار اس کا اخلاق، اس کا تقویٰ اس کی دیانتداری اس کا منصفانہ مزاج، معاملہ شناس ہونا۔ اسلام کے کے بارے میں اس کی بُری شہرت نہ ہو۔ یہ خصوصیات بھی لگائی جائیں۔ اصل میں اس دفعہ میں ذیلی طور سے بہت سی چیزیں لگائی گئیں کہ ارکان میں ان کا ہونا ضروری ہے۔ اہلیت ہوگی تو میں عرض کروں کہ یہ ادارہ جو ہے یعنی پارلیمنٹ جو ہے وہ تمام ملک میں بہت ہی اہم ادارہ ہے اس ایوان کے جو اراکین ہیں یہ آئین بنانے والے، قانون بنانے والے اور ملک کے اندر عدل و انصاف قائم کرنے والے ادارے کے اراکین ہیں۔ اگر فرض کیجئے کہ اس ادارے کے اراکین باہر جاکر یا یہاں یہ قانون بنائیں کہ کسی کے حقوق کو غصب نہ کیا جائے لیکن خود جو قانون بنانے والے ہیں یا ووٹ دینے والے ہیں۔ فرض کیجئے انہوں نے ہزاروں لوگوں کے حقوق کو غصب کیا ہو وہ خود جبکہ حقوق کا غاصب ہے وہ کس طریقہ سے لوگوں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تم دوسروں کے حقوق کو واپس کر دو۔ اگر وہ خود متقی نہیں ہے۔ خدا ترس نہیں ہے تو وہ ایسا قانون یا ایسا آئین کس طریقے سے بنائے گا کہ تم اس ملک کے باشندے ہو۔ خدا سے ڈرتے رہو اگر وہ اسلام کے بارے میں بُری شہرت رکھتا ہو، اور جب اسلام مملکت کا سرکاری مذہب ہے اور وہ اسلام کے بارے میں بُری شہرت رکھتا ہے تو پھر وہ اسلام کے قوانین کو کیا نافذ کرے گا۔ اس لیے گذارش ہے۔

جناب سپیکر: دیکھئے مولانا صاحب! ترمیم تو وہ دی جاتی ہے جو بالکل ایسی ہو جس کو ہر آدمی سمجھ سکے۔ آپ کی ترمیم یہ ہے کہ اس کی شہرت اچھی ہو کیا اس کا فتویٰ آپ سے لیں کہ شہرت اچھی ہے یا نہیں۔ اگر آپ فتویٰ دے دیں کہ شہرت اچھی ہے، مگر دوسرے علماء

۱۔ مباحث آئین ساز، ۲۰ مارچ ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۴۰۱ تا صفحہ ۱۴۰۲

فتویٰ دے دیں کہ شہرت اچھی نہیں تو پھر کیا ہوگا۔

مولانا عبدالحق: یہ حقیقت ہے کہ......

جناب سپیکر: آپ مجھے اس کا جواب دیں کہ آپ نے فتویٰ دے دیا کہ اس کی شہرت اچھی ہے اور وہ اہل ہے اور دوسرے کئی علماء کرام یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اس کی شہرت اچھی نہیں ہے اس لیے یہ اس کے منتخب کرنے والے جو لوگ ہیں جو ووٹرز ہیں ان پر چھوڑی جاتی ہے۔ اگر وہ سمجھیں کہ اہل ہے تو وہ اہل ہو سکتا ہے۔

مولانا عبدالحق: گذارش یہ ہے کہ اگر وہ ظالم ہو تو کیا یہ بھی کسی کو معلوم نہیں ہوگا؟

جناب سپیکر: مولانا صاحب! اگر آپ کہیں کہ وہ ظالم ہے اور دوسرے علماء کہیں کہ ظالم نہیں ہے تو پھر؟

مولانا عبدالحق: اگر وہ شراب پینے والا ہو اور سود لینے والا ہو تب بھی کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا؟

جناب سپیکر: یہ ایسی بات نہیں ہے جس میں اختلاف رائے نہ ہو۔

مولانا عبدالحق: میں تو اسلام کی تعریف نہیں کرتا جیسے آپ نے اختلافی مسئلہ سمجھ لیا تھا۔

جناب سپیکر: جس میں اختلاف رائے ہو اس کو ہم آئین کا جزو نہیں بنا سکتے۔

مولانا عبدالحق: اگر وہ فاترالعقل ہو۔

جناب سپیکر: فاترالعقل کے متعلق تو فیصلہ عدالت دیتی ہے تو اس کے متعلق ماننا پڑتا ہے۔

مولانا عبدالحق: بہرحال اگر وہ دین دار نہ ہو تو پھر؟

جناب سپیکر: آپ کہیں گے کہ دیندار ہے اور دوسرے علماء کرام کہیں گے کہ دیندار نہیں ہے تو پھر؟

مولانا عبدالحق: اس میں مولانا، علماء کا کوئی دخل نہیں ہے۔

جناب سپیکر: یہ چیز آپ ووٹرز پر چھوڑیں۔ میرا خیال ہے اس قسم کی ترامیم نہ دیا کریں جن کے متعلق اختلاف رائے ہو سکتا ہے، اور کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

شہریت سے متعلق ایک ترمیم[1]

۲۰ر اپریل ساڑھے چار بجے

مولانا عبدالحق: مسوّدہ آئین کی دفعہ ۶۲ کی شق ۱ کے پیرا (پ) میں الفاظ "یا کسی بیرونی ریاست کی شہریت حاصل کرے" حذف کیے جائیں۔ اس میں دو باتیں ہیں۔ جناب والا! اوّل تو یہ کہ جب پاکستان کی شہریت ختم ہوگئی وہ یہاں کا شہری نہ رہا تو اس وقت میں پھر اسے ووٹ کا حق نہ ہوگا۔ تو اب اسی جملے کا رہنا فائدہ مند نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کے صدر یا وزیر اعظم جب دوسرے ممالک کے دورہ پر چلے جاتے ہیں تو وہاں استقبالیہ میں MAYOR کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ وزیراعظم یا صدر مملکت کو شہری اعزاز ملے اور بذریعہ سپاسنامہ یہ شہری اعزاز اس کو پیش کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر دوسرے ممالک کی جانب سے کسی پاکستانی شہری کو خواہ وہ کسی عہدے پر فائز ہو۔ اگر شہریت کا اعزاز مل جاتا ہے تو اس سبب سے وہ شہری اپنے ملک کی شہریت سے محروم ہو جائے گا تو یہ لفظ کسی ایسے شخص کے لیے موزوں نہیں ہے کہ وہ کسی ریاست کی شہریت حاصل نہ کرے۔ اس لفظ کی ضرورت نہیں ہے۔

رکن اسمبلی کی غیر حاضری سے متعلق ترمیم[2]

۲۰ر اپریل ساڑھے پانچ بجے

مولانا عبدالحق: جناب والا دفعہ ۶۳ میں یہ تجویز کیا گیا ہے کہ اگر کوئی رکن اسمبلی کے

---

[1] مباحث آئین سازی ص ۲۰ مارچ ۱۹۷۳ء نیز مباحث ص ۱۶۰۲ [2] مباحث ص ۶۲-۶۳ ، ۲۰ مارچ ۱۹۷۳ء

اجلاس سے مسلسل چالیس روز تک غیر حاضر رہے تو اس کی نشست خالی قرار دی جا سکتی ہے ہم نے اس میں صرف یہ ترمیم تجویز کی ہے کہ بغیر کسی معقول عذر کے چالیس روز تک مسلسل غیر حاضر ہو تو پھر اس کی نشست خالی قرار دی جائے۔ اگر اس کی غیر حاضری کا کوئی معقول عذر موجود ہو تو پھر اس کی نشست کو خالی قرار نہ دیا جائے۔ اس سلسلے میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ معقول عذر کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص بیمار ہے یا وہ قید ہے یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رکن کی نشست خالی کروانے کی غرض سے اسے کوئی شخص اپنے قبضہ میں رکھے اور وہ اسمبلی کے اجلاس سے مسلسل چالیس روز تک غیر حاضر رہتا ہے جس کے بعد اس کی نشست خالی قرار دی جاتی ہے جس کے بعد اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بہرکیف مطلب یہ ہے کہ اگر بغیر عذر کے وہ اسمبلی کی کارروائی میں چالیس روز تک مسلسل غیر حاضر رہے یا شرکت نہ کر سکے تو پھر اس صورت میں اس کی نشست کو خالی قرار دیا جائے۔

مسوّدہ دستور میں

اہم

اسلامی ترمیمات

جو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے آئین سازی
کے موقع پر تجویز فرمائیں

آئین سازی کا کام بالآخر جس بحران کا شکار ہوا اس کا اندازہ پہلے ہی دن حزب اختلاف
کی ترمیمات کے ساتھ اکثریتی پارٹی کا رویہ دیکھ کر ہوا مسئلہ اقلیت اور اکثریت کا نہیں بلکہ ایک
مخلصانہ اور مفاہمانہ جذبہ اور معقولیت پسندی سے کام لے کر ایک ایسا آئین دینے کا تھا جو اپنے
اسلامی ، جمہوری ، وفاقی اور عوامی پہلو سے پورے ملک کے مصالح اور ضروریات کا کفیل
ہو اور ۲۵ سالہ طویل مگر تلخ تجربات سے سبق لے کر مرتب کیا گیا ہو اور ارکان اسمبلی کی ہر معقول
بات کو باہمی افہام و تفہیم اور غور و فکر سے قبول کر لیا گیا ہو ، مگر یہاں ایک ہی بات طے شدہ
شکل میں سامنے آگئی کہ کوئی بات خواہ وہ کتنی اسلامی یا جمہوری کیوں نہ ہو اور کتنی ہی کوئی تجویز
عوام کے ساتھ بلند بانگ دعاوی پر پابند بنانے والی ہو اسے نہیں سنا جائے گا اور یہ شاید
محض اس ڈر سے کہ اس طرح حزب اختلاف کو کریڈٹ نہ مل جائے. بہرحال بعد میں کہا گیا
کہ یہ ترمیمات نامعقول تھیں اور آئین سازی کے کام میں رکاوٹوں کی خاطر یہ سب کچھ ہوتا رہا
اس لیے ضروری ہے کہ اسمبلی میں پیش کردہ ترمیمات خاص طور پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق

صاحب اور دیگر علماء و ارکان کی اسلامی ترمیمات کا ایک جائزہ لیں آئین کا حصہ دوم بنیادی حقوق سے متعلق ہے انسان کے بنیادی حقوق پر سب سے زیادہ زور اسلام نے دیا ہے مسلمان تو مسلمان غیر مسلم انسانوں کی تحفظ غلاموں کے حقوق اور رعایات یہاں تک کہ حیوانات تک کے حقوق اور مفادات کی جزئی سے جزئی احکام اسلامی قانون (فقہ اسلامی) میں موجود ہیں، اس بارہ میں نہ تو قوم اور وطن کی تمیز ہے نہ رنگ و نسل اور امیر و غریب کا کوئی امتیاز اور نہ کسی قبائلی عصبیت کے نام پر امتیازات ہیں، مگر ہمارے ہاں بشمول ۵۶ء وغیرہ تمام دساتیر کے بنیادی حقوق کا موجودہ تصور ان مغربی اقوام سے مستعار لیا گیا ہے جو ڈھنڈورہ تو عالمی انسانی حقوق کا پیٹتے ہیں، مگر ان کے انسانی مجد و شرف کی ساری عمارت وطنی قومی اور دوسرے امتیازات پر ہے امریکہ جو حقوق انسانی کے منشور کا موجد کہلاتا ہے وہاں آئے دن کالے اور گورے قومی اور غیر قومی ملکی اور اجنبی کے نام سے جو انسانیت سوز ڈرامے کھیلے جاتے ہیں کسی پر مخفی ہیں؟ فلوریڈا کی ریاست میں نصاب تعلیم تک میں گوروں اور کالوں کا امتیاز رکھا گیا ہے امریکہ میں کسی سیاہ فام کو سفید فام عورت یا سفید فام کو حبشی عورت سے نکاح کی اجازت نہیں خواہ اسکے خون میں کسی سیاہ فام کے خون کا ⅛ حصہ کیوں شامل نہ ہو تقریباً تمام ریاستوں میں ریلوں، بسوں، ہسپتالوں، ہیلیفون کے کمروں یہاں تک کہ عبادتگاہوں تک میں یہ نسلی امتیاز برتا جاتا ہے۔ جاپان اور انگلینڈ کے شاہی گھرانے کے افراد عام انسانوں سے ایک الگ تھلگ مخلوق سمجھے جاتے ہیں۔ انگلینڈ کے دستور میں یہ بات شامل ہے کہ بادشاہ ہر قانون سے مستثنیٰ ہے۔ دوسری طرف اسلام ہے جس کی نگاہ میں ساری مخلوق خدا کا گھرانہ ہے الخلق عیال اللہ لیکن ہماری نگاہیں اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے مغربی تہذیب سے مستعار بنیادی حقوق کے تصور پر ٹھہرتی ہیں اور مغربی تہذیب سے مرعوب ہو کر بنیادی حقوق کے نام سے آئین کی رہی سہی اسلامیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً موجودہ بنیادی حقوق میں جنس (مرد عورت) اور مذہب کی تمیز کیے بغیر ہر قسم کی ملازمتوں میں مساوات یہاں تک کہ وہ عدالت کا چیف جسٹس بھی بن سکے کلیدی مناصب بھی سنبھال سکے عام مجالس

اور مقامات میں داخلہ اور مرد و زن کا اختلاط تقریر و تحریر کی آزادی کے نام پر اخلاقی اور مذہبی اقدار سے بھی آزادی ہر شخص جو چاہے مذہب اختیار کرے مسلم اور غیر مسلم (اہل ذمہ) مرد و زن سب کو تمام شعبہ ہائے حیات میں ایک لاٹھی سے ہانکنا اس طرح کی بہت سی مثالیں اسلام کے عطا کردہ حقوق کی نفی کرتی ہیں اور آگے چل کر اسلامی قانون کی کتنی اہم دفعات اور تقاضوں کے نفاذ کے لیے سدراہ بن سکتی ہیں۔ مثلاً کوئی مسلمان اپنا مذہب تبدیل نہیں کر سکتا۔ ۲۔ اسلامی مملکت میں ارتداد اور اس کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ۳۔ غیر مسلموں پر مخصوص ٹیکس جزیہ لگانے کی گنجائش ہے۔ ۴۔ غلامی کے بارہ میں مخصوص حالات میں جواز کی گنجائش ہے۔ ۵۔ عورت حدود و قصاص جیسے احکام میں جج نہیں ہو سکتی۔ ۶۔ نہ اس کی قضا کئی ایسے امور میں معتبر ہے، نہ حدود اور قصاص میں اس کی شہادت معتبر ہے نہ وہ کسی اسلامی سٹیٹ کی سربراہ بن سکتی ہے۔ ۹۔ نہ کھلے بندوں مردوں کی تفریح گاہوں اور مخلوط اجتماعات میں آ جا سکتی ہے ۱۰۔ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے۔ ۱۱۔ غیر مسلم اور ذمی، قاضی اور جج نہیں بن سکتا۔ ۱۲۔ نہ وہ اسلامی آئین سازی کرنے والے اداروں مقننہ یا دستور ساز اداروں کا رکن بن سکتا ہے بالخصوص جبکہ اسمبلی کو اس امر کا پابند بنا دیا گیا ہو کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی کرے گی تو کتاب و سنت کی تشریح قوانین اسلامی کی ترتیب کتاب و سنت کے مطالب کا تعین، اسلامی شرعی ضوابط فوجداری و دیوانی کی تعبیر کسی مقننہ شرعیہ (اسمبلی) کے غیر مسلم ارکان کی رائے سے کیسے کرائی جا سکتی ہے۔ ایک شخص جب اسلام کے اساسی معتقدات توحید، رسالت، شریعت کی صداقتوں کا معترف نہ ہو اسے اسلام ان باتوں کی تشریح و تعبیر کا حق کب دے سکتا ہے۔ اور درحقیقت ایسا کرنا غیر مسلم اقلیتوں سے زیادتی نہیں عین انصاف ہے وہ اگر انہیں اپنے عقیدے، مذہب اور نظریہ کے خلاف قانون سازی کرنے پر مجبور کرتا تو یہ ظلم ہوتا۔ موجودہ دستور کا مسوّدہ نہ صرف انہیں یہ حق دیتا ہے بلکہ حلفِ وفاداری وغیرہ کے رسمی الفاظ میں ان سے اسلامی نظریہ کی بقاء و تحفظ کا حلف دلوا کر انہیں

مانند کی سی ہے، اس لیے ان ترامیم کو زیر بحث ہی نہ لانے کے لیے ایک ترمیمی بل کے
ذریعہ اس دفعہ پر بحث ملتوی کر دی گئی حزب اختلاف نے نہ صرف اس پر شدید احتجاج
کیا بلکہ ایوان سے کچھ دیر کے لیے بائیکاٹ بھی کیا۔

دفعہ ۲ اسلام کے سرکاری مذہب ہونے کے تحفظات

دفعہ ۲ میں کہا گیا ہے کہ اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہو گا۔ لازمی بات تھی کہ اب اس کے
کچھ تحفظات ہوں گے اور کچھ تقاضے، اگر آئین میں اسے ملحوظ نہیں رکھا جاتا یہ ایک مہمل عنوان
بن کر رہ جاتا۔ مذہب تو انسانوں سے تعلق رکھتا ہے اور کسی مملکت کو اس پابند بنانے کا مقصد
درحقیقت زندگی کے تمام شعبوں کو اس دائرہ میں لانا ہوتا ہے نہ کہ کوئی خوشنما لیبل لگا کر اندر
کی متضاد چیزوں کی ماہیتیں بھی بدل جائیں۔ اس دفعہ کی اہمیت کے پیش نظر بے شمار اہم ترامیم
سامنے آئیں۔ جمعیۃ کے اکابر علماء چاہتے تھے کہ اب جو شخص بھی اسلام کے قطعی احکام کی خلاف
ورزی کرے تو سزا کا مستوجب ہو گا۔ ایک تحریک یہ تھی کہ اب مملکت اپنے سرکاری مذہب
کے تحفظ کی ذمہ دار ہو گی۔

مولانا مفتی محمود صاحب اور دیگر ارکانِ جمعیت کے ساتھ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق
صاحب کی مشترکہ ترمیم ۳۸ یہ تھی کہ مسوّدہ آئین کی دفعہ ۲ میں یہ اضافے بھی کیے جائیں گے
مملکت ضمانت دے گی کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں رکاوٹ پیدا کرنے والا کوئی قانون یا
پالیسی وضع نہیں کی جائے گی۔ کلیدی مناصب پر صرف مسلمان فائز ہوں گے۔ کسی مسلمان کو مرتد
ہونے کی اجازت نہیں ہو گی، مگر آج دوسری خواندگی کا پہلا تجربہ تھا۔ ترامیم پیش کرنے والوں
کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اتنی بے دردی سے ایسی اہم ترامیم کا خون ہو گا۔ دفعہ ۱
بحث کی اجازت نہ ملنے پر جب حزب اختلاف نے واک آؤٹ کیا۔ تو ابھی یہ لوگ لابی
میں بھی نہیں پہونچے تھے کہ سپیکر صاحب نے دفعہ ۲ کی ترمیم پیش کرنے والوں کے نام
اتنی تیزی سے لینے شروع کیے کہ ایوان میں بیٹھے ہوئے بعض اراکین بھی اس تیزی کی زد میں

آ گئے۔ اب کہا گیا کہ ترمیمیں ساقط ہوگئیں۔ ان ارکان نے واپس آ کر احتجاج شروع کیا کہ ایسی ترامیم کا اس طرح سے خون کرنا بے انصافی ہے، مگر ان کا سارا واویلا صدا بصحرا ثابت ہوا۔

اس طرز عمل پر احتجاج کرتے ہوئے اس خدشہ کا اظہار کیا گیا کہ ہمارے ساتھ کوئی کھیل کھیلا جا رہا ہے اور یہ اس لیے کہ دفعہ ۲ محض فریب نظر کے لیے تو رہے۔ مگر اسے آئین سے واقعی تحفظ کی ضمانت نہ مل سکے۔

اسلام کی بالادستی کا مسئلہ

مقررین نے کہا کہ جہاں بھی کہیں یہ دفعہ رکھی گئی ہے تو اس کے تقاضوں کی رعایت بھی ضروری سمجھی گئی ہے کئی اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کا حوالہ دیا گیا۔ مثلاً ایران کا سرکاری مذہب اثنا عشری ہوگا۔ بادشاہ کا مسلمان ہونا ضروری ہوگا کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جا سکتا جو اسلام کے مقدس اصولوں کے منافی ہو! افغانستان کا مذہب اسلام اور بادشاہ حنفی العقیدہ ہوگا عراق، شام اور اردن کی مثالیں بھی دی گئیں۔ غیر مسلم ممالک میں سپین، ناروے، سویڈن، ہالینڈ وغیرہ کے حوالے دیے گئے کہ وہاں کسی غیر سرکاری مذہب والوں کو تعلیم و تبلیغ کی اجازت نہیں۔ اسلامی ممالک میں کسی غیر اسلامی قانون کے چل سکنے کا تصور تک بھی نہیں تھا یہاں ۱۸۶۴ء (انگریزوں کے تسلّط) کے بعد ہی ایسی باتیں شروع ہوئیں۔ دراصل اس دفعہ اور آگے اکثر ترمیمات کا زیادہ تر مقصد یہ تھا کہ آئین کی دفعہ ۲۲۷ میں قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی کے لیے مجوزہ غیر مؤثر طریق کار کسی طرح مؤثر بنا دیا جائے۔ جس کا حوالہ بڑے زور و شور سے حزب اقتدار کی طرف سے دیا جاتا رہا اور جب مشاورتی کونسل کے مؤثر بنانے کی بات ہوتی تو ایوان کی بالادستی مجروح ہونے کا عذر پیش کیا جاتا اس کے جواب میں بار بار کہا گیا کہ اگر اسے عدالتِ عالیہ یا سپریم کورٹ میں چیلنج کی جانے والی دیگر تمام دفعات میں شامل کر لیا جائے تو ہر ہر دفعہ میں اسلامی تحفظ پر مبنی ترمیمات پیش کرنے کی ضرورت نہیں

رہے گی، لیکن اگر دیگر قوانین میں عدالت اسمبلی کے فیصلوں کو کالعدم کرا سکتی ہے تو اسلامی دفعات کے بارہ میں یہ بالادستی قائم رکھنا کیوں ضروری ہے اور معقول بات تو ایسی ترمیمات کے چھیڑنے کے جواب میں یہ تھی کہ جس طرح قانون سازی اسلام کے دائرہ میں ضروری ہے اسی طرح آئین کی تمام دفعات کو بھی اسلامی دائرہ میں لانے کی خاطر علماء کی ترمیمات کا پیش کرنا ایک فریضہ ہے۔

بہرحال رائے شماری ہوئی اور مغربی جمہوریت کی کافرانہ کرشمہ کاریوں کا ظہور ہونے لگا۔ ۲۰، ۲۵ افراد کی اقلیت کیا کر سکتی ہے، اس میں بھی دو چار ادھر ادھر لڑھک جاتے پی پی پی کے دو چار جری اور غیور و جسور افراد کو چھوڑ کر باقی تمام چشم و ابرو کے ایک اشارے کے منتظر ہوتے اور مخالفانہ رائے سے ایسی ترمیمات مسترد کر دیتے۔ قیوم صاحب کے ارکان بھی جنھوں نے اسلام کی خاطر اور سوشلزم کے مقابلہ کے نام پر انتخاب میں حصہ لیا تھا، آنکھیں بند کیے حزب اقتدار کے ہمنوا رہتے اور تعجب تو قبائلی ارکان پر رہا جو ایسے علاقوں سے نامزد کیے گئے جن کی غیرت ایمانی اور اسلامی احساسات بہت تیز ہیں۔ پھر جنھوں نے انتخاب کے بعد اسمبلی کے اندر اور اسمبلی سے باہر آئین کے مسئلہ میں علماء حق کا ساتھ دینے کے برملا اعلانات کیے تھے، مگر آئین سازی کے بارہ میں اسلامی ترامیم سے ان کا بھی آخر تک یہی سلوک رہا۔ اور ان سب لوگوں نے یہ جانے بغیر کہ ترمیم کیا ہے، اور اس کی زد کہاں پڑ سکتی ہے۔ بہرحال ترمیمات مسترد ہوتی چلی گئیں اور دوسرے دن

دفعہ ۲ میں شیخ رشید کی ترمیم سوشلزم

اسی دفعہ میں شیخ رشید نائب قائد ایوان کی ترمیم سامنے آئی۔ کھٹکا تو پہلی خواندگی کے دوران ان کی اس تقریر سے ہو گیا تھا جس میں انھوں نے قیام پاکستان کو معاشی عوامل پر مبنی قرار دے دیا تھا۔ آج ان کی ترمیم یہ تھی کہ پاکستان کی معیشت کی بنیاد سوشلزم پر ہو گی۔ استحصال

کے خاتمے کے لیے ہر شہری سے اس کی اہلیت کے مطابق معاوضہ ——— تحریک سامنے آگئی، اسلامی درد رکھنے والوں کے دل ڈوب گئے کہ ادھر مذہب کو سرکاری مملکت بنانے کی دفعہ اور اب مسجد کے زیر سایہ خرابات کی یہ المناک مثال، مخالفت میں زور شور سے تقریریں ہوئیں کہ یہ ترمیم تو دیباچہ اور تمہید کی نفی ہے۔ پھر سوشلزم کی تعریف اور مفہوم پر کب کسی کا اتفاق ہو سکا ہے۔ ایسی مبہم چیز کو آئین میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ مفتی محمود صاحب نے کہا کہ کیا اسلام ایک مکمل نظامِ حیات نہیں۔ مولانا عبدالحق صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ نفاق کا یہ راستہ دنیا میں ہمیں رسوا کر دے گا۔ یہ ترمیم حلفِ وفاداری سے غداری ہے۔ اور خود دفعہ ۲ کالعدم کر دیتی ہے۔ اسلام صرف عبادات کا نام نہیں، مکمل عادلانہ نظام حیات ہے نہ سوشلزم نہ سرمایہ داری، نہ کمیونزم، انھوں نے ان ازموں کے بغیر اسلامی دورِ عروج کی خوشحالی کا ذکر کیا۔ اکثریت کی تلوار سر پر لٹکتی دیکھ کر حزب اختلاف نے حکمت عملی کا مظاہرہ کیا اور اس ترمیم کی جگہ کچھ ترمیمیں ایسی پیش کیں کہ کسی طرح سوشلزم کو اپنے کافرانہ فلسفہ سے الگ کرا دیا جائے۔ سوشل جسٹک، اسلامی مساوات، اسلامی سوشلزم اور مساواتِ محمدی کے الفاظ پیش کیے گئے۔ زوردار تقریریں ہوئی۔ علماء حق نے اس کی بھی مخالفت کی۔

مولانا عبدالحق صاحب نے کہا کہ سوشلزم کے ساتھ اسلامی لفظ لگانا اور آئین میں اسے جگہ دینا ایسا ہے کہ کنوئیں میں ایک قطرہ پیشاب سارا پانی ناپاک کر دے اور اگر یہ اصطلاح چل نکلی تو آگے اسلامی شراب، اسلامی جوا، اسلامی زنا بھی رواج پا سکے گا۔

پی پی پی کی خاتون رکن نسیم جہاں بھی ایسے موقع پر بعض اسلامی ممالک کا ذکر کرنے لگتی ہیں اور وہاں کے علماء سے یہاں کے علماء کا موازنہ کہ وہ بھی علماء ہیں مگر وسیع الظرف اور یہاں کے اہل علم تنگ نظر ہیں اس کے جواب میں کہا جاتا کہ اصل آئیڈیل قرآن و سنت ہے نہ کہ دیگر ممالک مگر نقار خانے میں طوطے کی صدا کون سنتا ہے ——— بہرحال بحث کے دوران مولانا کوثر نیازی صاحب کی ایک ترمیم در ترمیم سامنے آگئی کہ معیشت کی بنیاد اسلامی سوشلزم پر

ہوگی، جو مساواتِ محمدیؐ کا آئینہ دار ہوگا۔ حزبِ اقتدار کو تو اسلام اور سوشلزم دونوں کو خوش کر کے ممدوح الطرفین بننا ہی تھا وہ اگر چاہتے تو اس ترمیم کے بغیر بھی شیخ رشید کی ترمیم منظور کر سکتے تھے، مگر یہ بھی غنیمت ہے کہ اس وقت شیخ رشید کی خالص سوشلزم پر مبنی ترمیم اس ترمیم کے بغیر منظور نہ ہو سکی۔ مگر آئین کی اسلامی حیثیت کو بہرحال مشکوک اور مجروح بنا دیا گیا اس ترمیم پر بحث اور حزبِ اقتدار کی تقاریر سے "اسلامی آئین سازی" کے بارہ میں سرکاری پارٹی کا طرزِ عمل اور اندازِ فکر اور بھی نمایاں ہو کر سامنے آنے لگا۔[1] اگلی تمام دفعات پر بھی بیشمار ترامیم سامنے آتی رہیں اور اکثریت کی ایک ہی ضرب سے امت مسلّمہ کی امیدوں جمہوریت پسند عوام کے ولولوں اور تاریخ کی بے مثال قربانیوں کا خون کر کے خاک میں ملا دی جاتیں۔

"تادمِ تحریر (یہ مضمون مرتب ہوتے وقت) ایک ہزار سے زائد ترمیمات اپنی معقولیت کا لوہا منوانے کے باوجود مسترد ہو چکی ہیں، سوائے دو چار لفظی ترامیم کے جن کا تعلق زبان کی اصلاح تک محدود رہا۔ ایسی اصلاح بھی صرف پی پی پی کی قبول کی گئی ان ترمیمات پر جو بحث ومباحثہ ہوتا رہا۔ اس کی تفصیلات کی کچھ معمولی جھلکیاں اخبارات، میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ تاریخ نے بھی اسے اپنے سینے میں محفوظ کر لیا۔ فیصلہ آنے والوں کے ہاتھ میں ہوگا۔

حزبِ اقتدار ان ترمیمات کو آئین سازی کی راہ میں رکاوٹ سے تعبیر کرتی ہے مگر فیصلہ تاریخ کے ہاتھ میں ہے۔ اس فیصلہ کو ہم مسوّدہ اور ترامیم کا موازنہ کر کے آج بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ تاریخ پوچھے گی کہ حزبِ اقتدار اگر متعصب اور غیر مخلص تھی تو آزاد ارکان کی ترامیم کا کیا حشر ہوا۔ اسے بھی چھوڑ کر پی پی پی کے چند باضمیر افراد نے جمہوریت، اسلامی تہذیب اور معاشرہ کے قیام پر مبنی ترامیم پیش کیں، ان کا کیا حشر ہوا اور کیوں عین موقع پر انہیں اپنی ترامیم واپس لینی پڑیں۔ تاریخ ان گنی چنی ترامیم کا بھی جائزہ لے گی، جنہیں منظور کرنے کی پبلسٹی بڑے زور

---

[1] بحمداللہ کہ علماء کی مساعی سے بعد میں سوشلزم کا لفظ بھی اس ترمیم کے ذریعہ اس دفعہ سے نکال دیا گیا یہ ان علماء حق اور ان کے ہمنوا ارکان کی مساعی جمیلہ کا ایک بہترین نتیجہ تھا۔

نفاق پہ مجبور کرتا ہے، اور گویا بالجبر اس ضمیر کشی کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ الغرض اسلام غیر مسلموں کو تجارتی، انتظامی، صنعتی، اقتصادی وغیرہ امور میں تو شریک کرتا ہے، مگر آئین اور قانون سازی کا حق کبھی نہیں دیتا جو اجتماعی طور پر ـــــ تنفیذ القول علی الغیر ـــــ ہے۔

۱۳۔ اور جب انہیں کسی انفرادی معاملہ میں انفرادی طور پر مسلمانوں پر ولایت خاصہ نہیں دی گئی تو پورے اسلامی اسٹیٹ پر ولایتِ عامہ کب دے سکتا ہے؟ جو تمام اہم کلیدی مناصب کی شکل میں عدم امتیاز کرنے سے انہیں حاصل ہوجاتا ہے۔ اس لیے اسلام ملازمتوں اور انتخابی عہدوں میں بعض حالات میں امتیاز ناگزیر سمجھتا ہے جبکہ موجودہ بنیادی حقوق غیر مسلم اقوام (جو مرتدین کو بھی شامل ہے) کو نہ صرف صدارت، وزارت، عدلیہ کی سربراہی افواج اسلامی کی کمان تک عطا کرنے پر بھی قدغن نہیں لگاتے۔ ۱۴۔ اسلام کی نگاہ میں کلیدی مناصب پر فائز ہونا تو بڑی بات ہے، کسی غیر مسلم شہری کی مسلمانوں کے خلاف شہادت بھی معتبر نہیں اس بارہ میں صاف اصول موجود ہیں۔ لن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا۔ خدا نے کافروں کو مسلمانوں پر کسی معاملہ میں بالادستی نہیں دی۔ اور ارشادِ خداوندی ہے: لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یألونکم خبالا۔

الغرض آئین کے بنیادی حقوق نہ صرف ان تمام باتوں کی نفی کر رہے تھے بلکہ دفعہ ۸ ذیل ۱ کی تعلیم تو اس حصے کو قرآن و سنت تک پر بالادستی دے رہی ہے کہ کوئی قانون یا کوئی رسم و رواج جو بمنزلہ قانون ہو اس باب میں عطا کردہ حقوق سے تناقض کی حد تک کالعدم بہرحال بنیادی حقوق کو اسلامی قانون سازی سے ہمکنار کرنے اور ان خرابیوں کی اصلاح کے لیے ارکان اسمبلی کی طرف سے بیشمار ترامیم آئیں اور حکومتی پارٹی کے جذبۂ مفاہمت، معقولیت اور حقائق پسندی کے دعوؤں کے باوجود ان کا جو حشر ہوا سب کے سامنے ہے۔

دفعہ ۱: اس دفعہ کا تعلق ملک کے نام اور علاقائی حدود کے تعین کے بارہ میں تھا۔ اکثر ترامیم اس میں مشرقی پاکستان کو شامل کرانے کی تھیں، مگر حکومت کی پوزیشن اس معاملہ میں "نہ پائے رفتن نہ جائے

شور سے کی جاتی۔ مگر جن میں سوائے لفظی اصلاحات اور تذکیر و تانیث کے ہیر پھیر کے اور کچھ نہ ہوتا۔

ہمارے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ تمام پیش کردہ ترامیم اس کی تحریک کرنے والوں کی تقریریں اور حزبِ اقتدار کی جوابی تقریریں اور ردِّ عمل پر تفصیلی روشنی ڈال سکیں، البتہ کوشش کریں گے کہ اسلامی جمہوری اور عوامی فلاح و بہبود کے متعلق اہم ترامیم کا کچھ نہ کچھ ذکر ہو جائے جمعیۃ علماء اسلام کے دیگر اکابرین کے علاوہ ہر اہم موقع پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے بھی تقریباً ایک سو ترمیمیں داخل کیں۔ جہاں ان کی ترمیم ہو۔ تو اس کو بنیاد بنا کر اس کے مترادف ترامیم کو اجمالاً اشارہ کریں گے۔ اسی طرح جمعیت علماء اسلام کی مشترکہ ترامیم کا بھی ذکر آتا رہے گا اور ساتھ ساتھ دیگر جماعتوں اور آزاد اراکین کی ترمیمات کا بھی ذکر ہوگا۔ ترامیم کے الفاظ کو قوسین ( ) میں نمایاں کیا گیا ہے۔ ترمیم پر بحث و مباحثہ اسمبلی کے دیے گئے نمبرات کے مطابق ہو رہا تھا۔ اسی نمبر سے اسمبلی کے ریکارڈ پر ترمیم آئی اس لیے اسمبلی کے دیے ہوئے نمبرات کے ساتھ ترامیم درج کی جائیں گی۔

بنیادی حقوق کے منافی قوانین دفعہ ۷

اس کا تعلق حقوق کے منافی قوانین کالعدم ہونے سے ہے مولانا عبدالحق صاحب کی رائے میں قرآن و سُنت کو بنیادی حقوق کا معیار بنانا ضروری تھا۔ نہ کہ خود ہی بنیادی حقوق کو اس لیے ان کی ترمیم ۴۳[1] یہ تھی کہ (الّا یہ کہ ایسا قانون رسم و رواج جو قرآن پاک اور سُنت کے مطابق ہو۔) مولانا عبدالحق صاحب کی ترمیم ۸۴[2] بنیادی حقوق کو اصولاً اسلام کے دائرہ میں لانے کی غرض سے تھی جس میں کہا گیا ہے کہ دفعہ ۷ کی شق ۳ کے بعد حسبِ ذیل نئی شق کا اضافہ کیا جائے کہ (۳ الف اس باب کا کوئی حکم، امر، قرآن پاک اور سُنت کے مطابق قانون سازی میں مانع نہیں ہوگا) مولانا عبدالحق اور مفتی محمود کی ترمیم ۷۷ یہ تھی کہ اس پیرا سے پولیس یا امن عامہ

---

[1] مباحث اسمبلی [illegible]

قائم رکھنے والے ادارے حذف کیے جائیں۔ دفعہ ۸ کی شق ۳ کا پیرا (ب) آئین کے جدول اوّل کے احکام کو اس دفعہ سے تحفظ دینے کی غرض سے ہے جدول اوّل مارشل لاء کے جاری کردہ آرڈی ننس پر مشتمل ہے اور ایسے قوانین بھی نفاذ آئین سے قبل صدر ایوب اور صدر یحیٰی اور خود صدر بھٹو کے زمانہ میں نافذ ہوئے جنہیں پارلیمنٹ کی منظوری حاصل نہیں ہوئی۔ ان میں فیملی لاء جیسے رسوائے زمانہ آرڈی ننس بھی ہیں۔ ایک جمہوری اور پارلیمانی نظام قائم ہوجانے کے فوراً بعد ایسے کالے قوانین کالعدم ہونے چاہئیں۔ ایسا نہ ہو سکا تو جدول اوّل کے تمام قوانین کو بھی اسمبلی میں پیش کرنا تھا۔ یہ بھی نہ ہو سکتا تو اسے بنیادی حقوق کی اس دفعہ کے تحت لانا چاہیئے تھا۔ جو متناقض ہوتے۔ خود بخود کالعدم ہوجاتے، مگر یہاں ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ دفعہ ۸ میں ایک ذیلی شق بڑھا کر جدول اوّل کو شق (۱) اور (۲) سے مستثنیٰ قرار دے کر تحفظ دیا گیا۔

اس غرض[1] سے مولانا عبدالحق صاحب کی ترمیم یہ تھی۔ دفعہ ۸ ذیل ۳ شق (ب) کو حذف کر دیا جائے۔ اس دفعہ کی شق میں کہا گیا ہے کہ آئین میں اگر تصریح ہو تو بنیادی حقوق معطل کیئے جا سکتے ہیں، اس پر کئی ترمیمیں آئیں۔ ان حقوق کے تعطل کے لیے گوناگوں تخصیصات اور مستثنیات کے خلاف حزب اقتدار نے احتجاج کیا۔ مفتی محمود اور مولانا عبدالحق صاحب نے کہا کہ بنیادی حقوق سے تصادم پر رسم و رواج اور قانون کالعدم ہو سکتا ہے۔ تو کتاب و سنت کے منافی قوانین کالعدم ہوجانے کی دفعہ بھی اس باب میں رکھی جائے اس دفعہ کی تمام ترامیم مسترد ہوئیں اور احتجاجاً حزب اختلاف کو واک آؤٹ کرنا پڑا۔

انسداد غلامی دفعہ ۱۱

اس کا تعلق[2] غلامی بیگار وغیرہ امور سے ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ کسی شخص کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔ اور کوئی قانون غلامی کو کسی صورت میں رواج دینے کی اجازت نہیں دے گا۔ الخ

---

[1] مباحث ۱۳ / مارچ ۱۹۷۳ء صفحہ ۳۶ [2] مباحث آئین ساز صفحہ ۱۳۸، ۱۵ / مارچ ۷۳ء

غلامی کے بارہ میں اسلام نے جو نہایت عادلانہ اور حکیمانہ نقطہ نظر اختیار کیا۔ اغیار بھی اس کے قائل ہیں اسلام نے نہ تو غلامی کو فرض ٹھہرایا! نہ اس کی ترویج پر زور دیا۔ خاص جنگی حالات اور مقاصد کے پیش نظر اباحت کے درجہ میں بہرحال گنجائش موجود ہے۔ یہ دفعہ خیر القرون کے پورے دور کا مقابلہ پھر کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے تمام مکاتب فکر میں موجود ذخیرۂ احکام پر بیک جنبش قلم پانی پھیر رہا تھا اور شرعی حکم کا اظہار بہرحال ضروری تھا۔ اس لیے مولانا عبدالحق مدظلہ نے ترمیم نمبر ۱ پیش کی تھی کہ کسی بھی شہری کو غلام نہیں بنایا جائے گا اور کوئی قانون (سوا اسلامی احکام کے تابع اجازتوں کے پاکستان میں ——— الخ) اور یہ ترمیم بھی بحث کے بعد مسترد ہو گئی۔

انجمن سازی اور سیاسی جماعتوں کی رکنیت

انجمن سازی اور سیاسی جماعتوں کی رکنیت کے حق کے بارہ میں ہے۔ مفتی محمود صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب کی مشترکہ ترمیم نمبر ۲۱۰ یہ تھی کہ یہ حق سرکاری ملازم نہ ہونے سے مشروط کرنا چاہیے، مگر دفعہ بھی کوئی ترمیم شرف قبول نہ پا سکی۔

تجارت اور پیشوں کی آزادی

اس کا تعلق تجارت، کاروبار اور پیشوں کی آزادی سے متعلق تھا۔ مولانا مدظلہ کی دیگر ارکان جمعیتہ کے ساتھ ترمیم نمبر ۲۲۰ یہ تھی ایسے تمام پیشوں یا کاروبار کو اسلام کے احکام کے تابع ہونا چاہیئے۔ اس پر روزوار بحث ہوئی۔ مولانا مفتی محمود، مولانا عبدالحق وغیرہ نے تقریر کی کہ حکومت کو حلال وحرام کاروبار میں تمیز کرنا پڑے گی اور سودی کاروبار، گھوڑ دوڑ، شراب زنا کے پرمٹوں پر پابندی لگانا ہو گی۔ مفتی محمود نے کہا کہ اگر آپ کو اسلام سے جان خلاصی کرنا ہے تو صاف صاف اعلان کر دیں کہ یہ ایک لادینی سکولر سٹیٹ ہے۔ ورنہ یہاں تو حلال و

سلہ مباحث آئین ساز ۱۴ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۵۸

حرام کی بنٹ چھیڑنی ہوگی حرام سے بچنا ہوگا، ہمیں راستہ متعین کرنا ہوگا۔ پیرزادہ وزیر قانون نے زبانی یقین دہانی کر کے ترامیم واپس لینے کی اپیل کی، مگر مولانا عبدالحق نے واپس نہیں لی ان کا مقصد یہ تھا کہ آئین میں واضح طور پر ضمانت ملنی چاہیے۔ کہ مسلم تعلیمی اداروں میں تمام لادینی سرگرمیوں اور کمیونزم اور قادیانیت، مسیحیت الحاد اور مغربیت کی روک تھام کی جا سکے اور مشنری ادارے اس صورت میں اپنے نظام تعلیم کو چلائیں۔ جب ان کی اداروں میں مسلمان بچے نہ ہوں۔

تقریر و تحریر کی آزادی دفعہ ۱۸

اس کا تعلق تقریر وغیرہ کی آزادی سے ہے کہ پاکستان کی سالمیت دفاع امن عامہ وغیرہ کے تابع ہر شہری کا یہ بنیادی حق ہوگا۔ مولانا عبدالحق مدظلہ کی ترمیم ۲۲۶ یہ تھی کہ ان تنبوعات میں اسلام نظریہ پاکستان اور اکابر اسلام کا بھی اضافہ کیا جائے تاکہ کسی شہری کو بنیادی نظریہ اسلام اور اکابر اسلام کی توہین کی اجازت نہ ہو۔ یہ ترمیم بھی نظر انداز کر دی گئی۔

مذہب پر عمل اور تبلیغ۔ دفعہ ۱۹

کا تعلق ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے سے متعلق تھا جو غیر مبہم طور پر ارتداد کی ممانعت نہیں کر رہا تھا بلکہ ایک حد تک تبلیغ ارتداد کی چھوٹ دے رہا تھا۔ اس پر بڑی گرما گرمی ہوئی۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی ترمیم ۳۳۵ کے الفاظ یہ تھے، لیکن ایسا حق انسداد ارتداد سے متعلق کسی قانون پر نظر انداز نہیں ہوگا۔ بلکہ ایسے افکار و نظریات کی اشاعت پر پابندی عائد کی جا سکے گی جو مملکت کے اسلامی اصولوں کے انہدام کے باعث ہوں۔

تعلیمی اداروں کے تحفظات دفعہ ۲۱

اس دفعہ کا تعلق مذہب وغیرہ کے بارے میں

تعلیمی اداروں سے متعلق تحفظات سے متعلق تھا۔ مولانا کی ترمیم یہ تھی کہ کسی تعلیمی ادارے میں خلاف اسلام تعلیم و تبلیغ کی اجازت نہ ہوگی الّا یہ کہ وہ ادارہ غیر اسلامی فرقے کے لیے مختص ہو۔ اس میں مسلمان شہری تعلیم نہ پاتے ہوں۔

جائداد و املاک۔ دفعہ ۲۳

اس دفعہ کا تعلق جائداد کے متعلقہ احکام سے تھا۔ کہا گیا تو یہ کہ ہر شہری کی جائداد کا تحفظ کیا جائے گا، مگر آگے کئی شقات اور ذیلی دفعات میں یہ سب کچھ مستثنیات سے تھے کہ حکومت اور پارلیمنٹ بلا روک ٹوک جب چاہے جس طرح چاہے جائداد ضبط کر سکتا ہے معاوضہ کا تعین کرے یا نہ کرے یا ملکیت کی تحدید کرے اور شہری کسی عدالت کا دروازہ بھی نہیں کھٹکھٹا سکے یہ دفعہ ایک ایسی سیف برآن ہے جو ملک کے ہر امن پسند شہری کے املاک اور جائداد پر لٹکتی رہے گی اور ایک اسلامی سیٹ کے شہری ہمیشہ اپنے املاک کے بارے میں احساس تحفظ سے محروم رہیں گے، نہ اس میں جائز اور ناجائز املاک کی تمیز نہ ظالمانہ استحصال اور جائز استحصال کی اس پر بہت سی ترامیم ہر مکتب فکر سے آئیں۔ مولانا عبد الحق کی ترامیم ۲۴۸، ۲۶۳، ۲۵۵ میں دفعہ ۲۳ کی ذیلی دفعہ ۳ کی شق ا ث ج حذف کرنے سے متعلق تھیں کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے جائداد کے تحفظ سے متعلق دفعہ عملاً کالعدم کر دی گئی۔ اسی بارہ میں مفتی محمود صاحب کے ساتھ آپ کی مشترکہ ترمیمیں بھی تھیں۔ شق ۳ کے پیراپ کے آخر میں اضافہ کرانے کے بارہ میں مولانا عبد الحق کی ترمیم ۲۵۵ یہ تھی کہ استثناء صرف اس صورت میں ہونا چاہیئے کہ (کوئی قانون جو غیر اسلامی ذرائع سے حاصل کی گئی دولت یا جائداد کو اس کے اصل مستحقین جائز مالکان کو واپس کرنے کے لیے وضع کیا جائے گا) مقصد یہ تھا کہ جبری ضبطی صرف حرام اور ظالمانہ دولتوں کی ہو سکتی ہے وہ بھی بہ حق سرکار نہیں بلکہ اصل حقداروں تک پہنچانے کی غرض سے ذیلی دفعات مالکان کو کسی عدالتِ عالیہ میں معاوضہ کے بارہ میں شکایت

کا حق بھی چھین رہی تھیں ، اس کے بارہ میں مولانا عبدالحق صاحب نے ترمیم ۲۶۳ داخل کرائی تھی کہ دفعہ ۲۳ کی شق ۴ کو حذف کرکے یہ شق بڑھا دی جائے کہ (۴) ذیلی شق ۲ کے تحت ادا کردہ کسی معاوضہ کے مناسب ہونے سے متعلق کسی تنازعہ کا فیصلہ عدالتِ عالیہ اپنے ابتدائی اختیارات سماعت کے تحت کرے گی ، مگر جائداد کی ضبطی کی یہ دفعہ ۲۳ بڑے جوش و خروش سے سرکاری پارٹی نے تالیوں کی گونج میں منظور کرالی

جنس مذہب وطن میں عدم امتیاز دفعہ ۲۶

یہ ہے کہ تمام مقامات میں داخلہ سے متعلق جنس ذات مذہب یا نسل کی بناء پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ یہ دفعہ جنس یعنی مرد اور عورت عام مجامع مجالس اور تفریح گاہوں وغیرہ میں بے محابہ اختلاط مخلوط تعلیم مخلوط تفریح جیسی تمام باتوں کو آئینی حیثیت دے رہا تھا جبکہ اسلام حجاب و پردہ اور عدم اختلاط پر لازمی زور دے رہا ہے اس سلسلہ میں ترامیم ضروری تھیں مولانا عبدالحق کی ترمیم ۲۸۱ میں کہا گیا تھا کہ (اس دفعہ میں فحاشی اور بداخلاقی کی روک تھام کے لیے) امتیاز برتنے کی گنجائش رکھی جائے۔ ترمیم ۲۸۰ میں مقصد (امن عامہ اور اخلاقیات کی ماسوی) اسے حاصل کرنا چاہا۔

ملازمتوں میں عدم امتیاز دفعہ ۲۷

جس کا مقصد یہ ہے کہ ہر قسم کی ملازمتوں اور انتخابی عہدوں پر نسل و مذہب و جنس ذات وغیرہ کی بناء پر امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ یہ دفعہ بھی مردوں عورتوں نیز مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز کر رہا تھا۔ جب اسلامی سٹیٹ میں غیر مسلموں کو ملک کی بقاء و استحکام سلامتی نیز قضا و قیام عدل جیسے کلیدی مناصب ہرگز نہیں دیے جاسکتے کہ اسی میں ملک کی بھلائی ہے نہ کوئی کافر شرعاً ولایت عامہ پر فائز کیا جاسکتا ہے۔ عورتوں کو بھی ہر قسم کی ذمہ داریوں میں برابر کا شریک

ٹھہرانا فطرت سے مقابلہ ہے نہ مساوات کے نام سے قدرت کی پیدا کردہ استعداد اور قوت ختم کرائی جا سکتی ہے اور نہ مساوات کے نام پر غیر مسلموں کو نازک ترین ذمہ داریوں میں شریک ٹھہرا کر سٹیٹ کی بنیادوں پر تیشہ چلایا جا سکتا ہے۔ مرزائی ریشہ دوانیاں ہماری سامنے ہیں۔ ایسے کلیدی مناصب کا تحفظ نہایت ضروری تھا۔ پھر یہ دفعہ اپنے عمومی لحاظ سے نہ صرف کافروں بلکہ عورتوں تک کو ملک کی صدارت تک فائز ہونے کا جواز مہیا کر رہا تھا۔ جس کا ذکر بعد میں عورتوں کی صدارت کا ذکر آنے پر پیرزادہ صاحب نے خود بھی کیا اور اس دفعہ پاس کیے جانے کے بعد اس کا حوالہ دیا گیا کہ اب عورتوں کو بھی صدر بننے کا حق مل گیا ہے۔ بہر حال یہاں بھی فریضۂ حق ترامیم کی شکل میں ادا کیا گیا۔ مولانا مفتی محمود صاحب مولانا عبدالحق صاحب اور دیگر ارکانِ جمعیت کی مشترکہ ترمیم ۲۸۴ میں کہا گیا تھا کہ اس میں الفاظ ماسوی کلیدی آسامیوں کے شامل کیے جائیں۔ اس مقصد کو ملحوظ رکھنے والی دوسری ترمیم مولانا عبدالحق کی مستقل ترمیم تھی چونکہ اس دفعہ کی شق ۱ میں خود استثناء کیا گیا تھا کہ کسی مخصوص عہدے اور ملازمت کے مفاد میں ایک جنس کے افراد کے لیے تخصیص کی جا سکتی ہے تو مولانا عبدالحق مدظلہ نے اپنی ترمیم ۲۸۹ میں یہ بھی اضافہ کرانا چاہا کہ جنس کی طرح کسی (خاص مذہب) یا مذہب کے افراد کی جانب سے مناسب طور پر (اسلام کی رو سے) بھی تخصیص ہونی چاہیے۔

پالیسی کے رہنما اصول

بنیادی حقوق کے بارہ میں خلاء

بنیادی حقوق کا حصہ دفعہ ۲۷ پر ختم ہوا آگے دفعہ ۲۹ سے حکمت عملی یعنی پالیسی کے رہنما اصول کا حصہ شروع ہوتا ہے جس کی حیثیت محض ایک خوشنما بورڈ یا جسٹس منیر کے الفاظ میں کسی پارٹی کے انتخابی منشور اور ماٹو جیسی ہوتی ہے جس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔ نہ

اسے کسی عدالت میں چیلنج کرایا جا سکتا ہے عوام کے معاشی سماجی اور فلاحی بہبود نیز اسلامی طریق زندگی، علاقائی تعصبات کی حوصلہ شکنی، سماجی برائیوں، شراب، جوا، قمار، عصمت فروشی کے خاتمہ کی کوشش کا کچھ ذکر بڑی قیودات اور تابعات کے ساتھ کیا بھی گیا ہے۔ تو وہ آئین کے اسی غیر آئینی حصہ میں جبکہ عوام کی سماجی، معاشی اور فلاحی اصلاح اور حکومت کا بنیادی فریضہ ہوتا ہے۔ اسی لیے نہ تو اس پر عمل کرایا جا سکا۔ اس کے لیے ضروری تھا بنیادی ضروریات کو بنیادی حقوق میں اولین مقام دیا جاتا۔

بنیادی حقوق سے متعلق ۲۲ دفعات میں ایسا مخفی سے مخفی چور دروازہ بھی بڑی احتیاط سے بند رکھا گیا ہے۔ جس سے گزر کر آپ اسٹیٹ کے خلاف کسی عدالت عالیہ میں اپنے ان بنیادی حقوق اور ضروریات کی فریاد رسی کر سکیں۔ یہاں جب بنیادی حقوق کی توجہ اسی کمی کی طرف دلائی گئی تو بڑی جرأت سے پالیسی کے رہنما اصول کا حوالہ دے کر ایسی تمام ترامیم کو مسترد کر دیا گیا۔ بہر تقدیر بنیادی حقوق کا حصہ ختم ہونے پر آئین میں اس خلاء کو پُر کرانے کے بعد متعدد ترامیم سامنے آئیں۔ مولانا مفتی محمود، مولانا عبدالحق مدظلہ العالی وغیرہ کی مشترک ترمیم ۲۹۶ کا تعلق انہی باتوں سے تھا کہ قوم کی معاشی، سماجی، دینی، اخلاقی اور معاشرتی فلاح و بہبود سے متعلق دفعات بنیادی حقوق کے حصہ میں بڑھا دیے جائیں

زکوٰۃ، مساجد اور اوقاف۔ دفعہ ۳۱

اسی میں اسلامی طریق زندگی کے سلسلہ میں اسلامی تعلیم کو لازمی قرار دینے، اخلاقی معیاروں کی تعمیل کے فروغ اور زکوٰۃ اوقاف مساجد کی مناسب تنظیم اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھنے کی سہولتیں فراہم کرنے کیلئے دورے کیے گئے ہیں۔ مولانا عبدالحق مدظلہ نے اس دفعہ میں زکوٰۃ مساجد اور اوقاف کی تنظیم سے متعلق دفعہ کو اپنی ترمیم ۳۱۷ سے (اسلامی احکام کے مطابق) پابند کرانا چاہا اور اس پر تقریر کی دوسری جگہ شریک اشاعت ہے۔

خواتین کی رضاکار تنظیمیں

اس دفعہ پر بحث کے دوران دوسرے دن مولانا عبدالحق مدظلہٗ اپنی تقریر میں نسیم جہاں کی خواتین کے لیے مجوزہ رضاکارانہ تنظیموں کے بارے میں کہا کہ اگر خدانخواستہ عورتوں کی ایسی رضاکار تنظیمیں آج بھارت کے قبضہ اور قید میں ہوتیں تو ہمارا کیا حشر ہوتا اور خواتین افواج کے ہاتھوں ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ ہوتے۔

تمام شعبوں میں عورتوں کی شمولیت دفعہ ۳۶

اس کا مقصد قومی زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی مکمل شمولیت کو یقینی بنانے کے اقدامات کے بارہ میں ہے، جنس کے لحاظ سے نامناسب پیشوں پر مجبور نہ کرنے کا ذکر ہے اس پر تقریر کرتے ہوئے مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے اس کھلے تضاد کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ دراصل ہر شعبہ میں مکمل نمائندگی کی بات فطرت کا مقابلہ ہے۔ اور ۳۹ میں مذکورہ شق میں ہم خود مان رہے ہیں کہ عورتیں زندگی کے ہر شعبہ میں شمولیت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ اسلئے دفعہ ۳۶ کی اس کلی مساوات کو مشروط اور محدود کرنا ضروری ہے۔

معاشی تعلیمی مفادات اور سماجی برائیوں کا خاتمہ دفعہ ۳۹

اس میں پسماندہ علاقوں کی پسماندہ طبقات ملک کے تعلیمی معاشی مفادات کے فروغ شراب، جوا، زنا فحش ادب اور دیگر سماجی برائیوں کے خاتمہ کا ذکر اس آغاز سے کیا گیا کہ مملکت ایسا کرنے کی کوشش کرے گی" یہاں مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی ترمیم ۳۳۱[1] یہ تھی کہ ابتدائی سطور کو اس طرح تبدیل کیا جاوے کہ (مقتضیات اسلام کے مطابق مملکت کے لیے لازم ہوگا) اس تحریک پر اپنی تقریر میں واضح کیا کہ کوشش اور لینے میں کیا فرق ہے انھوں نے کہا کہ کوشش تو انگریزی دور میں بھی ہوتی ہے۔ یہ تقریر شریک کتاب ہے۔ (اس دفعہ کی شق ج اور ح میں عصمت فروشی ،

[1] مباحث آئین ساز ص۱۳۵۱ ۱۸ مارچ ۱۹۷۳ء

قمار بازی اور دیگر سماجی خرابیوں کی روک تھام کا تھا۔ مولانا عبدالحق صاحب نے اپنی ترمیم ۳۴۵[1] کے اس میں یہ ترمیم کرانی چاہی کہ (ج یوم آغاز کے فوراً بعد عصمت فروشی، قمار بازی، منشیات کا استعمال، فحش ادب اور اشتہارات کی طباعت، نشر و اشاعت اور نمائش کی مکمل روک تھام کرے)
اس دفعہ میں نشہ آور مشروبات کی مکمل روک تھام کے بارہ میں آپ کی ترمیم بھی تھی۔[2]

نظام و نصاب تعلیم کی اصلاح عربی زبان کا فروغ منکرات استیصال کیلئے نئے دفعات

دفعہ ۳۹ میں مولانا عبدالحق صاحب اپنی ترمیم ۳۵۵[3] کے ذریعہ حسب ذیل نئے پیرے شامل کرانا چاہتے تھے، ملک میں مروجہ نظام و نصاب تعلیم کے ہر شعبہ کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرے، (د) قومی اور علاقائی زبانوں کے ساتھ عربی زبان کو مسلمانوں کی مشترک دینی زبان کی حیثیت سے فروغ دے (ڈ) تمام معروفات کو فروغ دے اور تمام منکرات کو مٹائے۔

اپنی ترمیم کی تشریح میں مولانا عبدالحق مدظلہ نے کہا کہ ۲۶ سال گذرنے کے بعد بھی انگریزی نصاب اور نظام تعلیم کی بدولت انگریزی تہذیب و تمدن اور مغربی طور طریقے ہم پر مسلط ہیں۔ اس تعلیم کی وجہ سے ذہنیت بدستور غلامانہ ہے۔ اس لیے ہر شعبہ کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنا چاہیے۔ زبان کا بھی یہی معاملہ ہے۔ ہزاروں میل دور سے غاصبانہ تسلط جمانے والی قوم کی انگریزی ہم پر مسلط ہے۔ تو عربی کو جو خدا کی وحی رسول کی زبان اور تمام اسلامی ذخیرہ اور ورثہ کی زبان ہے۔ کیوں اہمیت کی مستحق نہیں۔ اسی طرح معروفات کی فروغ اور منکرات مٹانا اسلامی اسٹیٹ کا حسب ارشاد خداوندی اولین فریضہ ہے۔[4]

سودی نظام دفعہ ۴۰

اس دفعہ کی شق (ش) میں ربا کو جتنی جلد ممکن ہو ختم کرنے کا ذکر ہے۔ (ربوا جیسی لعنت کا ذکر وعدوں کے باب میں اور پھر صرف "جتنی جلد" کے الفاظ ہیں) بعض پچھلے دساتیر میں بھی چلا آرہا ہے اس جتنی جلدی کا تعین ضروری ہے۔ مولانا عبدالحق صاحب نے ترمیم ۳۴۷[5] میں تحریک

---

[1] مباحث آئین ساز ص ۱۳۶۱ ۱۵ مارچ ۱۹۷۳ء [2] ایضاً ص ۱۳۶۴ [3] ایضاً ص ۱۳۶۶ [4] ایضاً ص ۱۴۰۶، ۱۴۰۷ [5]

فرمائی کہ ربوا کو زائد سے زائد تین سال میں ختم کرے اور اس لیے ماہرین شریعت اور اقتصادیات کی ایک کمیٹی ترتیب دے جو موجودہ بنک سسٹم کو غیر سودی بنیادوں پر اسلامی اصول کے مطابق تبدیل کر دے) مولانا نے اپنی تقریر میں کہا کہ اکتناز دولت اور استحصال ختم کرنے کی دعوے دار عوامی حکومت کا تو بہرحال بنیادی فریضہ ہے کہ سود کو یکسر ختم کرا دے پھر سودی نظام کے بارہ میں جب خدا کی طرف سے اعلان جنگ ہے تو بحیثیت مسلمان جلد از جلد اس سے چھٹکارا لازم ہے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ ملک ہی اس لعنت کی وجہ ہو جاوے۔

آئین کا حصہ سوم۔ باب اوّل

(صدر)

اس حصے کا تعلق صدر پاکستان کی اہلیت، مذہب، عہدے کا انتخاب، حلف، عہدے کی شرائط اور میعاد سزاؤں کی تخفیف کے اختیارات صدر کی برطرفی وزیر اعظم کے مشورہ پر عمل کرنے کی پابندی اور چیئرمین یا سپیکر کے صدر کے قائم مقامی وغیرہ امور سے ہے۔

صدر کا مسلمان مرد ہونا، دفعہ ۴۴

اس ذیل میں کہا گیا ہے کہ کوئی شخص بجز اس کے صدر کے انتخاب کا اہل نہ ہو گا۔ جب تک وہ ۴۵ سال کی عمر کا مسلمان اور قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہونے کا اہل ہو۔ یہاں علماء کی طرف سے دو قسم کی ترمیمیں آئیں۔ ایک یہ کہ صدر کم از کم ۴۵ سال کی بجائے چالیس سال کافی ہے۔ دوسری یہ کہ صدر کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے۔ تیسری بات کا تعلق صدر کی دینی اور اخلاقی اہلیت سے تھا۔

مولانا عبدالحق صاحب کی ترمیم ۴۴۱[۵] اور جمعیۃ علماء اسلام کی مشترکہ ترمیم ۴۴۲ کہ صدر کے لیے کم از کم چالیس سال کا مرد ہونا ضروری ہے۔

---

[۵] مباحث ۱۶ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۴۱۳، ۱۴۱۴ نیز ص ۱۴۲۳ تا ص ۱۴۲۵

محرکین نے اپنی تقریروں میں زور دیا کہ اسلامی اصول کے مطابق عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ مولانا عبدالحق صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ چالیس سال کی عمر میں انبیاء کرام کو نبوت مل سکتی ہے تو خلیفہ اسلامی کے لیے جو نائب رسول ہوتا ہے۔ یہی عمر کافی ہے اور اس کا مرد ہونا اس لیے لازمی ہے کہ اس کے ذمے آئین کی نگرانی ہے۔ دوسری اقوام سے معاہدات صلح اسلامی امور کی نگرانی کافروں سے مقابلہ۔ افواج کی تنظیم جیسی گرانبار ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ اس لیے صدر شجاعت اور مردانگی کا مظہر ہونا چاہیے۔

حضور نے فرمایا کہ ایسی قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس کی امیر عورت ہو۔ مرد ہی مسلح افواج کا سربراہ ہو سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر ایک خاتون رکن کی تجویز کے مطابق فوج میں عورتیں ہوئیں اور وہ بھارت کی قید میں چلی جائیں تو کیا ہوتا۔ بہر حال صنفِ نازک کو صدارت کی ذمہ داری نہیں سونپی جا سکتی۔

صدارت کی اہلیت

مولانا عبدالحق صاحب کی ترمیم ۲۴۷ یہ تھی کہ دفعہ ۴۴ کی شق ۲ میں مندرجہ ذیل نئی شق کا اضافہ کیا جائے کہ (صدر کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ دینی اور دنیوی علوم میں مہارت اور خدا ترسی دیانت، فرائض کی پابندی اور منکرات سے اجتناب میں عام مسلمانوں سے ممتاز ہو) اسلام کے نقطۂ نگاہ میں صدر کی ایسی اہلیتوں کا مقام کتنا ہی بنیادی اور ضروری کیوں نہ ہو یہاں دستور ساز نے صدر کو اس کا پابند بنانے سے متعلق ایسی تمام ترامیم مسترد کر دیں۔

صدر کے اختیارات، دفعہ ۴۸

اس کا تعلق صدر کے معافی وغیرہ دینے کے اختیارات سے ہے کہ وہ عدالت کی دی گئی سزاؤں میں معافی، مہلت، التواء دے سکتا ہے۔ اسے معطل کر سکتا ہے اور اس میں

تخفیف بھی کر سکتا ہے۔ چونکہ شریعت اسلامی کی نظر میں ایسا کوئی اختیار صدر کو حدود و قصاص اور حقوق سے وابستہ امور میں حاصل نہیں، اس طرح اسلام کا نظام عدل و انصاف یقیناً مجروح ہو جاتا ہے۔ حدود کے معافی اور تخفیف سے تو حضورؐ نے بھی علانیہ معذرت ظاہر کی مگر یہاں غیر اسلامی دساتیر کی تقلید میں صدر کو ایسی تمام سزاؤں کا یک لخت کالعدم قرار دے سکنے کا حق دیا جا رہا تھا جو صریحاً اسلامی احکام کے منافی تھا۔ اس لیے بے شمار ترمیمیں اس غرض سے داخل ہوئیں۔ مولانا عبدالحق صاحب کی ترمیم ۴۶۸[1] یہ تھی کہ اس دفعہ میں اسلامی حدود اور قصاص کا استثناء ضروری ہے چوہدری ظہور الٰہی کی ترمیم ۴۶۷ یہ تھی کہ یہ اختیار قرآن و سنّت اور اس سلسلہ کے قانون کے تابع ہو۔ مفتی محمود مولانا عبدالحق کی مشترکہ ترمیم ۴۷۳ یہ تھی کہ ایسا اختیار حدود و قصاص اور حقوق العباد کے بارہ میں اسلام کے مقرر کردہ تعزیرات کے معاملات پر وسعت پذیر نہیں ہوگا۔

محرکین اور مخالفین نے زوردار تقریریں کیں۔ مولانا عبدالحق صاحب نے وضاحت سے اپنا موقف پیش کیا کہ حدود و قصاص قطعی احکام کی نوعیت میں تبدیلی ممکن نہ ہو۔ مفتی محمود نے حدود قصاص کی مفصل تشریح کی اور کہا چار جرائم زنا، شراب نوشی کی سزاؤں میں کسی کو معافی یا تخفیف کا حق حاصل نہیں اور قصاص ورثہ کی مرضی پر ہے نہ کہ حکومت کی۔

اخلاقی نا اہلیت دفعہ ۵۰

اس میں کہا گیا ہے کہ صدر کو جسمانی۔ دماغی نا اہلیت یا آئین کی خلاف ورزی یا سنگین غلط روی کے الزام میں برطرف کیا جا سکے گا۔ اگلی آٹھ ذیلی دفعات میں برطرفی کے طریق کار کا ذکر ہے مولانا عبدالحق صاحب نے اصل دفعہ میں یہ ترمیم ۴۸۴ کرانی چاہی کہ جسمانی یا دماغی یا اخلاقی نا اہلیت کی بنیاد پر حلف میں دیے گئے معتقدات اور نظریات بدل دینے پر یا نظریۂ پاکستان کی مخالفت میں شہرت پا لینے پر۔ الخ۔ بھی برطرف کیا جا سکتا ہے۔ اگلی ترمیم ۴۸۵ میں مولانا عبدالحق صاحب نے اس ترمیم

---

[1] تقریر ملاحظہ ہو مباحث ۱۱ مارچ ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۴۴۷ [illegible] صفحہ ۱۴۴۸ [2] مباحث مارچ ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۴۹۶

کی تشریح فرمائی تھی کہ اس شق کی اغراض کے لیے اگر کوئی شخص مسلمان نہ رہے یا دفعہ ۴۵ میں مذکورہ حلف میں محولہ کسی بھی عقیدے کی خلاف ورزی کرے تو وہ اعتقادی نا اہلیت کا سزاوار ہوگا۔

مولانا عبدالحق نے اپنی تقریر میں کہا کہ جہاں ہم جسمانی ذہنی اور دیگر باتوں میں عدم اہلیت کی وجہ سے اسے برطرف کر سکتے ہیں تو اعتقادی خرابی کو بھی اس دفعہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے تاکہ ہٹانے کے لیے دیگر جوازوں کے ساتھ دین سے منحرف ہوتے یا حلف کے تقاضوں سے منحرف ہونے پر بھی اسے ہٹایا جا سکے۔

صدر کا وزیر اعظم سے مشورہ دفعہ ۵۱

اس دفعہ میں ہے کہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں صدر وزیر اعظم کے مشورہ اور اس کے مطابق عمل کرے گا اور وہ ایسے مشورہ کا پابند ہوگا۔ نیز صدر کے احکامات تب باضابطہ ہوں گے کہ اس پر وزیر اعظم کے دستخط ہوں۔

اس دفعہ میں زیادہ تر ترمیمات کا مقصد بھی اسے اسلامی اور جمہوری بنانا تھا۔ مفتی محمود صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب[۱] کی مشترک ترمیم ۵۰۸ میں اصل دفعہ کی مخالفت تو نہیں تھی۔ البتہ انھوں نے ترمیم کے ذریعہ یہ اضافہ کرانا چاہتا تھا کہ (الا یہ کہ صدر آئین کے احکام کی پابندی کے سلسلہ میں وزیر اعظم سے مواخذہ کر سکے گا) صدر کے احکام کی باضابطگی وزیر اعظم کے دستخطوں پر موقوف رکھنے کی بھی ترمیمات ۵۱۳ سے لے کر ۵۲۵ تک مخالفت کی گئی تھی اور سب میں اس کے حذف یا تبدیلی پر زور دیا گیا تھا۔ ایک ترمیم یہ تھی کہ صدر وزیر اعظم کا مشورہ تب قبول کرے جب وہ قرآن و سنت کے مطابق ہو۔ مولانا عبدالحق اور مفتی محمود صاحب نے یہ مطالبہ دہرایا کہ صرف ایسے مشورے قبول ہوں جو کتاب و سنت کے مطابق ہوں۔

مولانا عبدالحق صاحب نے اپنی ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ایک طرف تو ہم صدر کو اسلامی حدود و سزاؤں اور صریح احکام میں دست اندازی کا حق صرف اس بنیاد پر دیتے ہیں کہ

---

[۱] مباحث ۱۱ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۵۰۰ تا ۱۵۰۱

دیگر اقوام کے ہاں ایسا ہو رہا ہے۔ جبکہ ہمارا ملک اور آئین اسلامی ہے یہاں بالادستی خدا و رسول کو ہے مگر ہم صدر کو ان احکامات کے بدلنے کا اختیار دینے سے بھی نہیں شرماتے لیکن یہاں ہم صدر کو اتنا پابند بناتے ہیں کہ وہ محض وزیراعظم کا پی۔ اے بن جاتے۔ صدر ڈکٹیٹر نہیں ہونا چاہیے، لیکن اگر وہ ہر بات میں وزیراعظم کے رحم و کرم پر رہ جائے تو بالواسطہ صدارت بھی اسی پارٹی کے تمام تر مفادات میں محصور ہو کر رہ جائے گی۔ جس پارٹی کو وزارت عظمیٰ حاصل ہے دونوں ایک پارٹی کے حقوق کے محافظ ہو جائیں گے۔ جبکہ دوسروں کو حق تلفی سے بچانے کے لیے صدر کا غیر جانبدار رہنا ضروری ہے اس لیے پارلیمانی نظام کی بناء پر اگر اختیارات وزیراعظم کے پاس رکھنا بھی ہیں تو صدر کو یہ حق تو دینا چاہیے کہ آئین کی خلاف ورزی کی صورت میں وہ وزیراعظم سے محاسبہ کر سکے گا۔ دفعہ کی لفظی اصلاح کرتے ہوئے مولانا عبدالحق نے کہا کہ یہاں مشورہ کا لفظ بھی موزوں نہیں کیونکہ مشورہ کی پابندی لازمی نہیں ہوتی تو مشورہ اور پھر اس کی پابندی اجتماع ضدین ہے۔ اگر دفعہ رکھنا ہی ہے تو صرف اتنا کافی ہے کہ صدر وزیراعظم کے احکام کا تابع ہوگا۔

چیئرمین اور سپیکر کے لیے مسلمان کا شرط دفعہ ۵۲

اس دفعہ میں یہ ہے کہ صدر کا عہدہ خالی ہو جانے کی صورت میں سینٹ کا چیئرمین یا قومی اسمبلی کا سپیکر قائم مقام صدر ہوگا۔ جب تک نئے صدر کا انتخاب نہیں ہوتا۔ کلیدی مناصب کے لیے ویسے بھی مسلمان ہونا ضروری ہے پھر جبکہ عہدہ ایسا ہو کہ اس پہ فائز شخص بطور نیابت صدارت کے عہدہ پر بھی فائز ہو سکے جس کے لیے مسلمان ہونا لازمی شرط مان لی گئی ہے۔ اس لیے یہاں مولانا عبدالحق کی ترمیم ۵۲ یہ تھی کہ چیئرمین اور سپیکر کے ساتھ لفظ مسلمان درج کیا جائے مگر صدر دستوریہ نے مشورہ دیا کہ اس ترمیم کو سپیکر سے متعلق دفعہ ۵۶ پر ملتوی کر دیں۔ دوسرے دن مولانا نے تحریک استحقاق پر کہا کہ اخبارات نے اس ترمیم کی واپسی کا

ناٹر دیا ہے جبکہ میں کسی ایسی ترمیم کو ہرگز واپس نہیں لوں گا جس کا مقصد اسلامی اصولوں پر عمل درآمد کرانا ہو۔ چاہے ایوان اسے رائے شماری میں مسترد کر دے۔

باب دوم

پارلیمنٹ

اس باب کا تعلق قومی اسمبلی، سینٹ کی تعداد ارکان، اہلیت انتخاب، میعاد اسمبلی سپیکر ڈپٹی سپیکر، اجلاس طلب کرنا، رائے شماری، کورم، قومی اسمبلی کا توڑنا، سینٹ، چیئرمین اور ارکان یا پارلیمنٹ کے بارہ میں تصریحات سے ہے۔

خواتین کی نشستیں دفعہ ۵۴

اس دفعہ کے آخر میں عورتوں کے لیے دس مخصوص نشستیں محفوظ کرنے کا ذکر تھا۔ مولانا عبدالحق صاحب نے اپنی ترمیم ۵۵۳ میں عورتوں کی ایوان میں نمائندگی کی سرے سے مخالفت کرتے ہوئے اس دفعہ کی شق ۴ کو حذف کرنے پر زور دیا۔

قبائلی علاقوں کی نشستیں دفعہ ۵۴ شق ۶

اس دفعہ کی شق ۶ میں قبائلی علاقوں کی نشستیں پُر کرنے کا طریقِ کار صدر پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس طرح وہاں کے عوام کی مرضی کے بغیر اور بالغ رائے دہی کے طریقِ کار کو چھوڑتے ہوئے سلیکشن کے ذریعہ ایسے افراد نامزد کر کے آجاتے ہیں جو عوام کے سامنے تو اسلام کے لیے لڑ مرنے کا حلف اُٹھا اُٹھا کر اسمبلی میں آجاتے ہیں، لیکن یہاں آکر وہ حکومت کے لیے ٹرپ کا پتہ ثابت ہو جاتے ہیں۔

مفتی محمود صاحب، مولانا عبدالحق کی مشترکہ ترمیم ۵۵۲ میں کہا گیا تھا کہ اس طریق کار سے متعلق ذیلی دفعہ ۶ حذف کر دی جائے۔ مزید کئی ایک ترامیم میں ارکان نے قبائلی علاقوں کے لیے انتخابی طریق کار وضع کرنے کا حق صدر کی بجائے قومی اسمبلی کو دینے پر زور دیا تھا۔ مخصوص قبائلی نشستوں کے علاوہ خواتین کی ریزرویشنوں کی تقسیم سے بھی توازن قائم نہیں رہتا۔ اس لیے حزب اختلاف کی ترامیم میں تھا کہ ہر صوبے کے لیے کم از کم ایک نشست مخصوص کرانا ضروری ہے اور جہاں زیادہ خاتون ارکان کا انتخاب کرنا ہو۔ یہ انتخاب واحد ناقابل انتقال ووٹ کے ذریعہ متناسب نمائندگی کے طریق کار کے مطابق ہوگا۔

سپیکر، ڈپٹی سپیکر دفعہ ۵۶، ۵۷، ۵۸

اس کا تعلق قومی اسمبلی کے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر سے ہے۔ مولانا عبدالحق مدظلہ کی ترمیم ۶۰۰ اور مفتی محمود، مولانا عبدالحق، ترمیم ۵۹۸ میں مشترکہ طور پر سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کے عہدہ کو مسلمان سے مقید کرانے پر زور دیا گیا تھا۔ یہاں سپیکر صاحب کے حسب وعدہ مولانا عبدالحق نے اپنی ملتوی شدہ ترمیم پیش کر دی[1] مولانا کا اصرار تھا کہ جب وہ صدر کا قائم مقام ہو سکتا ہے جس کے لیے مسلمان ہونا ضروری شرط ہے تو نائب کو بھی اس شرط کا پابند بنا دینا چاہیے۔ ورنہ اسلامی سلطنت کے سب سے بڑے کلیدی منصب کا چند دنوں کے لیے بھی غیر مسلم کے پاس جانا ملکی مفاد کے خلاف ہوگا۔

قومی اسمبلی کو توڑنے کا مسئلہ دفعہ ۶۱

قومی اسمبلی کو توڑ دینے کا مسئلہ سراسر وزیر اعظم کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس بارہ میں کئی اہم ترامیم تھیں۔ مولانا مفتی محمود مولانا عبدالحق کی ترمیم ۶۴۰ میں صدر اور وزیر اعظم کے ایسے اقدام کو اسی طرح مشروط کرنا چاہتے تھے کہ جب قومی اسمبلی میں حزب اقتدار و اختلاف

---

[1] مباحث اسمبلی ۱۹ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۳۱۳۸

کی تعداد مساوی ہو اور اسمبلی اپنے مفوضہ امور کی انجام دہی میں مکمل طور پر ناکام ہو جائے۔ بزنجو صاحب کی ترمیم تھی کہ صدر وزیر اعظم کے مشورہ پر اس صورت میں اسمبلی توڑ سکے گا۔

سینٹ کے چیئرمین دفعہ ۶۳

یہ سینٹ کے چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین سے متعلق ہے۔ اس دفعہ میں بھی مفتی محمود صاحب اور مولانا عبدالحق کی مشترکہ ترمیم ۶۸۳ یہ تھی کہ ایسے چیئرمین کا مسلمان ہونا لازمی ہے۔ جبکہ وہ صدر کی غیر موجودگی میں قائم مقام صدر ہو سکتا ہے۔

ارکان پارلیمنٹ کی اہلیت[۵] دفعہ ۶۵۔۶۶

ان دفعات میں پارلیمنٹ کے ارکان کی اہلیت اور نا اہلیت سے متعلق امور کا ذکر ہے مولانا عبدالحق کی ترمیم ۶۸۹ میں کہا گیا تھا کہ دفعہ ۶۵ کے ذیل الف کے بعد رکن کی اہلیت کے لیے اس نئے پیراگراف کا اضافہ کیا جائے۔ ب۔ بجز اس کے کہ وہ اخلاق و کردار کے لحاظ سے یا پاکستان کے نظریاتی اساس مذہب اسلام کی مخالفت میں بری شہرت نہ رکھتا ہو۔

مولانا عبدالحق صاحب نے اپنی تحریک میں بڑی شدومد سے اس شرط کے اضافہ پر زور دیا۔ مگر سپیکر صاحب مصر تھے کہ اس کا فیصلہ کون کرے گا کیا ہم علماء سے کسی کے کردار کے بارہ میں فتوے لیں گے جو کبھی متفق نہیں ہو سکتے۔ مولانا عبدالحق فرماتے تھے کہ کئی دیگر شرائط اہلیت جب معلوم کی جا سکتی ہیں تو کسی رکن کا زانی، شرابی، سود خوار ہونا، قاتل ہونا اور بدکرداری میں شہرت یافتہ ہونا کیوں اتنی مبہم بات ہے کہ اس کا علم ہی نہ ہو سکے۔ مولانا نے کہا کہ جب اسلام کی بات آتی ہے تو وہ کیوں اختلافی نظر آنے لگتی ہے اور اگر الیکشن افسران دیگر اعتراضات پر کاغذات مسترد کرا سکتے ہیں۔ عدالتیں فیصلے کر سکتی ہیں تو ایک شہرت یافتہ مسلمہ بدکردار شخص کو ابتداء ہی سے پارلیمنٹ سے روکنے کی کارروائی کیوں

---

[۵] مباحث آئین ساز ص ۱۷، ۲۰ مارچ ۱۹۷۳ء نیز مباحث ص ۱۶۰۰، ۱۶۰۲

نہیں کی جا سکتی، مگر سپیکر صاحب نے لے دے کے بعد اس ترمیم ہی کو نامعقول قرار دے کر مسترد کر دیا۔ نیز مولانا عبدالحق کی مستقل ترمیم یہ تھی کہ اس صورت میں عدالت عالیہ میں استغاثہ کا حق ملنا چاہیے۔

آرڈی ننس

دفعہ ۹۲

اس دفعہ میں وفاقی حکومت کو حالات کے تقاضے کے مطابق آرڈی ننس وضع اور نافذ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ آرڈی ننس جس پر تین دن کے اندر صدر کے دستخط ضروری ہوں گے۔ پارلیمنٹ کے کسی ایکٹ کی طرح مؤثر ہوگا اسے چار ماہ کے اندر قومی اسمبلی میں پیش کرنا ضروری ہوگا۔ آرڈی ننس کی شکل میں جو کالے قوانین نافذ ہوتے رہے ہیں ان کے اثرات بد اب تک موجود ہیں نئے آئین میں ایسے قوانین کو تحفظ بھی دیا گیا ہے جسے نہ تو اسمبلی کی شکل میں قوم کا اعتماد دیا گیا نہ اس کے خلاف جمہور کے غم وغصہ کو درخور اعتنا سمجھا جاتا رہا۔ ان تلخ تجربات کو آئندہ کے لیے دہرانے پر اراکین حزب اختلاف کو مختلف شکلوں میں اپنی رائے ظاہر کرنا پڑی۔

آرڈی ننس[۱] کا اختیار مشروط کرنا

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی ترمیم ۸۸۲ یہ تھی کہ آرڈی ننس کے اختیارات کو اس بات سے مشروط کر دینا چاہیے کہ (بشرطیکہ وہ اس امر میں کتاب وسنت کی پابندی کرے قرآن وسنت کے نقیض کوئی آرڈی ننس نافذ نہ کرے) انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ جب آپ دفعہ ۲۲۷ کی بناء پر قرآن وسنت کے منافی قانون سازی نہ کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں تو اب چار ماہ تک غیر اسلامی قانون سازی کا دروازہ کھول رہے ہیں جبکہ ایسے دروازے

---

[۱] مباحث آئین ساز ۲۲ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۸۱۱

اب تک کسی قومی اسمبلی کے ذریعے بھی بند نہیں کیے جا سکتے عائلی قوانین جیسے آرڈیننس کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں انہوں نے ابوبکر صدیق رض کے پہلے خطبے کا حوالہ دیا جس میں اپنے ہر حکم کی اطاعت کو انھوں نے قرآن و سنت سے مشروط کر دیا تھا۔

مفتی محمود صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب نے ترمیم ۹۸۸ میں یہ شق حذف کرنے کو کہا تھا کہ صدر ایسے آرڈی ننسوں پر تین دن میں دستخط نہ کر سکا تو آرڈی ننس دستخط شدہ متصور ہوگا۔

گورنر کی تقرری اور اہلیت دفعہ ۱۰۴ تا ۱۰۸

گورنر کی تقرری حلف عہدے کے شرائط وغیرہ سے متعلق ان دفعات میں اسلامی اور جمہوری اہمیت سے متعلق اہم ترامیم یہ تھیں۔

مفتی محمود اور مولانا عبدالحق کی مشترک ترمیم ۱۰۱۶ میں اس کا انتخاب صوبائی اسمبلیوں پر چھوڑ دینے کا ذکر تھا۔

مولانا عبدالحق صاحب کی ترمیم ۱۰۲۲ یہ تھی کہ اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

حصہ ہفتم عدلیہ

حصہ ہفتم چار ابواب اور ۱۷۵ سے ۲۱۲ تک دفعات پر مشتمل ہے جس کا تعلق عدالت عظمیٰ عدالتوں (سپریم کورٹ ہائی کورٹ) ججوں کی تقرری شرائط اہلیت سبکدوشی اور انصاف سے متعلق دیگر امور سے ہے۔

ججوں اور چیف جسٹس کی اہلیت

مولانا عبدالحق صاحب کی ترمیم ۱۴۵۴ یہ تھی کہ چیف جسٹس لازماً مسلمان ہونا چاہیے

ترمیم ۱۴۶۹ بھی ضمنی طور پر اسی غرض سے متعلق تھی اس کے علاوہ مولانا عبدالحق نے سپریم کورٹ کے ججوں کے شرائط اہلیت میں ترمیم ۱۴۷۷ میں یہ اضافہ کرانا بھی ضروری سمجھا کہ ایسا کوئی شخص اس وقت تک عدالتِ عظمیٰ کا جج نہیں مقرر کیا جائے گا جب تک وہ دیگر شرائط مندرجہ کے علاوہ (اسلامی قانون اور اس کے بنیادی مآخذ قرآن و سنت فقہ سے پوری طرح واقف نہ ہو) دفعہ ۱۹۳ کا تعلق عام عدالتِ عالیہ کے ججوں کی تقرری سے ہے۔ مولانا عبدالحق صاحب نے یہاں ۱۵۱۹، ۱۵۲۰ کی شکل میں وہی ترامیم داخل کرائیں جو مسلمان مرد ہونے اور اسلامی قانون کے ماخذ اور اساس سے باخبر ہونے کے بارہ میں تھیں۔

"باب ہشتم الیکشن"

الیکشن پارٹی سسٹم پر ہو

ارکان اسمبلی نے الیکشن سے متعلق باب ہشتم میں ۱۵۹۷ تا ۱۶۰۷ ترامیم داخل کرائی تھیں، جمہوریت کی بقاء اسلام کے فروغ اور انتخابی اداروں کی نشوونما کے لیے لازمی ہے کہ انتخابات دیانتدارانہ اور آزادانہ ہو اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ انتخابات افراد کی بجائے پارٹی سسٹم کی بنیاد پر ہوں۔ (مفتی محمود صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب کی ترمیم ۱۶۲۹ یہی تھی)

آئین کا باب نہم "اسلامی احکام"

اس حصہ کی حیثیت ہمارے نزدیک گویا آئین کی روح جیسی ہے کیونکہ اس میں ۲۲۷ سے ۲۳۱ تک اسلامی دفعات شامل ہیں اور ابتداء سے علماء ارکان کی یہ سعی رہی کہ یہ حصہ زیادہ سے زیادہ مؤثر اور قوانین کو اسلامی بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ ضمانت مہیا کرنے کے

زیر بحث مسئلہ پر رائے دے گی اور یہ کہ کوئی مجوزہ قانون قرآن و سنت کے منافی تو نہیں نیز مروجہ قوانین کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لیے تجاویز مرتب کرے گی نیز اسلامی احکام کی ایک موزوں شکل میں شیرازہ بندی کرے گی جنھیں اسمبلیاں قانونی طور پر نافذ کر سکیں۔

در پیش مسئلہ کا جواب دینے کے لیے مدت متعین کرنا پندرہ دن کے اندر ضروری ہوگا (یعنی پندرہ دن میں جواب نہیں مشورہ دینے کی متعینّہ مدت کی اطلاع دے گی جو متعین نہیں کی گئی) اس دفعہ کی شق ۳ میں ہے کہ اگر عوامی مفاد میں ضروری ہوا کہ کونسل کے فیصلہ کا انتظار نہ کیا جائے تو اسمبلی قانون سازی ملتوی نہیں کرے گی۔

کونسل تقرری کے سات سال کے اندر حتمی رپورٹ پیش کرے گی۔ نیز سالانہ عبوری رپورٹ بھی، ایسی رپورٹیں وصولی کے چھ ماہ کے اندر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے اندر یا کسی صوبائی اسمبلی کے سامنے برائے بحث پیش کی جاتے گی، اور اس رپورٹ پر غور و خوض کے بعد اس کے بارہ میں (نہ کہ اس کی متابعت میں) قانون وضع کرے گی۔

یہ اس باب کا خلاصہ ہے جس میں کچھ باتیں قابل تحسین تھیں (الف) پہلی دفعہ کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی (نہ صرف منفی بلکہ مثبت انداز میں) کا ذکر پالیسی کے اصولوں کی بجائے آئین کے ضمن میں آگیا ہے جو قانونی لحاظ سے زیادہ وزن رکھتا ہے۔ اگر آگے اسے غیر مؤثر نہ بنا دیا گیا ہوتا۔

اسلامی کونسل کی تشکیل میں علمائے کرام کی نمائندگی اور تحقیق و تدریس کے سلسلہ میں بہتر صلاحیت اور استعداد کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ج۔ پچھلے دساتیر میں اسلامی کونسل کی رپورٹوں کی جگہ عموماً سرد خانے ہی ہوتے، مگر یہاں رپورٹوں پر عمل درآمد کا ذکر مؤثر طور پر کر دیا گیا ہے، مگر چند باتیں ایسی تھیں جن سے اسلامی احکام اور قانون سازی سے متعلق یہ حصّہ بالکل غیر مؤثر ہو کر رہ جاتا ہے مثلاً

۱۔ نئی اور پرانی قانون سازی کو اسلام کے مطابق کر دینے والی دفعہ کے نفاذ کے لیے

قابل ہو جائے۔

دفعہ ۲۲۷ کی شق ۱ میں ہے کہ مروجہ جملہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنایا جائے گا نیز قرآن پاک اور سنت اسلامی احکام سے منافی کوئی قانون وضع نہیں کیا جا سکے گا۔ شق ۲ میں ہے کہ اس دفعہ کی تنفیذ صرف آئین کے اس حصہ میں مقررہ طریق کار کے مطابق ہو گی یعنی اسے بنیادی حقوق اور دوسرے قوانین کی طرح عدالتی چارہ جوئی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

شق ۳ میں ہے کہ اس دفعہ کا اثر کسی غیر مسلم شہری کے شخصی قوانین یا شہری حیثیت پر نہیں پڑے گا۔

اگلی دفعہ ۲۲۸ میں اس طریق کار یعنی اسلامی مشاورتی کونسل کی تشکیل وغیرہ کا ذکر ہے ا۔ جو یوم نفاذ کے نوے دن کے اندر بنائی جائے گی ۲۔ اس میں آٹھ سے لے کر ۱۵ تک ارکان ہوں گے جو صدر ایسے اشخاص ہی سے متعین کرے گا جو قرآن و سنّت کے ماہر اور اسلامی اصولوں اور فلسفے کا علم رکھتے ہوں یا پاکستان کے اقتصادی سیاسی قانونی انتظامی مسائل کا فہم وادراک رکھتے ہوں صدر ان باتوں کا بھی تقرری میں خیال رکھے گا کہ اس میں تمام مکاتبِ فکر کی نمائندگی ہو کم از کم دو ارکان سپریم کورٹ سے متعلق ہوں یا رہے ہوں (پ) کم از کم چار ارکان ایسے (علماء) ہوں جو کہ پندرہ سال تک اسلامی تحقیق یا تدریس کے کام سے وابستہ چلے آرہے ہوں کسی رکن کی مدت تقرری تین سال ہو گی، دو جج ارکان میں سے ایک اس کا چیئرمین ہو گا۔

دفعہ ۲۲۹ اسلامی کونسل سے مشورہ طلبی کے بارہ میں ہے کہ ایوان یا صدر یا کوئی گورنر یا قومی صوبائی اسمبلی کی اکثریت کے متنازعہ مسئلہ کو غور و خوض کے لیے کونسل کے سپرد کر سکتے ہیں۔ دفعہ ۲۳۰ میں اس کونسل کے فرائض ہیں کہ کونسل مسلمانوں کی اجتماعی و انفرادی زندگی کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے میں پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو سفارشات پیش کرے گی۔

دیگر بنیادی حقوق اور دفعات سے الگ طریق کار (اسلامی کونسل) تجویز کر لیا گیا کہ کسی عدالت میں اسے نہیں لے جایا جا سکے گا۔

۲۔ اگر کونسل کی رائے میں کوئی مجوزہ قانون غیر اسلامی ہے تو اسمبلیاں اس کی متابعت میں فیصلہ کرنے یا اپنا کوئی فیصلہ دینے کی پابند نہیں بنائی گئیں۔

۳۔ کسی متنازعہ قانون کو کونسل کے جواب آنے پر موقوف نہیں کیا گیا بلکہ اگر اسمبلی چاہے تو اس سے پیشتر بھی قانون وضع کر سکتی ہے اور ایسے کسی وضع قانون پہ دوبارہ غور کی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔

۴۔ کونسل کے مشورہ لینے کو بھی صدر یا گورنر یا اسمبلی کی اکثریت پر چھوڑ دیا گیا۔ گویا اگر سرکاری پارٹی نہ چاہے تو ایسے کسی استصواب کا موقع ہی نہیں مل سکے گا۔

۵۔ مجوزہ کونسل میں قرآن و سنت کا علم رکھنے والے ارکان کی تعداد ۱۵ میں سے صرف چار ہے جو ایک اقلیت ہونے کی وجہ سے اپنا صحیح فیصلہ کونسل سے نہیں منوا سکتے

۶۔ اسلامی کونسل کو اپنا جواب بھیجنے کے لیے محدود مدت کا پابند نہیں بنایا گیا چنانچہ ارکان کی طرف سے اس حصہ کو اسلامی قانون سازی کی ضمانت کا قابل بنانے کے لیے کئی اہم ترامیم آئیں اور دستور کے پہلی خواندگی کے دوران بھی علماء نے ان خامیوں پہ تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس ضمن میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی مفصل تقریر دوسری جگہ شائع کی جا رہی ہے۔

قوانین کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونیکے بارہ میں عدالت سے رجوع

دفعہ ۱ دفعہ ۲۲۷ شق ۲

دفعہ ۱ دفعہ ۲۲۷ شق ۲ اہم ترین خرابی یہ تھی کہ اس حصہ کو دیگر قوانین کی طرح کسی عدالت عالیہ میں لے جانے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا اس کے بارہ میں مولانا عبدالحق نے ترمیم ۱۹۵۳

اس طرح پیش کی۔

دفعہ ۲۲۷ کی شق ۲ کو اس طرح بدل دیا جائے کہ کسی قانون کے بارہ میں جب یہ اعتراض اٹھایا جائے کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہے تو اس کی سماعت کا اختیار سپریم کورٹ کے ایک خصوصی بنچ کو ہوگا جسے صدر اس مقصد کے تحت نامزد کرے گا جو پانچ ارکان پر مشتمل ہوگا اور ان کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو دفعہ ۲۲۸ کے ذیل ۳ میں اسلامی کونسل کے ارکان کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ ترمیم ۱۹۵۱ بھی اس کے مترادف تھی جو مولانا عبدالحق اور مفتی محمود کی مشترکہ ترمیم تھی۔

نیز دفعہ ۲۲۷ کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے مولانا عبدالحق صاحب نے ترمیم ۱۹۵۰ میں بھی اضافہ کرانا چاہا کہ (کوئی کوئی ایسا قانون حکم یا آرڈی ننس جو اسلامی احکامات کے متناقض ہو ایسے تناقض کی حد تک کالعدم ہوگا)

پارلیمنٹ کی بالادستی یا اسلام کی

اس اہم ترمیم کے بغیر اسلامی قانون سازی کی ضمانت مشکل تھی اس کے جواب میں سرکاری پارٹی وزیر قانون یہاں تک کہ بھٹو صاحب تک یہ کہہ کر جان خلاصی کرتے رہے کہ اس طرح تو اسلامی کونسل یا عدالتِ عالیہ کو پارلیمنٹ پر بالادستی حاصل ہو جائے گی جو جمہوریت کے منافی بات ہے ایوان کے اہل علم حضرات، حزبِ اختلاف کے زعماء نے پہلی خواندگی کے دوران اس کا مدلل جواب دیا اور کہا گیا کہ جب پارلیمنٹ کو بنیادی حقوق اور دیگر بہت سے جمہوری تقاضوں پر مبنی دفعات میں بالادستی نہیں دی جارہی اور عدالت عالیہ ان دفعات کے منافی کسی قانون کو کالعدم کرا سکتی ہے تو آخر کسی قانون کی اسلامی حیثیت متعین کرانے سے جو ایک مسلمان کے لیے تمام حقوق سے بڑھ کر بنیادی حق ہے۔ پارلیمنٹ کی بالادستی کیوں مجروح ہو جاتی ہے اور اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو اسلام کو قوت حاکمہ کے طور پر تسلیم کر لینے کا یہ منطقی تقاضا ہے تو بالادستی

کے استدلال سے اسلامی قانون سازی پر چھری پھیرنا کیوں ضروری ہو جاتا ہے۔ پھر صدر بھٹو اور اکثریتی پارٹی کو یقیناً معلوم ہے کہ کسی وفاقی آئین میں ہر قانون ساز ادارہ کسی چوکھٹے "لیگل فریم ورک" کے اندر رہ کر کام کرتا ہے۔ موجودہ اسمبلیاں بھی ایک چوکھٹے کو سامنے رکھ کر منتخب ہوئی تھیں۔ آئین بذاتِ خود کسی قانون ساز ادارے کے اختیارات کی حدود کا تعیّن کرتا ہے کہ ان حدود کے اندر اسے قانون بنانے کے اختیارات حاصل ہوں گے۔ بنیادی اصول اور جائز و ناجائز کی تمیز کیے بغیر حاکیت مطلقہ کی تو لادینی جمہوریت میں بھی گنجائش نہیں نہ کسی ایوان کو ایسی کھلی چھوٹ دی گئی ہے بلکہ کسی اسٹیٹ کے اساسی نظریات کی حدود میں رہ کر کام کرنا پڑتا ہے تو جہاں اسلام سٹیٹ کا سرکاری مذہب ہو اور قرآن و سنت پر مبنی قانونسازی کو لازمی سمجھا گیا ہو تو کسی قدغن لگائے بغیر بے لگام جمہوریت کو اسلامی احکام و حدود کو روندنے کی کب اجازت دی جا سکتی ہے۔ جمہوریت کو سیاست کہنے کے ساتھ ساتھ اسلام کو اپنا دین سمجھنے کا مقصد پھر کیا رہ جاتا ہے اور پھر اسلام کسی سٹیٹ کا سرکاری مذہب آخر بن کیسے سکتا ہے درا صل مغرب کی لادینی جمہوریت کو اسلام کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا قانون اور آئین بنانے کا حق صرف مخلوق کے خالق کو ہے فیصلہ کا مدار اہلیت وصلاحیت ہے اکثریت یا اقلیت پر نہیں ہم "جمہوریت" سے وابستگی جتنی بھی لازمی کیوں نہ سمجھیں اسے اسلام کے تصوّر حکومت اور نظامِ خلافت کے تابع کرنا لازمی ہو گا جس طرح سوشلزم ایک کافرانہ مادی نظام ہے، مگر جو لوگ اس کا نعرہ لگانا چاہتے ہیں وہ بھی مجبوراً اسے مساواتِ محمدّی کا عکاس بنانا اور اس کا "اسلامیانہ" ضروری سمجھتے ہیں، لیکن جمہوریت مادر پدر آزاد کی شکل میں تمام اسلامی قیودات اور حدود سے کھلا رکھ کر نظام سیاست اور نظام قانون سازی بنانا کتنا خطرناک عمل ہے۔ اس کا اندازہ جمہوریت کی مالا جپنے والوں کو موجودہ دستور سازی سے ہو چکا ہو گا کہ اسلام اس جمہوریت کے ہاتھوں کتنا بے بس ہو کر رہ جاتا تھا۔ اسلامی تعلیمات اس بارہ میں صاف اور بالکل واضح ہیں کہ کسی قانونی اور ملکی مسئلہ یا کسی بھی معاملہ میں باہمی نزاع اور اختلاف کی شکل میں اس کا آخری فیصلہ

کرانا اور اس کی دینی اور اسلامی حیثیت متعین کرانا خدا اور رسول کا کام ہے فان تنازعتم
فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ایسے متنازعہ امور ہیں جس کا فریق اولوالامر
انتظامیہ اور حکومت ہی کیوں نہ ہو فیصلہ خدا اور رسول سے کرایا جائے گا، مگر کیا ہم ایسے
امور خود خدا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں ایسا نہیں ہو سکتا اور نہ رسول کی وفات کے
بعد ہم ان کی ذات سے فیصلہ کرا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے قرآن کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا تو واضح
ہے کہ ایک تیسرا ادارہ ایسا ہونا چاہیے جو کتاب و سنت اور تعلیمات خدا و رسول سے
آگاہی رکھتے ہوئے اپنی قوت فیصلہ کے ذریعہ اس تنازعہ کو ختم کرا سکے اس ادارہ کے
ارکان متبحر عالم راسخ العقیدہ مومن خدا ترس اور دیانت دار ہوں گے ان کی بالادستی کتاب و
سنت کی بالادستی ہوگی نہ کہ ایوان کی یہ حاکمیت کی نفی نہیں ہوگی کہ ایسی کوئی حاکمیت کسی کو حاصل
ہی نہیں (اور جس کا اعتراف قرارداد مقاصد کے ایک ترمیم کی شکل میں مزید شور و زور سے
کیا گیا) یہاں معیار بھی صلاحیت اور اہلیت ہے اسے پیشوائیت اور پاپائیت سمجھنا حقائق
مسخ کرنا ہے اس اہلیت کا راستہ اسلام نے ہر فرد کے لیے کھلا رکھا ہے یہ کسی قوم نسل
گروہ یا طبقہ کی اجارہ داری نہ ہوگی علم فن اور اہلیت کی اجارہ داری ہوگی جیسے زندگی کے تمام
دیگر فنی اور علمی شعبوں میں ہم ضروری سمجھتے ہیں آپ انجینیروں کاریگروں ڈاکٹروں، وکیلوں
سائنسدانوں کا اس طرح کوئی ترجیحی استحقاق تو اجارہ داری نہیں سمجھتے، مگر ایک اسلام ایسا
ہے کہ جس کے بارے میں آپ کسی بھی اہلیت اور استعداد کے روادار نہ ہوں تو اس سے
بڑھ کر اسلام پر اور کوئی ظلم کیا ہو سکتا ہے۔ بہرحال اسلام میں حاکمیت صرف خدا رسول اور
اس کی تعلیمات کو ہے کہ کسی عوامی ہڑلونگ اور اکثریت کو ارشاد ربانی ہے کہ یستوی
الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث دوسری جگہ مزید وضاحت سے کہا۔
اور اکثریت کی قلعی کھول دی۔ وان احکم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم
ان کثیراً من الناس لفاسقون

بہرحال دفعہ ۲۲۷ کو موثر بنانے کے لیے ہمیں ایک تیسرے ادارے کو فیصلہ کرانے کا حق دینا ہوگا، اگر اسلامی کونسل ہے تو اس کے اختیارات بالادستی شرائط اہلیت کا پورا لحاظ رکھنا ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو سپریم کورٹ کے ایسے ججوں کو یہ حق دینا ہوگا جو کتاب و سنت پر مبنی کسی قانونی حیثیت کا فیصلہ کرانے کی اہلیت رکھتے ہوں مگر بحث اور استدلال کے جتنے بھی پہلو سامنے آئے کسی کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا نہ آخری وقت میں بھی یہ اہم ترین ترمیم منظور ہو سکی اور یہ اس پارلیمنٹ کی جمہوری بالادستی کے نام پر ہوا جسے مالیات بجٹ الیکشن اور دیگر بے شمار عام دنیاوی امور میں بھی لولی لنگڑی ترامیم بنائی جاتی رہیں لیکن وہ بنیادی خرابی ہے جس کی اصلاح کیے بغیر آئین کبھی بھی اسلامی قانون سازی کو مؤثر ضمانت نہیں دے سکتا

پارلیمنٹ اسلامی کونسل کے مشورے کی پابند ہو

دوسری خامی (پارلیمنٹ کو کونسل کے مشورے کا پابند نہ بنانے کے) ازالہ کے لیے مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے ترمیم ۱۶۹ میں کہا تھا کہ پارلیمنٹ اور اسمبلی رپورٹ آنے پر اس کی متابعت میں قوانین وضع کرے) اور مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب کی ترامیم ۱۷۰ میں بھی اس کی تابع ہو کر قانون سازی پر زور دیا گیا تھا۔ یہ اہم ترامیم بھی آئین میں جگہ نہ پا سکیں۔

متنازعہ قانون کو مشورہ تک ملتوی رکھا جائے ۳ کی اصلاح

کسی متنازعہ قانون کو قبل از مشورہ وضع کرنے کی بھی علماء اور ارکان نے مخالفت کرتے ہوئے ترمیموں میں اصلاح کی کوشش کی مولانا عبدالحق مدظلہ نے ترمیم ۱۹۰ میں کہا کہ اگر اسمبلی کسی قانون کو وضع کرنے کی التواء مصلحت کے خلاف سمجھے تو کونسل استصواب کیے بغیر وضع کرنے کی بجائے ایک محدود وقت کا کونسل کو پابند بنا کر جلدی مشورہ حاصل کرنے کے

بعد اُس کی متابعت بیں مجوزہ قانون وضع کرے مولانا مفتی محمود اور مولانا عبدالحق مدظلہ کی ترمیم ۱۶۹۱ میں بھی یہی کہا گیا تھا۔

کونسل سے استصواب

اسمبلی کی اکثریت پر نہ ہونے کی اصلاح

کونسل سے مشورہ لینے کو اسمبلی کی اکثریت پر چھوڑنا اس کی افادیت کو ختم ہی کر دینا تھا اس طرح سرکاری پارٹی اگر نہ چاہتی تو مشورہ طلب کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ اس کی بھی شدومد سے مخالفت ہوتی رہی۔ مولانا عبدالحق مدظلہ نے ترمیم ۱۶۷۷ میں دفعہ ۲۲۹ میں اس طرح اصلاح کرانی چاہیے کہ پارلیمنٹ کم از کم پانچ ارکان کے قرارداد پر کونسل کو سوال بھیجا جا سکے گا اور جواب آنے پر اس کی پابندی کرتے ہوئے قانون سازی کی جائے گی ان ترمیمات کو پورا تو نہیں مگر حزب اختلاف سے مفاہمت کے نتیجہ میں اس حد تک قبول کر لیا گیا کہ اسمبلی کے ۲/۵ یعنی چالیس فیصد ارکان کے قرارداد پر بھی کونسل کو معاملہ جا سکے گا۔ اس پر حزب اختلاف کو خوشی ہے کہ اب غیر سرکاری ارکان بھی کونسل کو سوال کے بھیجنے کے مجاز ہونگے مگر اسمبلی کے موجودہ ارکان کا ۲/۵ جب کہ اٹھاون ارکان بنتے ہیں تو شاید حزب اختلاف اس ترمیم سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ تاہم ایک حد تک یہ ترمیم بھی غنیمت ہے۔

ارکان کونسل کی تعداد اور علمی اور اسلامی اہلیت (۵) کی اصلاح اسلامی احکام سے متعلق اس حصہ میں کونسل میں علماء ارکان کی اقلیت یعنی صرف چار علماء کا ضروری ہونا بہت بڑی خامی ہے جبکہ پندرہ ارکان میں باقی ارکان کے لیے علمی اور دینی اہلیت نہیں بلکہ سیاسی اقتصادی قانونی اور انتظامی مسائل کا فہم و ادراک کافی سمجھا گیا ہے اوّلاً تو اسلامی احکام سے متعلق کونسل میں یہ تفریق ضروری نہ تھی۔ بلکہ دینی و دنیوی علوم سے متصف جامع علماء پر اکتفاء کرنا تھا۔ اور اگر ایسا ناگزیر

تو تبحر علماء کو مجارٹی میں رکھنا لازمی تھا، مگر افسوس ایسا نہ ہوا۔ اگرچار علماء کے ساتھ اکثریت فضل الرحمن جیسے متجددین کو نتھی کر دیا گیا تو کونسل کا فیصلہ جو اکثریت پر مبنی ہوگا کیا کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی میں مدد دے سکے گا۔ مولانا عبدالحق مدظلہ نے نہ صرف اس خرابی کے ازالہ پر زور دیا تھا بلکہ علماء ارکان کے لیے مبہم طور پر قرآن و سُنت سے متعینہ اسلامی اصولوں اور فلسفہ کا علم اور کم ازکم پندرہ سالہ اسلامی تحقیق و تدریس کی شرط اہلیت کو مزید موثر بنانے کے لیے اپنی ترمیم ۱۶۶۳ء میں کہا (پ اراکین کی اکثریت (نہ کہ صرف چار) ایسے اشخاص پر مشتمل ہو جن میں سے ہر ایک کم ازکم پندرہ سال تک کسی معروف معتمد تعلیمی ادارے میں افتاء یا تفسیر حدیث اور فقہ کی تدریس یا اسلامی تحقیق کا کام انجام دے چکا ہو) مولانا عبدالحق مدظلہ نے کونسل میں علماء ارکان کو اکثریت میں رکھنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ باقی تمام ارکان کے لیے بھی ایسی اہم کونسل میں لازمی شرائط کے طور پر یہ اضافہ اپنی ترمیم ۱۶۷۰ء کے ذریعہ کرانا چاہا کہ فقرہ پ کے بعد یہ نئی شق بڑھا دی جائے کہ کونسل کے تمام ارکان کو اپنے کردار و اطوار اور دین داری کے لحاظ سے مسلمانوں میں قابل احترام حیثیت حاصل ہو۔ یہ ترامیم تو نہ آسکیں مگر عورتوں کی ترامیم پر ایک خالص علمی اور تحقیقی کونسل میں ایک خاتون رکن کا اضافہ کرلیا گیا جسے آئینی کمیٹی میں وزیر قانون نے علماء کی مخالفت پر واپس لے لیا تھا مگر رہی سہی کسر آج پوری کردی گئی۔

دفعہ ۶ کی اصلاح: کونسل کو جواب بھیجنے کی مدت متعین نہیں کی گئی۔ مولانا عبدالحق نے ترمیم ۱۶۸۸ء میں کہا کہ یہ مدت تین ماہ سے زیادہ نہ ہو۔ دفعہ ۲۳۰ کے ذیل ۴ میں اسلامی کونسل کے لیے موجودہ قانون کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی مدت کا ذکر ہے کہ وہ اپنے تقرر سے سات سال کے اندر حتمی رپورٹ پیش کرے گی۔ مولانا عبدالحق صاحب نے ترمیم ۱۶۹۷ء کہ یہ کام سات سال کی بجائے موجودہ قومی اسمبلی کی میعاد اختتام پر درج کیا جائے کہ موجودہ اسمبلی عوام کی طرف سے عائد شدہ فرض کی ادائیگی سے اپنی مدت نیابت میں سبکدوش ہو سکے اور مذکورہ مدت میں بھی کمی آجائے۔

مدت کا تعیّن [۶] کی اصلاح

اس دفعہ میں کونسل کو ہر سال ضمنی رپورٹ اور سات سال کے بعد آخری رپورٹ پیش کرنے کا تو ذکر تھا، مگر یہ کہ اسمبلی کتنی مدت میں قوانین کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کے کام کو مکمل کرے گی۔ اس کی کوئی ضمانت نہ تھی نہ مدت کا تعین تھا۔ اندیشہ تھا کہ پچھلی کونسلوں کی سفارشات اور تحقیقاتی کاموں جیسا حشر اس قسم کی رپورٹوں کا بھی نہ ہو جائے کیونکہ بغیر اس ضمانت کے کوئی گرفت بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ حزبِ اختلاف کی متفقہ ترمیم میں کہا گیا کہ آخری رپورٹ کے دو سال کے اندر کونسل کی تجاویز کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام قوانین کو کتاب و سنت کے مطابق تبدیل کرنے کا کام لازماً ختم کر دیا جائے۔ یہ متفقہ ترمیم مفاہمت کے ضمن میں منظور کر لی گئی اور اس طرح اسمبلیوں پر ایک حد تک متعیّن مدت میں پابندی آ گئی۔

کونسل میں مختلف مکاتبِ فکر کی نمائندگی کا ذکر بھی ہے۔ اس کے بارہ میں علماء نے ترمیم پیش کی کہ تعداد اور آبادی کے تناسب کے لحاظ سے مناسب و متناسب نمائندگی حاصل ہو تاکہ چار فیصد سے بھی کم کسی اقلیتی مکتبِ فکر کو اہلِ سُنت کے سوادِ اعظم کی حق تلفی کرنے کا موقع نہ رہے۔ مفاہمت کے دوران کسی وضع شدہ قانون پر بھی اسمبلی کے از سرِ نو غور کرنے کی ترمیم منظور کر دی گئی اور سوشلزم سے متعلق ذیلی دفعہ بھی حذف کر دی گئی۔

یہ اسلامی احکام سے متعلق حصّہ کا مختصراً ذکر تھا۔ مجموعی حیثیت سے آپ ان ترامیم کی روشنی میں آئین کی اسلامی اور جمہوری حیثیت کے بارہ میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔ تاہم ان تمام آئینی مذاکرات، آئینی کمیٹی میں علماء ارکان کے مساعی۔ پہلی خواندگی میں ارکان اور علماء حق کی دینی اور جمہوری نقطۂ نظر کی ترجمانی اور پھر بالآخر بائیکاٹ کی شکل میں آئینی جنگ اور بالآخر حکومتی پارٹی کے مفاہمانہ رویّہ سے جو کچھ حاصل ہوا اس کے پیشِ نظر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ پچھلے تمام دساتیر کے مقابلہ میں یہ آئین بہتر ہے۔ ایک ڈھانچہ کھڑا کر دیا گیا ہے اور آئندہ کوششوں سے

اس نیم اسلامی نیم جمہوری[1] نیم عوامی دستور کو مکمل اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔ ایسے دستور پر اسی جذبہ مفاہمت، ملی مفادات ملکی سالمیت کے تقاضوں کے پیش نظر ترامیم پیش کرنے والے ارکان نے بھی اھون البلتین سمجھ کر دستخط ثبت کیے۔ یہ آئینی مساعی نہ تو پوری ناکام ہیں نہ پوری کامیاب کہلا سکتی ہیں، مگر تاہم مجموعی حیثیت سے ایک فئۃ قلیلۃ کو خداوند کریم نے اتنی بڑی اکثریت کے مقابلہ میں کافی حد تک کامیابی دی ہم نے ان ترمیمات کی شکل میں قوم کے سامنے آئین کی تزئین و تکمیل کا ایک خاکہ رکھ دیا ہے۔ یہ آئندہ لوگوں پر ہے کہ دستور یہ کے ان ارکان کی فکری اور دماغی اصلاحی کد و کاوش کو ملحوظ رکھ کر آئین کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی مملکت کا جامع عادلانہ اسلامی آئین بنا سکیں۔

آئین میں ترمیمی بل

آئین کے باب ۱۲ دفعہ ۲۳۹ میں آئین میں ترمیمی بل کی منظوری کے لیے اسمبلی کی کل رکنیت کے کم از کم دو تہائی ووٹوں کی شرط لگائی گئی ہے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی ترمیم ۱۷۵۳ میں کہا گیا کہ دو تہائی کی بجائے سادہ اکثریت کافی ہونی چاہیے۔

مسلح افواج

مسودہ آئین کی مسلح افواج سے متعلق دفعہ ۲۴۳ میں افواج کے مسلح دستوں کی تقرری وغیرہ کا اختیار وزیر اعظم کو دیا گیا تھا۔ مولانا عبدالحق مدظلہ نے اپنی ترمیم ۱۷۸۵ میں کہا تھا کہ اس دفعہ کی شق ۲ میں وزیر کا ایسا اختیار قومی اسمبلی کے مشورہ کے تابع ہونا ضروری ہے۔

افواج کے سربراہوں کا مسلمان ہونا لازمی ہو

برّی، بحری اور فضائی افواج کے چیفس آف سٹاف کا ذکر مذکورہ دفعہ کی شق پ میں

---

[1] مگر افسوس کہ مفاہمت پر مبنی یہ دستور بعد میں پے در پے غیر جمہوری ترامیم کی وجہ سے نیم جمہوری بھی نہ رہ سکا۔

کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مولانا عبدالحق اور دیگر حضرات ابتداء ہی سے ایسے اہم کلیدی مناصب کے لیے مسلمان کا بطور لازمی شرط شامل کرانے پر زور دے رہے تھے۔ یہاں بھی مولانا نے اپنی ترمیم ۱۷۸۸، ۱۷۸۹ میں یہ اضافہ کرانا چاہا کہ (چیفس آف سٹاف لازماً مسلمان ہوں گے) اس طرح یہ لوگ جدول سوم میں مندرج عبارت کے بجائے ان الفاظ سے اپنے حلفِ وفاداری کا آغاز کریں جو صدر اور وزیر اعظم کے مسلمان ہونے کی تعریف کے طور پر شامل ہیں۔

تنخواہوں وغیرہ میں سادگی اور کفایت شعاری

دفعہ ۲۵۰ میں صدر، وزراء مملکت، گورنر، اسمبلیوں کے ارکان وغیرہ کی تنخواہوں بھتہ جات اور دیگر مراعات کے بارہ میں کہا گیا تھا کہ یہ سب چیزیں آئین کے یوم آغاز سے قبل مستحق ہونے کے برابر ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ نوکر شاہی نظام سے چلی آرہی رعائتیں اور تنخواہوں کا ایک ترقی پذیر غریب ملک متحمل نہیں۔ اس کو برقرار رکھنے کی مخالفت کرتے ہوئے مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے ۱۸۱۴ء کے ذریعہ یہ ترمیم پیش کرانا چاہی کہ یوم آغاز سے قبل مستحق ہونے کی بجائے یہ لکھا جائے کہ تنخواہوں وغیرہ کا (تعین ملک کی معیشت اور عام شہریوں کے سادہ معیارِ زندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا جائے گا) اسی طرح سینٹ اور وزیر اعظم وغیرہ کی تنخواہوں کے تعین کا معاملہ صدر کو بذریعہ فرمان دیا گیا۔ مولانا نے ترمیم ۱۸۱۵ء میں یہ اضافہ کرانا چاہا کہ (ایک فلاحی اسلامی مملکت کے عام شہریوں کے سادہ معیار زندگی اور معیشت کے محدود وسائل ملحوظ رکھتے ہوئے صدر اس کا تعین کرے)

اردو زبان

۲۵۱ء میں اُردو بحیثیت قومی زبان اپنانے کے لیے پندرہ برس کی طویل اور صبر آزما

مدّت مقرر کی گئی ہے مولانا عبدالحق نے اپنی ترمیم نمبر ۱۸۲۰ میں پندرہ سال کی بجائے تین سال درج کرانا چاہا تاکہ انگریزوں کے عہد غلامی کے اس طوق سے جلد جان خلاصی ہو سکے۔ جو انگریزی زبان کی شکل میں ہماری تہذیبی اقدار، تمدن اور ثقافت کے مفلوج کر دینے کا باعث چلا آ رہا ہے۔

عربی زبان کی ترویج

اسی دفعہ کے ضمن میں قومی زبان کے ساتھ صوبائی زبانوں کی ترویج و ترقی کا بھی ذکر تھا مولانا عبدالحق کی رائے میں قومی اور علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ بحیثیت مسلمان کے عربی کی ترویج و ترقی بھی ایک اسلامی سٹیٹ کا دینی ملّی اور سیاسی فریضہ ہونا چاہیئے تھا گو آپ نے بنیادی پالیسی کے رہنما اصولوں میں بھی عربی کے فروغ پر زور دیا تھا، مگر یہاں آیئن کے اس بنیادی حصّہ میں بھی آپ نے اس پر ترمیم نمبر ۱۸۲۴ میں اس طرح زور دیا کہ نمبر ۲۵۱ میں حسب ذیل نئی شق کا اضافہ کیا جائے (۴) چونکہ عربی زبان اسلامی ممالک اور اسلامی قانون سازی وغیرہ میں اہم ترین مقام رکھتی ہے اور بین الاسلامی اتحاد کی اساس ہے۔ اس لیے مملکت کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ عربی زبان کو غیر ملکی زبانوں پر فوقیت دیتے ہوئے اس کی تعلیم و ترویج کے لیے فوری طور پر مؤثر اقدامات کرے)

تحدید ملکیت اراضی اسلام کے منافی ہے

دفعہ نمبر ۲۵۳ رقبہ اراضی کی ملکیت پر تحدید سے متعلق ہے جبری ضبط کی طرح تحدید ملکیت کا تصور بھی اسلام کے اساسی تصورات کے منافی ہے پس جس طرح جائداد سے متعلق دفعہ نمبر ۲۲ میں آپ نے ایسی باتوں کی تقریر اور ترامیم میں مخالفت کی یہاں بھی اس دفعہ کو حذف ہی کر دینے پر زور دیا۔ یہ ترمیم اسمبلی کے دیے گئے نمبر ۱۸۲۶ کے تحت ایوان کی میزوں پر سامنے آئی۔

نظریہ پاکستان کی توضیح

آئین کے حصہ ۱۲ باب پنجم آئینی الفاظ، اصطلاحات عہدوں اور مناصب کی توضیحات سے متعلق ہے۔ پاکستان کی سلامتی، شخص اور صدر جیسے واضح الفاظ کی تشریح بھی کی گئی ہے مولانا عبدالحق مدظلہ نے اس میں بعض ضروری اضافے کرانا چاہے کہ "اسلامی نظریہ پاکستان" کی اصطلاح بھی آئینی توضیح کے دائرہ میں آنی چاہیے جو بلاضرورت اکثر وجہ نزاع اور موضوع بحث بنا دیا جاتا ہے اور جس کی غلط تعبیر و تشریح کی وجہ سے پاکستان کی اساس ہی مجروح کرانے کی کوششیں ہوتی ہیں اگر آئین میں یہ ترمیم شامل ہو جاتی تو اقتصادی، معاشی، جغرافیائی عوامل کو قیام پاکستان کے اسباب قرار دینے کے غلط دعاوی کا سلسلہ ختم ہو جاتا مولانا عبدالحق کی ترمیم نمبر ۱۸۵ میں کہا گیا تھا۔ مسودہ کی دفعہ ۲۶۰ کی شق (۱) میں حسب ذیل توضیح درج کی جائے۔

اسلامی نظریہ (قیام پاکستان کی بنیاد) سے مراد وہ دو قومی نظریہ ہے جو ایک خالص اسلامی ریاست کے مقاصد کے پیش نظر تقسیم ملک کا ذریعہ بنا اور جس کی تعبیر قیام پاکستان کے وقت پاکستان کے معنی لا الہ الا اللہ سے کی جاتی تھی۔

مسلمان کی تعریف

اسی طرح اس باب میں اقلیتی فرقوں کی توضیح کی گئی ہے۔ مولانا عبدالحق مدظلہ نے وزیر مملکت کی تعریف کے بعد مسلمان کی تعریف سے متعلق اضافہ کرانا ضروری سمجھا۔ مسلمان کی تعریف کا مسئلہ صراحت کیے بغیر جب صدر اور وزیر اعظم کے حلف کے ضمن میں طے ہی کر دیا گیا تو پھر یہاں بھی توضیحات کے ضمن میں مسلمان کی تعریف و توضیح ضروری تھی۔ مولانا عبدالحق نے ۱۸۵۵ میں یہ اضافہ کرانا چاہا کہ "مسلمان" سے مراد وہ شخص ہے جو مذکورہ ذیل عقائد پر ایمان رکھتا ہو وحدت

توحید قادر مطلق اللہ تبارک و تعالیٰ کتب الٰہیہ جن میں قرآنِ پاک خاتم الکتب (آخری کتاب) ہے
نبوت حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بحیثیت خاتم النبیین جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہو
سکتا اور قرآن و سنت کے تمام مقتضیات اور ضروریاتِ دین یہاں تو یہ ترمیم نہ آسکی، مگر علمائے کرام
اور حزبِ اختلاف کی تمام پارٹیوں کے متفقہ مساعی سے اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں متفقہ
تعریف پیش نہ کر سکنے کے چیلنج کے جواب میں تمام اکابر علماء اسمبلی کے مشورہ اور تجویز سے
یہی تعریف مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے اپنی تشریحی تقریر کے ساتھ پیش فرمائی جو بعد میں آئینی کمیٹی
میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مولانا شاہ احمد نورانی پروفیسر غفور احمد اور دیگر ارکان کی
مساعی سے صدر اور وزیر اعظم کے حلف کے لیے منوالی گئی جس پر آج مسلمانوں کی سوادِ اعظم
خوش اور مرزائی دجالوں کا ٹولہ پیچ پا ہے۔ واللہ متمّ نورہ ولو کرہ الکفرون۔

سود

اسی باب میں پنشن کی توضیح میں (سود کے ساتھ یا بلا سود) الفاظ آئے ہیں۔ ایک اسلامی
آئین میں سود کا ذکر تک بھی مناسب نہیں جبکہ سودی نظام کی حوصلہ شکنی اور انسداد پالیسی کے
اصولوں میں شامل ہے اس غرض سے مولانا کی ترمیم ۱۸۸۰ یہ تھی کہ ان الفاظ کو حذف کر کے اضافہ
یا بلا اضافہ پر اکتفاء کیا جائے۔

ہجری نظامِ تقویم

دفعہ ۲۲۶ میں کہا گیا ہے کہ آئین کی اغراض کے لیے کسی مدت کا شمار گریگری نظامِ تقویم
(عیسوی سنہ) کے مطابق ہوگا۔ عیسائیوں اور غیر اقوام کے تمام طور طریقوں سے جان چھڑانا کسی اسلامی
مملکت کا بنیادی فریضہ ہوتا ہے، مگر یہاں کتنے ہیں جنہیں اسلامی نظامِ تقویم کے ابجد تک بھی
معلوم ہوں ہ مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے ترمیم داخل کرائی کہ گریگری نظامِ تقویم کی بجائے اسلامی ہجری
نظامِ تقویم ہونا چاہیے ترمیم ۱۸۶۷

فرامین صدر کو تحفظ

دفعہ ۲۶۹ میں ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۲۰ اپریل ۱۹۷۳ء جاری کردہ تمام اعلانات فرامین صدر قوانین ایکٹوں وغیرہ کے جائز ہونے اور ان کے جواز کو کسی عدالت میں زیر بحث نہ لائے جا سکنے کا ذکر ہے جو اسلام کے نظامِ عدل اور جمہوریت کے سراسر منافی ہے۔ مولانا نے اپنی ترمیم ۱۸۸۲، ۱۸۸۴ میں اس صریح غیر جمہوری اور غیر اسلامی دفعہ کے حذف پر زور دیا۔

مارشل لاء کے احکام

دفعہ ۲۷۰ بھی اس سے ملتی جلتی ہے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ صدر اور مارشل لاء کے بعض احکام کسی عدالت کے کسی فیصلے کے باوجود ہمیشہ کے لیے جائز متصور ہوں گے۔ یہ چیز عدلیہ اور عدالت کی روح کو بڑی طرح متاثر کرتی ہے۔ مولانا عبدالحق اور مولانا مفتی محمود مدظلہٗ کی مشترکہ ترمیم ۱۹۰۱ میں کہا گیا تھا (کسی عدالت کے فیصلہ کے باوجود کی بجائے کسی عدالت کا فیصلہ نہ ہونے) ہونا چاہیے نیز ایسے احکام کو کسی عدالت میں زیر بحث نہ لایا جا سکنے سے متعلق دفعہ کی عبارت حذف کرنے کا کہا گیا۔

جدول اوّل کو تحفظ

مسوّدہ میں جدول اوّل کو بنیادی حقوق کی دفعہ ۲۷ کے نفاذ سے مستثنیٰ قرار دے کر بعض ایسے فرامین صدر، آرڈی ننس وغیرہ کو دائمی تحفظ دیا گیا جن میں بعض صریح غیر اسلامی اور غیر جمہوری ہیں۔ ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی ایک خود مختار اسمبلی کی منظوری کے بغیر سیاہ دور کے کالے قوانین کو تحفظ دینا اسلامی اور جمہوری روح سے قطعاً منافی بات تھی، حزب اختلاف کے تمام ارکان جمعیۃ علماء اسلام کے تمام ارکان نے اس حصہ کے حذف کرانے پر زور دیا تاکہ یہ باتیں دفعہ ۲۷ کے تحت اسمبلی

میں زیر بحث لاکر بنیادی حقوق کے دائرہ میں لائی جا سکیں۔ یہ ترمیم مفاہمت کے دوران اس حد تک منظور ہوئی کہ دو سال کے بعد یہ استثنیٰ ختم ہوجائے گا۔ مولانا عبدالحق کی اس قسم کی ترمیم کا نمبر ۱۹۴۰ اور ایسی ہی ترمیم مولانا مفتی محمود اور دیگر ارکان جمعیۃ کی مشترکہ بھی تھی۔ ملاحظہ ہو ترمیم ۱۹۴۱

عائلی قوانین منسوخ کیے جائیں

مذکورہ آرڈی ننسوں میں رسوائے زمانہ مسلم فیملی لاز مجریہ نمبر ۸ ۱۹۶۱ء بھی ہے جس کی ہر مرحلہ پر مخالفت کی گئی اس کے لیے مذکورہ بالا ترمیم کے علاوہ مولانا عبدالحق نے الگ ترمیم ۱۹۴۵ داخل کرائی جس میں عائلی قوانین سے متعلق جدول اوّل کے حصہ ۲ کے مد ۳ کے حذف کر دینے کا کہا گیا تھا۔ یہی ترمیم مولانا غلام غوث ہزاروی کی تھی (ملاحظہ ہو ۱۹۴۴) جو انھوں نے ایوان میں موجودگی کے دوران پیش کی مگر اکثریتی پارٹی نے مسترد کر دی۔

کلیدی مناصب کے لیے مسلمان ہونا لازمی شرط ہو

جدول سوم میں اہم کلیدی مناصب پر فائز افراد سپیکر، گورنر، چیف جسٹس، چیف آف سٹاف وغیرہ کے حلفِ وفاداری کے الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا عبدالحق نے ان تمام اہم مناصب کو مسلمان ہونے سے مقید کرانے پر زور دیا تھا۔ اس لیے ایسے مناصب والوں کے حلف میں بھی صدر اور وزیر اعظم کے حلف سے معتقدات سے متعلق حصہ کا اضافہ کرانا ضروری تھا۔ مولانا عبدالحق نے اس حصہ میں جو ترمیمات اس اضافی عبارت کے بارہ میں پیش کیں وہ یہ تھیں۔

ترمیم ۱۹۵۳ سپیکر، ڈپٹی سپیکر، چیئرمین ڈپٹی چیئرمین کے عہدے کے حلف کے بارہ میں

ترمیم ۱۹۵۴ گورنر کے عہدے کے حلف کے بارہ میں۔

ترمیم ۱۹۵۶ چیف جسٹس پاکستان کے بارہ میں

ترمیم ۱۹۵۷ کسی بھی عدالت عالیہ کے چیف جسٹس کے بارہ میں۔

ترمیم ۱۹۵۸ چیف الیکشن کمشنر کے بارہ میں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

باب ۵

اہم قومی و ملی معاملات پر

تقریریں

تقریر

مُسلمان کی مُتفقہ تعریف[1]

(یہ تقریر مولانا عبدالحق صاحب نے ۱۷/اپریل ۱۹۷۲ء کو ۴ بجے شام قومی اسمبلی کے اجلاس میں فرمائی اور ایڈیٹر "الحق" نے قلمبند کی)

نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم

ذمّہ داریاں

جنابِ سپیکر! اس معزز ایوان پر دو قسم کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ مالک الملک ہمیں اقتدار کی کرسی پر بٹھا کر جانچنا چاہتا ہے کہ میرے یہ بندے جنہیں ڈیڑھ سو سال کی غلامی کے بعد نجات دی ہے۔ آزادی ایسی نعمتِ عظمیٰ کے بعد بھی ان کا سلوک ان کا طریقۂ عبدیت اور ان کا شکر میرے کرم کے مطابق ہے یا نہیں۔ اور دوسری ذمہ داری مخلوقِ خدا کی طرف سے ہے۔ کیونکہ ہم نے مظلوموں اور حق تلفیوں کا شکار ہونے والے لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا وعدہ کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم اسے کس طرح پورا کرتے ہیں اور ان ذمّہ داریوں کی تکمیل کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں۔

اللہ کی حاکمیّت

اللہ تعالیٰ اور اس کو حاکمِ اعلیٰ ماننا ہی ہمارا ایمان ہے۔ کیونکہ ان الحکم الا للہ.

---

[1] مباحثِ اسمبلی ۱۷/اپریل ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۸

حکومت اور حاکمیت صرف اللہ جل مجدہٗ کی ہے اور ہم لوگ کیا بلکہ روئے زمین کے تمام لوگ بالخصوص مسلمان، ان سب کی حیثیت تنفیذ احکام کرنے والوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمودہ تشریحات کی تنفیذ ہمارا فرض ہے۔

مسلمان کی تعریف

کل لفظ "مسلمان" پر لے دے ہوئی تھی، ایک مطالبہ یہ بھی ہوا تھا کہ اگر ہم مسلم ہیں تو مسلم کی تعریف کیا ہے؟ اور یہاں تک کہا گیا کہ اس کی تعریف پر اتفاق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے دستور میں اس کی تعریف شامل نہیں کی جا سکتی۔

تو گذارش ہے کہ مسلم ایک ایسا لفظ تو نہیں ہے کہ جس کا کوئی مفہوم ہی نہ ہو اور مہمل ہو۔ اگر ایسا ہوا تو گویا دنیا کے اسی کروڑ مسلمان ایک مہمل لفظ کے مصداق ہوں گے (اور یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے) رہا یہ کہنا کہ اس کی تفسیر اور تعریف میں اختلاف ہے تو یہ ایک مغالطہ ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کی تعریف میں کوئی اختلاف نہیں۔ ایمان اور اسلام کا مفہوم سب کو معلوم ہے۔ عربی میں اسلام اور ایمان کی تعریف یہ ہے کہ :

التصدیق بجمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اردو میں مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جو وحدانیت پر یقین رکھتا ہو اور کتاب و سنت، یعنی قرآن مجید، احادیث اور ضروریاتِ دین کی تصدیق کرتا ہو، پیغمبر کے تمام مجیبات پر یقین رکھتا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہو۔ بایں معنی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نہ بروزی نہ ظلی نہ تبعی نہ مستقل کسی قسم کی نبوت نہیں مل سکتی۔ جس طرح دنیا میں آخری اور سب سے کامل روشنی آفتاب کی ہے، اس کے اوپر کوئی روشنی مادیات میں نہیں نہ اس کے بعد کسی روشنی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح نبوت کے سلسلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درجہ کمال تک پہونچایا۔ نبی کریم نے فرمایا

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کالشمس فی نصف النہار ہیں۔ ان کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی اور اس کے بعد کتاب وسنت اور ضروریاتِ دین کا وہی مفہوم ہوگا جس پر خیر القرون کا اتفاق رہا۔ یعنی اب کوئی شخص صلوٰۃ و زکوٰۃ کا معنیٰ اپنی طرف سے نہیں کرسکتا۔ نبی کریمؐ، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے دور میں جو مفہوم تھا۔ ان تمام مفاہیم کو اسی طریق پر ماننے، یہ ہے مسلمان۔

خلاصہ کلام یہ کہ مسلمان وہ ہے جو ضروریات دین پر یقین رکھتا ہو اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہو۔ پہلے سے جن نفوس قدسیہ کو نبوت ملی۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ، وہ اگر قیامت سے پہلے تشریف لائیں تو ان کو تو نبوت پانچ سو برس پہلے ہی مل چکی ہے۔ ان کا آنا آخری نبی نہ آنے کے منافی نہیں۔ آپ کے بعد قیامت تک کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی اور کتاب وسنت کا وہی مفہوم لیا جائے گا جو خیر القرون میں تھا۔ پس جب کہ ہمارے آئین میں یہ دفعہ رکھی گئی ہے کہ ملک کا سربراہ مسلم ہوگا تو ہم آپ کی وساطت سے اپنے معزز وزیر قانون سے استدعا کرتے ہیں کہ یہاں علماء کے جتنے طبقے موجود ہیں سب کو اس مفہوم پر میرے ساتھ متفق پائیں گے۔ یہاں جس نظریہ کے لوگ بھی ہیں آپ ان سے تصدیق کر سکتے ہیں۔ کسی کو اس مفہوم پر اختلاف نہیں ہے اور اسلامی آئین کی اس دفعہ میں وہ مفہوم اور معنی شامل کیے جائیں جو میں نے بیان کیے ہیں تو انشاء اللہ بہت سی مشکلات اور مسائل سے نکل جائیں گے۔

حضرت کی تقریر کو صرف پانچ چھ منٹ گذرے تھے اور کئی اہم امور پر گفتگو باقی تھی کہ سپیکر نے وقت ختم ہونے کا اعلان کرکے تقریر ختم کرادی۔ حضرت نے اس کے بعد سوالیہ انداز میں ایوان سے اس تعریف پر رائے معلوم کرنا چاہی جس پر تمام حزب اختلاف نے مکمل اتفاق ظاہر کیا اور حزب اقتدار نے خاموشی اختیار کی۔

○
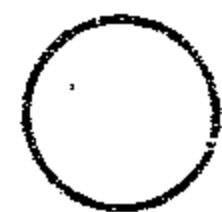
اداریے

(قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی بیان کردہ مسلمان کی تعریف سے بریلوی مکتب فکر کے علماء مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا ازہری نے تو اتفاق فرمایا ہی تھا - اہل حدیث مکتب فکر کی رائے بھی درج ذیل رسالے کے اداریہ سے سامنے آگئی جس سے حکومت کے اس پروپیگنڈے کا بھانڈا پھوٹ گیا کہ علماء اس بارے میں متفق نہیں ہو سکتے)

ہفت روزہ **"الاعتصام"** لاہور

وزیر اطلاعات جناب کوثر نیازی صاحب نے قومی اسمبلی کے اجلاس میں علماء کے اس مطالبے پر کہ "آئین" میں مسلمان کی تعریف بھی متعین کر دینی چاہیے، جو گوہر افشانی فرمائی تھی اس پر ہم ایک گزشتہ شمارے میں روشنی ڈال چکے ہیں اور خود اسمبلی میں موجود بعض علماء نے بھی ان کے "فرمودہ" کا معقول جواب دے دیا تھا اور "مسلمان" کی ایک ایسی تعریف بھی کر کے بتلا دی تھی جس پر سب علماء کا اتفاق ممکن ہے - مثلاً جمعیۃ علماء اسلام کے مولانا عبدالحق آف اکوڑہ خٹک نے قومی اسمبلی میں فرمایا تھا کہ :

"مسلمان وہ ہے جو کتاب و سنت اور ضروریاتِ دین کو ان تشریحات کے ساتھ قبول کرتا ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خیر القرون میں اور پھر اب تک سمجھی جا رہی ہیں - مثلاً نماز اور زکوٰۃ کو من مانے مفہوم پہنانے والے کو مسلم نہیں کہا جا سکتا - اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی سمجھے - بایں معنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نہ ظلی

نہ بروزی، نہ مستقل یعنی کسی قسم کی نبوت نہیں مل سکتی اور ایسا دعوےٰ
کرنے والا کافر ہے "

یہ تعریف" کافی حد تک جامع اور معقول ہے۔ ظاہر ہے جب آپ کسی چیز کے ماننے
کا اقرار کریں گے تو اس کا مطلب اس شے کی من مانی تعبیر کے ساتھ ماننا نہیں ہوگا۔ بلکہ اسی
مفہوم اور تشریحات کے ساتھ ماننے کا ہوگا جو اس کے اصل واضعین کے پیش نظر ہوں گی
من مانی تعبیر کے ساتھ کسی چیز کو ماننے کا نام سرے سے اقرار واعتراف ہے ہی نہیں۔ دنیا اُسے
اس چیز کا منکر ہی کہے گی، لیکن اس تعریف سے دو نہایت ہی حقیر اقلیتیں سیخ پا ہوتی ہیں
ایک مرزائی دوسرے حدیثِ رسولؐ کو حجت اور ماخذ ثانی ماننے سے انکار کرنے والے چکڑالوی
اور پرویزی وغیرہ۔ کیونکہ اس طرح ان کی داڑھی کا تنکا نظر آجاتا ہے اور وہ مسلمانوں کے
مسلمہ عقاید و روایات سے انحراف کی وجہ سے امت مسلمہ سے الگ تھلگ ہو کر رہ جاتے
ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے عقائد کی اصلاح کریں اور مسلّمات امت کو تسلیم کریں۔
وہ مسلمان کی تعریف کو اس طرح موم کی ناک بنا دینا چاہتے ہیں کہ وہ اسلام سے ہر طرح کی
بغاوت کے بعد بھی بزعم خویش "مسلمان" بن کر رہیں، گویا ؎

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

چنانچہ ان دو طبقوں نے اپنے ذہنی تحفظات کے پیش نظر وزیر اطلاعات کے اس بیان
پر دادِ تحسین کے خوب ڈونگرے برسائے ہیں جو انہوں نے زیر بحث مسئلہ قومی اسمبلی میں دیا تھا
جس میں باہمی اختلاف کی آڑ لے کر "مسلمان" کی تعریف کے مسئلے کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور
اسے "دلائل و براہین" کا اچھوتا نمونہ اور "حق گوئی" کا بے مثال مظاہرہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ
وزیر موصوف کا وہ بیان عقل و فکر کی میزان اور نقد و نظر کی کسوٹی پر کھرا نہیں اترتا۔ وہ بالکل
ایک سطحی بیان ہے جس میں کوئی معقولیت نہیں۔ جیسا کہ ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں لیکن
چونکہ ان دونوں طبقوں کے مفادات و تحفظات اسی طرز کلام کے رہین منت ہیں۔ اس لیے

وہ اس پر بغلیں بجا رہے ہیں۔ سب سے زیادہ تعجب مرزائیوں پر ہے جو انتہائی دیدہ دلیری اور پوری بے شرمی و ڈھٹائی سے "سب کلمہ گو مسلمان ہیں" کا راگ الاپ رہے ہیں حالانکہ اگر واقعہ یہ ہوتا کہ عقائد سے قطع نظر محض کلمہ پر ہی اسلام کا انحصار ہوتا تو آنجہانی مرزا تمام کلمہ گو مسلمانوں کو کافر قرار کیوں دیتا؟ خود لاہوری مرزائی، ربوی مرزائیوں کے کفر کے کیوں معتقد ہیں۔؟ یہ سوال ہم متعدد مرتبہ ان کالموں میں مرزائیوں سے کر چکے ہیں، لیکن اس کا وہ کوئی معقول جواب نہیں دیتے۔ بہرحال اس سلسلے میں نہ وزیر صاحب موصوف کا بیان حقیقت پسندانہ ہے اور نہ اس پر خوشی کے شادیانے بجانے والے مرزائی اور پرویزی حضرات کے طرزِ عمل میں کوئی معقولیت ہے۔

ماہنامہ "البلاغ" کراچی

یہ مسئلہ خود اسمبلی میں زیرِ بحث آیا تھا اور اسمبلی کے ارکان علماء نے مسلمان کی تعریف شاملِ دستور کرنے کا مطالبہ کیا تھا، لیکن حکومت کے حلقوں کی طرف سے رسوائے زمانہ منیر انکوائری رپورٹ کا حوالہ دے کر یہ کہا گیا کہ مسلمان کی تعریف پر علماء میں اتفاق نہیں ہے۔ اگر وہ متفقہ طور پر مسلمانوں کی کوئی تعریف پیش کر دیں تو اسے دستور میں شامل کر لیا جائے گا۔ یہاں ہم اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے کہ منیر انکوائری رپورٹ میں کیسی شرمناک جانبداری سے کام لیا گیا تھا اور خاص طور سے مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں علماء کے بیانات کو کس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا تھا۔ ہم اس بات کو بھی یہاں نظر انداز کرتے ہیں کہ مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں علماء کے کسی اختلاف کا نعرہ کس قدر بے بنیاد ہے۔ لیکن جمعیۃ علماء پاکستان کے رہنما مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری نے جو قومی اسمبلی کے رکن ہیں، کراچی کی ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا ہے کہ حکومت کی طرف سے اس مطالبے کے بعد قومی اسمبلی کے اراکین علماء نے مسلمان کی مندرجہ ذیل تعریف کی:

"مسلمان وہ ہے جو کتاب و سنت اور ضروریاتِ دین کو ان تشریحات کے ساتھ قبول کرتا ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خیر القرون میں اور پھر اب تک سمجھی جا رہی ہیں۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ کو من مانے مفہوم پہنانے والے کو مسلم نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی سمجھے۔ بایں معنیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نہ ظلی نہ بروزی نہ مستقل۔ یعنی کسی قسم کی نبوت نہیں مل سکتی اور ایسا دعویٰ کرنے والا کافر ہے۔"

لیکن جب علماء نے اسمبلی میں یہ تعریف پیش کی تو حکومت کے حلقے اپنے وعدے سے منحرف ہو گئے۔

بہرکیف! جب صدر کے لیے مسلمان ہونے کی شرط متفقہ طور پر مسلم ہے تو ظاہر ہے کہ "مسلمان" کا کوئی لگا بندھا مفہوم بھی دستور میں درج ہونا چاہیے۔ تاکہ کوئی غیر مسلم محض مسلمانوں کا سا نام رکھ کر ملک و ملت سے غداری کا مرتکب نہ ہو سکے۔

بشکریہ ماہنامہ "الحق" جون ۱۹۷۲ء

جمعیۃ علماء پاکستان کا آرگن "المدینہ" کراچی

قومی اسمبلی کے اجلاس کے آخری روز مرکزی وزیر اطلاعات و اوقاف ..... کو اس وقت شدید شرمندگی کا اعتراف کرنا پڑا جب ایوان میں موجود تمام علماء کرام نے مسلمان کی متفقہ تعریف پیش کر دی۔ مولانا کوثر نیازی نے ..... چیلنج دیا تھا کہ علماء کے مختلف طبقے اور جماعتیں مسلمان کی متفقہ تعریف اور اسلام کی تعبیر پیش نہیں کر سکتیں ..... بعد ازاں شام کے اجلاس میں جمعیۃ علماء اسلام کے رہنما مولانا عبدالحق نے ایوان میں موجود تمام علماء کی جانب سے مسلمان کی متفقہ تعریف پیش کرتے ہوئے کہا کہ الخ انہوں نے اعلان کیا کہ یہ تعریف ایوان میں موجود علماء کے تمام حلقوں کی طرف سے پیش کی جا رہی ہے اس لئے اب مولانا کوثر نیازی کو حسبِ وعدہ یہ تعریف آئین میں شامل کر لینی چاہیے جنہوں نے ایوان میں اعلان کیا تھا کہ اگر علماء متفقہ تعریف پیش کر دیں تو وہ اسے آئین میں شامل کر دیں گے۔ (فرنٹ لائن "المدینہ" کراچی مجریہ ۱۲ مارچ ۷۴ء صفحہ ۵)

تقریر

اسلامی جمہوریہ پاکستان

(مولانا عبدالحق نے ۱۶ اگست ۱۹۷۲ء کو قومی اسمبلی کے اجلاس کے تیسرے سیشن میں اس ترمیم پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہ "ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہونا چاہیئے" ایک مفصل تقریر فرمائی۔ ہمیں اسمبلی سیکرٹریٹ نے اس کا جتنا حصہ فراہم کیا۔ اسے پیش کر رہے ہیں)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب سپیکر! اس ایوان میں تمام حضرات تشریف فرما ہیں۔ ان کا دین اسلام ہے اور سب کے سب مسلمان ہیں۔ کل بھی ہم سے تین مرتبہ حلف لیا گیا ہے کہ اسلامی نظریہ کے لیے کوشاں رہیں گے۔ اور اس عبوری آئین میں بھی "اسلامی جمہوریہ پاکستان" صاف لکھا ہے

جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایران کے گورنر ہو کر آئے تو اُن سے پوچھا گیا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ جواب دیا — اسلام۔ تمہارے باپ کا نام؟ اسلام — تمہارا مذہب؟ اسلام

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتح کی حیثیت سے بیت المقدس میں داخل ہو رہے تھے تو پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوتے تھے۔ لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ امیر المؤمنین لباس تبدیل کرلیں۔ تاکہ کافروں کے دلوں میں کچھ عزت اور وقار پیدا ہو۔ آپ نے ناراض ہو کر انکار کر دیا اور فرمایا "نحن قوم اعزنا اللہ بالاسلام" ہمیں اللہ نے

اسلام ہی سے عزت دی ہے ——— عزت لباس وغیرہ سے نہیں۔

عبوری آئین میں بھی لکھا گیا ہے —"اسلامی جمہوریہ پاکستان" تو اس لیے ہم اسلام کی اشاعت کریں گے۔ اسلامی نظریہ کو نہیں بھولیں گے اور اگر ہم نے مستقل آئین میں جمہوریہ پاکستان سے پہلے لفظ "اسلامی" درج نہ کیا تو عوام یہ تاثر لیں گے کہ عبوری آئین میں "اسلامی" لکھا گیا تھا اور اب مستقل آئین میں جمہوریہ پاکستان سے پہلے لفظ "اسلامی" نہیں ہے اور یہ بات سارے ملک میں پھیل جائے گی کہ حکومت ملک کا نام سوشلسٹ جمہوریہ رکھنا چاہتی ہے یا پھر کمیونسٹ یا ری پبلک (Republic) قسم کا ——— جیسا کہ ایک معزز ممبر نے اپنی تقریر میں تجویز بھی پیش کی ہے۔

میں آپ سے درخواست کروں گا کہ جمہوریہ پاکستان کے ساتھ "اسلامی" لفظ یعنی اسلامی جمہوریہ جو کہ عبوری آئین کے صفحہ اوّل میں لکھا ہے۔ درج کر دیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم اسلام کے نام سے کیوں بھاگتے ہیں اور کیوں نفرت کرتے ہیں۔ جب کہ ہمارے تمام مسائل کا حل اسلام میں ہے۔ خدا کی قسم جب تک ہم اسلام کا نام لیتے رہیں گے۔ ہم اس نام کی برکت سے دنیا میں کامیاب ہوں گے اور آخرت میں بھی اس نام کی برکت سے جنت میں جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ روح اسلام تو ہم نے پہلے سے ہی نکال دی ہے۔ اب اگر نام کو بھی نکال دیں تو ہمارے پاس کیا رہ جائے گا اور ہم کیا ہوں گے۔؟

ہم صدر محترم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور ان کی ہمت کے معترف ہیں اور ہمیں ان سے توقع ہے کہ وہ مکمل اسلامی آئین کے نفاذ کا اعلان کر دیں گے اور اگر وہ کھل کر اسلام کے بارے میں بھی واضح اعلان کر دیں تو قوم مطمئن ہو جائے گی۔ ہم سب مسلمان ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی قوم میں غلط تاثر پیدا نہ کریں۔ بلکہ اسلام کے نام کو بھی فروغ دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جمہوریہ پاکستان سے پہلے لفظ "اسلامی" ضرور ہونا چاہیے۔

تقریر

مسائلِ پاکستان

(یہ وہ تقریر ہے جو مولانا عبدالحق صاحب نے ۱۴ر جولائی ۱۹۷۲ء
کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں کی تھی اور اکوڑہ خٹک سے شائع ہونے
والے ۱۲ر اگست ۱۹۷۲ء کے ماہنامہ "الحق" سے نقل کی گئی ہے)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

معاہدہ شملہ

محترم چیئرمین صاحب اور معزز اراکین! تین چار روز سے معاہدہ شملہ سے متعلق دو قسم کی آراء کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دونوں آراء کا اختلاف ملک کے لیے مفید رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اختلاف امتی رحمۃ" اختلاف اگر خلوص پر مبنی ہو تو موجبِ رحمت ہے۔ مخالفت میں اگر اس معاہدے کے بارے میں کچھ کہا گیا ہے۔ تو میرا خیال یہ ہے کہ صدر محترم دوسری ملاقات میں مخالف آراء کی وجہ سے کچھ مزید مراعات حاصل کر سکیں گے اور جن لوگوں نے موافقت کی ہے وہ بھی مفید رہے گی۔ اس لیے کہ صدر کو پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے گفتگو کرنی چاہیے۔ اگر اس معاملہ میں ان کے ہاتھ ہم نے مضبوط کیے۔ تو انہیں اور بھی عزم و ہمت سے کام کا موقع ملے گا اور ممکن ہے وہ ان مختلف خیالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب دوبارہ مذاکرات کے لیے تشریف لے جائیں گے تو یہ خیال فرما دیں گے کہ چونکہ اس سے ہماری قوم مطمئن نہیں۔ اس لیے ہمارے ساتھ کسی اور قسم کا معاملہ کیا جائے

تو اس سے جو بھی فائدہ ہوگا وہ سب کے مفاد میں ہوگا۔ اختلاف امتی رحمۃ کی بنا پر جو بھی فیصلہ ان اختلافات کی روشنی میں ہوگا وہ باعثِ رحمتِ خداوندی ہوگا۔

ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ یہاں رونا اور واویلا ہو رہا ہے کہ اس وقت ہم مسلمان بہت کمزور ہیں۔ میں اس خیال سے موافقت نہیں کرتا۔ اگر میری یہ نحیف آواز اندرا گاندھی اور ہندوستان تک پہونچ سکے تو میں یہ عرض کروں گا کہ ہم اس لحاظ سے معاہدہ قبول نہیں کرتے کہ ہم کمزور ہیں۔ کیونکہ جب جنگِ بدر میں دنیا کے کافروں کے سامنے صف آرا ہوئے تو ہم وہ ہیں کہ تین سو تیرہ تھے لیکن خدا نے ہماری امداد کی اور اعانت فرمائی اور اگر کہا جائے کہ اب وہ مسلمان کہاں۔ تو اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت تک میری امت میں ایک طائفہ ایسا ہوگا جو حق پر قائم رہے گا۔ تو اس طائفۂ حق کی مدد خدا ہر حالت میں کرتا ہے۔ بشرطیکہ ہم اس کے مصداق بن جائیں۔ ہم نے عزم اور ہمت نہیں ہاری۔ ہمارا بچہ بچہ پاکستان کے لیے، اسلام کے لیے اور اپنی قوم کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بہانا نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ جنگِ خندق میں تمام کفار، یہودی، مشرکین اور تمام قبائل غطفان وغیرہ جمع تھے اور ان کے مقابلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خندق کھود رہے تھے، تن پر کپڑا نہیں ہے، کھانے کو روٹی نہیں، پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں اور کوئی خاص سامان جنگ بھی نہیں ہے، لیکن چوبیس ہزار کافروں کے مقابلہ میں اعلان کرتے ہیں کہ : ؎

نحن الذین بایعوا محمدا
علی الجهاد ما بقینا ابدا

ہم وہ جماعت ہیں کہ جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر جہاد کا معاہدہ کیا ہے کہ ہم آخری سانس تک جہاد کریں گے۔ میں تمہیداً اس لیے عرض کرتا ہوں کہ شائد ہماری اسمبلی کے اس اجلاس سے بھارت یہ تاثر لے کہ پاکستان تو دب گیا ہے اور وہ محض کمزوری کی وجہ

سے صلح کر رہا ہے۔ اب تو ہم پانچ کروڑ ہیں اور اگر سارے اسلامی ممالک کو ملایا جائے جیساکہ اسلام کا تقاضا ہے۔ المومنون کجسد واحد۔ تمام دنیا کے مسلمان ایک جسد ہیں۔ تو ہم ستر اسی کروڑ ہیں، لیکن یہ ساڑھے پانچ کروڑ مسلمان اپنے اسلام اور اپنے ملک کے تحفظ کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار ہیں۔ ہمارے عزم اور ہماری ہمتوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جیساکہ ۱۹۶۵ء میں تھا۔ اب بھی انشاء اللہ وہی ہوگا۔

تو اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ کہیں ہماری ان تقاریر سے مسز اندرا گاندھی اور انڈیا یہ نہ سمجھ لے کہ اب پاکستان دب گیا ہے، اب وہ کمزور ہوگیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہماری نصف سے زیادہ آبادی ہم سے چھن گئی ہے۔ ہمارے ایک لاکھ سپاہیوں کو انہوں نے محبوس کر دیا ہے اور تاریخ میں ایسا ہوا کرتا ہے۔ میں تین باتیں عرض کرتا ہوں۔

ایک تو یہ کہ ہم نے اس معاہدہ امن کو کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کی وجہ سے تسلیم کیا ہے۔ المومن من امنہ الناس علی دماءھم و اموالھم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی شان یہ ہے، تمام لوگوں کا خون، ان کی عزت آبرو اس سے محفوظ ہو۔ ہم کافروں کی طرح نہیں ہیں کہ عورتوں اور بچوں پر بھی ہاتھ اٹھائیں۔ بوڑھوں اور مریضوں کو قتل کرنے سے ہمیں اسلام نے منع کیا ہے۔ شکر ہے کہ پچیس برس کے بعد انڈیا امن کا ہاتھ بڑھا رہا ہے اور خدا کے ارشاد کے مطابق وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ اگر دشمن نے صلح کی طرف ہاتھ بڑھایا، تو ہم بھی صلح کا ہاتھ بڑھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ پر توکّل اس پر بھروسہ اور سہارا ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ ارشاد بھی فرمایا کہ وان نکثوا ایمانھم اور اگر انہوں نے معاہدہ توڑ دیا تو ہم بھی خاموش نہیں بیٹھیں گے بلکہ برابر کا سلوک اور رویہ اختیار کریں گے۔ اس لیے ہم خدا پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے امن کے ہاتھ کو کھینچنا نہیں چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آیندہ جو بھی معاملات ہوں، فریقین کے باہمی مذاکرات، امن، مصالحت اور بین الاقوامی

قوانین کی روشنی میں طے پائیں - اس لحاظ سے ہم اس تجویز اور معاہدہ کو اسلامی نقطۂ نظر سے قبول کرنے کو تیار ہیں۔

مسئلہ کشمیر

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ پچیس سال سے ہمارے ملک کی جو لڑائیاں ہو رہی ہیں اس کا مدار کشمیر ہے - اگر کشمیر کا معاملہ طے نہ ہو تو چاہے ہم کتنے معاہدے کرتے رہیں یہ لڑائیاں جاری ہی رہیں گی۔ اس لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ جموں کشمیر کے معاملے کو طے کرانے کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ جیسا کہ معاہدہ میں کہا گیا ہے کہ فریقین ایک دوسرے کی پوزیشن کا لحاظ رکھتے ہوئے امن کے ساتھ اس معاملے کو طے کریں گے ——— ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کشمیر کا معاملہ بین الاقوامی قوانین اور حق خود ارادیت کے مطابق اسلام کے حق میں، مسلمانوں کے حق میں اور کشمیریوں کے حق میں طے کرا دے، لیکن اگر ان کا خیال ہے کہ جب دونوں فریق متفق ہوں، تب یہ بات طے ہوگی اور اگر وہ متفق نہیں ہوں گے تو کشمیر کے حل ہونے کی نوبت ہی نہ آئے گی - یعنی اگر معاہدے کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہندوستان راضی نہ ہو تو ہم کشمیر کے بارے میں خاموش رہیں گے۔ تو ہمیں واضح کر دینا چاہیے کہ ہم اس کے بعد اسلام کی رہنمائی میں دوسرا قدم اٹھائیں گے - اسلام نے اس بارے میں بھی ہماری رہنمائی کی ہے - آپ کو معلوم ہے کہ حدیبیہ میں صلح ہوئی مگر دو برس بعد مشرکین مکہ نے معاہدہ توڑا، چڑھائی کی اور غداری ہوئی۔ اس پر مسلمانوں نے بھی معاہدہ کو چھوڑ دیا اور حملہ کر کے مکہ معظمہ فتح کر لیا ایسی صورت میں یہاں بھی انشاء اللہ یہی حالت ہوگی

مسٹر سپیکر : مولانا صاحب ! کچھ اختصار کریں -

بنگلہ دیش

مولانا عبدالحق : محترم سپیکر صاحب ! بنگلہ دیش کے بارے میں بھی میرا ایک مشورہ ہے کہ صدر پاکستان نے بنگلہ دیش سے متعلق اب تک کچھ نہیں کہا نہ شاید مذاکرات ہوئے ہیں۔ اس لیے آپ اس بارے میں سکوت اختیار کرنا مفید اور مناسب ہے۔

دیکھیے اگر آج ہم یہاں کہیں کہ ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا چاہتے ہیں تو پھر آیندہ مذاکرات میں ہمارے صدر صاحب کی پوزیشن کمزور ہوگی۔ اگر وہ اس سلسلہ میں مصلحتاً سخت موقف اختیار کریں گے تو بھارت کہے گا کہ تمہاری اسمبلی نے تسلیم کرنے کی بات کی ہے۔ تم کیسے نہیں نہیں مانتے ؛ اور اگر ہم کہیں کہ بنگلہ دیش کو کسی حال میں تسلیم نہیں کریں گے تو آئندہ مذاکرات میں پھر بھی صدر کی پوزیشن کمزور ہوگی۔ کہ تمہاری اسمبلی بھی تمہارا ساتھ نہیں دیتی۔

تو میں یہ چاہتا ہوں کہ جب تک بنگلہ دیش کے بارے میں مذاکرات سے واضح صورت سامنے نہیں آتی اس وقت تک ہمیں اس طرف سے خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ اس کے بعد انشاء اللہ قومی اسمبلی کا اجلاس ہوگا اور ہم فیصلہ کریں گے۔

یوم المیثاق

تیسری اور اہم گذارش یہ ہے کہ آج میثاق شملہ کی توثیق کرتے ہوئے یوم المیثاق کے عہد و پیمان کی توثیق بھی ہونی چاہیے کہ جب پیدائش سے قبل ہمارے رب نے پوچھا : الست بربکم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟ قالوا بلیٰ ہم سب نے ربوبیت اور حاکمیت کا اعتراف کیا اور وعدہ کیا۔ اب اس عہد کا لحاظ ہر وقت ضروری ہے۔

پھر ہم نے قیام پاکستان کے وقت ایک عہد اور ایک معاہدہ کیا اور اللہ رسول کے ساتھ ایک میثاق ہوا کہ ہم اس ملک میں خدا، رسول اور اسلام کا نظام مکمل طور پر نافذ کریں گے۔ اس لیے اس میثاق ملکی کی توثیق کرنے کے ساتھ اس میثاق کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ آیندہ جو آئین بن رہا ہے وہ اسلامی ہو۔ عہد کی تجدید و توثیق ہوگی تو ہم کامیاب ہونگے۔

تعطیل جمعہ کی قرارداد

اور

اکثریتی پارٹی کا رویہ

۲۴ اگست کو قومی اسمبلی میں غیر سرکاری کاروائی کا دن تھا۔ تعطیل جمعہ کی قرار داد زیر بحث آئی کہ آخر ۲۵ سال سے آزاد ہوتے ہوئے بھی اتوار کی تعطیل کا کیا جواز ہے۔؟ حزب اقتدار کی اکثریت پہلے سے اس کی مخالفت کرنے پر تلی ہوئی تھی اور اس موقع پر ان کی حسب سابق وکالت لاہور کے ڈاکٹر سید محمود بخاری نے کی۔ انہوں نے زیادہ تر زور قرآن کی آیت فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع پر لگایا کہ کاروبار نہ ہوتا تو بند کیسے ہوتا؟ پھر نماز کے بعد فانتشروا فی الارض میں زمین پر پھیلنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا ترجمہ یوسف علی کی انگریزی تفسیر سے اور اسی کے حاشیہ سے مفسرین کے بھاری بھرکم حوالے اور نام پیش کیے۔ حالانکہ یہ ساری محنت و کاوش ایک ایسی بات پر تھی جو متنازعہ ہی نہ تھی اور اس سے زیر بحث چھٹی کا تعلق ہی نہ تھا۔ نہ علماء کو آیت کے اس مفہوم سے اختلاف تھا، لیکن ڈاکٹر صاحب کھینچ تان کر اُسے تعطیل کی مخالفت پر چسپاں کرنا چاہتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اسلام میں چھٹی کا تصور یہود کے نظریہ سے مستعار ہے۔

آگے چل کر آپ — اتوار کے تقدس اور تاریخی اہمیت پر اتر آئے اور انسائیکلوپیڈیا کے

رعایہ میں اسے جمعہ پر برتری دینے لگے۔ ایک استدلال یہ آیا کہ چھٹی سے قوم کاہل ہو جاتی ہے۔ اقتصادی لحاظ سے کام اور محنت کے روکنے سے نقصان ہوگا۔

مولانا عبدالحکیم نے کہا کہ اتوار تو ہے ہی کاہلی کے لیے، شراب پینے کے لیے۔ پھر اس کو بھی ختم کیا جائے۔ جناب خورشید حسن میر کا محکمہ تعین نہیں تو بقول مولانا شاہ احمد نورانی صاحب ہر بات اور مسئلہ میں ٹانگ اڑانا ہی ان کا محکمہ بن گیا ہے۔ اٹھے اور کہا کہ ہر بات میں مذہب کو ٹانکنا ایک عادت بن گئی ہے۔ حالانکہ جمعہ کوئی مذہبی معاملہ نہیں۔ جناب محمد حنیف وزیر محنت نے جمعہ کی مخالفت سے زیادہ ڈاکٹر محمود بخاری کی وکالت کی اور کہا کہ انہیں اگر قرآن پاک کے تلفظ اور تلاوت پر قدرت نہیں تو اس پر علماء نے تعجب کیوں کیا۔ ہم اتنے گئے گزرے تو نہیں کہ ترجمہ بھی نہ سمجھ سکیں۔ پھر تان علامہ اقبال کے شعر

ع یہ امت روایات میں کھو گئی

پر ٹوٹ گئی۔

اس بے ہنگم بحث و مباحثہ کے دوران حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب بار بار اٹھ کر تقریر کی اجازت لیتے رہے۔ مگر سپیکر برابر نظرانداز کرتے رہے۔ پیپلز پارٹی کی طرف سے جناب احمد رضا قصوری اور کسی حد تک غلام رسول صاحب تارڑ نے اسلامی نقطہ نظر کی ترجمانی کی۔ احمد رضا صاحب تو کافی حد تک کلمۂ حق کہہ چکے اور کہا کہ جب دین ہمارا اسلام ہے یہ ہمارے منشور کی بنیادی بات ہے اور کتاب و سنت کی رعایت کرنا آئین کا حصہ ہے تو ہم کیوں جمعہ کے نام سے بھی چڑتے ہیں۔؟

جناب محمد حنیف وزیر محنت کے بعد حضرت شیخ الحدیث نے تقریر کی اجازت چاہی اور بحمداللہ موضوع کے اہم گوشوں پر سیر حاصل بحث فرمائی۔ پریس گیلری میں ممتاز صحافیوں سے سنا گیا کہ یہ آج کی بحث پر جامع اور مکمل تقریر ہے۔

تقریر

تعطیلِ جمعہ

(یہ وہ تقریر ہے[۵۱] جو مولانا عبدالحق صاحب نے ۲۴ اگست ۱۹۷۲ء
کو قومی اسمبلی میں غیر سرکاری کارروائی کے دن کی تھی اور ستمبر ۱۹۷۲ء
کے ماہنامہ "الحق" سے لی گئی ہے۔)

جنابِ سپیکر! معزز ممبران نے خود یہ تسلیم کیا ہے کہ جمعہ محترم اور مقدس دن ہے، عُلماء نے بھی اتنی ہی بات کہی تھی کہ جمعہ مقدس دن ہے۔ پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جمعہ کا احترام تسلیم کرتے ہوئے جمعہ کی تعطیل پر مولوی کو کیوں کوسا جاتا ہے۔ نماز فرض ہے۔ اس کی فرضیّت تسلیم، مگر جب مولوی کی زبان سے یہ بات نکلے تو کہا جائے کہ مولوی نے قوم اور اسلام کو داؤ پر لگایا ہے۔

تعطیل اور رخصت کا تعلق مزدور ملازم پیشہ اور اسی طرح کے اور پابند افراد سے ہے۔ جو لوگ اپنی آزادی اور مرضی سے کاروبار کرتے ہیں۔ جو کسی اور کے کام میں پابند نہیں، دوکان دار ہیں، زراعت پیشہ وغیرہ ہیں۔ ان کو ہم نے کب نماز جمعہ سے قبل یا بعد میں کاروبار کرنے سے روکا ہے۔ یا کب آیت کے اس مفہوم سے ہم انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خُدا کا حکم ہے:

اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع

جب جمعہ کی نماز کے لیے پُکارا جائے تو دوکان دار، زراعت پیشہ، کھیل کود اور خرید و فروخت میں مصروف لوگ اپنے کام چھوڑ کر نماز کی طرف دوڑیں

---

[۵۱] مباحث اسمبلی ۲۴ اگست ۱۹۷۲ء صفحہ ۲۰۵ تا ۲۰۸۔

لیکن ایک شخص سرکاری ملازم ہے، مزدور ہے۔ جس کو مالک اجازت نہیں دیتا۔ یا بروقت وہ تیاری نہیں کرسکتا وہ کس طرح جمعہ کی نماز پڑھ سکتا ہے —— یہ چھٹی آزاد لوگوں کے لیے نہیں بلکہ وہ جو کارخانوں میں اور دفتروں میں ملازم ہیں یا کسی اور کے ماتحت اور پابند ہیں تعطیل کا تعلق ان سے ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس تعطیل سے سارا نظام معطل ہو جائے گا۔ تو کیا ایک دن بعد اتوار کی چھٹی سے کوئی نظام معطل نہیں ہوتا ہے۔

اب اقتصادی لحاظ سے دیکھیے کہ اتوار کی تعطیل سے زیادہ نقصان ہے یا جمعہ کی چھٹی سے آپ اتوار کو تو تعطیل مناتے ہیں اور جمعہ کو بھی ساڑھے بارہ بجے چھٹی کرجاتے ہیں۔ تو اس طرح ڈیڑھ دن ہو جاتا ہے اور جمعہ کو ایک ہی دن بنتا ہے اور ہم محنت کے لحاظ سے بھی دو اڑھائی گھنٹے کے مزید نقصان سے بچ جائیں گے۔ اگر ہمیں کام کے لیے وقت درکار ہے تو ڈیڑھ دن کے بجائے ایک ہی دن جمعہ کو چھٹی کیجیے تاکہ کارخانے ترقی کرسکیں۔ معلوم ہوا کہ اتوار کی چھٹی کے بجائے جمعہ کی تعطیل سے اقتصادی فائدہ ہوگا۔

دوسری بات یہ کہی گئی کہ بنکوں وغیرہ کے کاروباری امور میں دیگر ممالک سے تعلقات میں فرق پڑتا ہے۔ تو اول تو یہ کہ اسلامی ممالک افغانستان، لیبیا اور اردن سے مراکش تک جمعہ کو تعطیل کرتے ہیں۔ کیا وہاں کا سارا نظام معطل ہو گیا ہے؟ جب ان ممالک کا جمعہ کی تعطیل سے کوئی نظام معطل نہیں ہوا تو ہمیں کیا ہو جائے گا۔ کیا ہم ہمیشہ یورپ کے تابع ہو کر رہیں گے؟ اگر وہ کہیں کہ ادھر چلو تو ادھر ہی کا رخ اختیار کرلیں، اس طرف چلو تو اسی طرف چل پڑیں۔

دینی لحاظ سے دیکھیے تو پانچ وقت کی نماز تو ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ نمازیں انفرادی بھی ہو سکتی ہیں ایک جمعہ ہی ہے جو جماعت اور خطبہ کے بغیر نہیں ہوتا اس کے لیے لوگوں کو دور دراز علاقوں، دیہاتوں اور کارخانوں سے جامع مسجدوں میں آنا پڑتا ہے۔ اگر صرف ڈیڑھ گھنٹہ پہلے چھٹی ہو تو ایک دیہاتی کیسے پہنچ سکتا ہے؟ ایک مزدور کارخانہ سے آکر کیسے غسل، کپڑے

بدلنا وغیرہ) ساری تیاری کر سکتا ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہم خدا تعالیٰ کے نزدیک ماخوذ ہوں گے اور ایسے لوگوں کی ترکِ صلوٰۃ کے ذمہ دار بھی ہم ہی ہوں گے۔ مجھ سے واہ فیکٹری کے ایک مزدور نے رو رو کر شکایت کی کہ جمعہ کے لیے بھی ہمیں اجازت نہیں ملتی۔ بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغمبروں کی وساطت سے ان کی امتوں پر یہ بات پیش ہوئی کہ ہفتہ میں ایک دن اپنے لیے منتخب کر لو۔ تو عیسائیوں نے اتوار کا دن اس لیے منتخب کیا کہ اس دن تخلیق عالم شروع ہوئی تھی۔ یہودیوں نے کہا کہ جمعہ کے دن کائنات بھی مکمل ہو چکی تھی اور عصر کے وقت حضرت آدم علیہ السلام بھی پیدا کیے گئے اور ہفتہ کا دن تخلیق سے خالی تھا۔ اس لیے ہم اسی دن چھٹی کریں گے۔ جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فھدانا اللہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جمعہ کی طرف ہدایت دی کہ وہ یوم الفراغ للعبادت ہے۔

تو کون کہتا ہے کہ دوکان دار دوکان نہ کھولے، کارخانہ دار کارخانہ بند کر دے اور زمیندار زمینداری چھوڑ دے۔ اس کے لیے دو اڑھائی گھنٹے کام کاج ترک کرنے کا حکم ہے، مگر جو ملازم ہیں یہ جھگڑا ان کے لیے ہو رہا ہے اور جب ہمیں ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرنی ہی ہے تو اتوار کی بجائے جمعہ کو کیوں نہ کی جائے۔

اس بنا پر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ مسئلہ اسی طرح نہ چھوڑا جائے۔ عیسائی تو اتوار کو عبادت میں گذارتے ہیں۔ گرجوں میں جاتے ہیں۔ ہم اتوار کو کیا کرتے ہیں۔؟ کہ ہم نے اسے منتخب کر لیا یہ صرف دیگر قوموں سے تشابہ ہے۔ ہر قوم کی یونیفارم ہوتی ہے۔ تہذیب اور تمدن ہوتا ہے۔ ہم اپنی ثقافت، اپنے طریقوں اور تہذیب و تمدن کو اپنا کر ہی الگ وجود قائم رکھ سکتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر میری حکومت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت بھی زندہ ہوا اور اس کی وجہ سے میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تو میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

تو میری ادھر کے حضرات سے بھی اور پیپلز پارٹی کے بھائیوں سے بھی اپیل ہے کہ یہ مسئلہ

طے کر دیں۔ یہ آپ کے کارناموں میں سے بڑا کارنامہ ہوگا۔

اگر سید الایام جمعہ کو ہم چھٹی منائیں تو مزدور اور ملازم طبقہ بآسانی نماز میں شامل ہو سکے گا۔ عیسائیوں کے تشابہ سے بچ جائیں گے۔ محنت کے لحاظ سے اقتصادی فائدہ ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں جمعہ کو تو طلوعِ شمس کے ساتھ ہی لوگ مسجدوں میں آجاتے تھے۔ اگر چھٹی نہ ہو تو کون ہے جو جمعہ کی نماز کو پہونچ سکے اس بنا پر میں قرارداد کی حمایت کرتا ہوں۔

تقریر

عائلی قوانین

(یہ وہ تقریر ہے جو مولانا عبدالحق صاحب نے ۱۴ ستمبر ۱۹۷۲ء
کو قومی اسمبلی میں عائلی قوانین کے خلاف فرمائی تھی۔ اسے آپ
کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خواتین کے حقوق

جناب سپیکر! جو عائلی قوانین اس ملک میں رائج کیے گئے ہیں۔ ان سے متعلق کہا جاتا ہے
کہ یہ خواتین پر ہونے والے مظالم کا مداوا ہیں۔ عرض یہ ہے کہ خواتین ہماری مائیں بہنیں
اور بیٹیاں ہیں اور کوئی بھی شخص اپنی ماں، بیٹی اور بہن پر مظالم برداشت نہیں کرسکتا
اسی لیے اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ:

الجنۃ تحت اقدام الامھات

جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے

اور جو شخص اپنی بیٹیوں ــــــــــــــــــــــــــــ

میاں منظور حسین: مولانا صاحب نے جہاں ماں، بیٹی اور بہن کا ذکر کیا ہے وہاں انہوں نے
بیویوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے تو کیا یہ ان کی فہرست میں نہیں آتیں۔

مولانا عبدالحق: بیوی ہی بعد میں ماں بن جاتی ہے اور ہر ماں لازماً بیوی ہوتی ہے۔

میاں منظور حسین : کس سٹیج Stage پر بیوی ماں بنتی ہے

مولانا عبدالحق : جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو شوہر کی بیوی بچے کی والدہ بن جاتی ہے اور اللہ کے حکم کے مطابق والدہ کا حق یہ ہے کہ اس کا احترام کیا جائے ۔

عنایت الرحمن عباسی : گاندھی نے کستوربا سے متعلق کہا تھا کہ یہ میری ماں ہے ۔

ایک رکن : مولانا آپ ان لوگوں پر توجہ نہ دیں ۔ یہ تقریر کا تسلسل توڑنا چاہتے ہیں ۔

مولانا عبدالحق : میں جو عرض کر رہا ہوں اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ خواتین کا احترام اور ان کے حقوق کی حفاظت کا سب سے پہلے اسلام ہی نے حکم دیا ہے اور اسلام ہی نے وراثت میں عورتوں کا حصّہ رکھا ہے ۔ آپ کو کیا معلوم ۔ یہ علماء ہی کی کوششوں کا تو نتیجہ ہے کہ انگریزوں کے دور یعنی ۱۹۳۵ء سے لے کر اس وقت تک صوبہ سرحد کی عورتوں کو میراث میں شریعت کے مطابق حصہ ملتا ہے ۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کہیں ہماری بہنیں یہ نہ سمجھ لیں کہ اس جانب جو لوگ بیٹھے ہیں وہ خدانخواستہ عائلی قوانین کی اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ ان کے قلوب میں صنفِ نازک کے لیے کوئی ہمدردی نہیں ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا پاکستان اسلامی نظریہ کی بنا پر قائم ہوا ہے اور اسلامی نظریہ قرآن مجید اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا نام ہے ۔ اللہ، رحمٰن الرحیم ہے اور رسول اللہ، رحمت للعالمین ہیں ۔ انہوں نے جو عائلی قوانین بیان فرما دیے ہیں ۔ تو ہم اس نظریہ کی بنا پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے اُن کی قطعاً مخالفت نہیں کر سکتے ۔

تیسری یہ کہ موجودہ معاشرے میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جس کا حکم اسلام دیتا ہے اس لیے ہمیں اس معاشرے کی اصلاح کرنی ہے ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کی معاشرتی حالت بھی آپ کے سامنے ہے ۔ چنانچہ اسلام نے معاشرے

کی اصلاح کی۔ اس لیے معاشرے کی وجہ سے قوانین الٰہیہ کو بدلا نہیں جا سکتا۔ نکاح پر پابندی مت لگائیے، بلکہ عدل اور قانون کے دروازوں کو آسان بنائیے تاکہ شہر اور محلے میں جس عورت کو اپنے شوہر سے یہ گلہ ہے کہ وہ اپنی دوسری بیوی کو تو ریشم کے کپڑے لاکر دیتا ہے اور اسے اچھی نگاہ سے بھی دیکھتا ہے لیکن پہلی بیوی پر کماحقہ توجہ نہیں دیتا۔ تو وہ اس پر حقوق زوجین کے تحت کسی شہری عدالت میں دعوےٰ کر سکے اور عدالت اسے جبراً پہلی بیوی کے حقوق ادا کرنے کی ہدایات دے سکے۔

آخری بات دیکھنے کی یہ ہے کہ کیا ایک عورت کسی ایسے مرد سے کہ جس کی بیوی ہے اپنی مرضی سے نکاح کرکے اس کی بیوی بننا چاہتی ہے یا بالجبر۔ اگر وہ اپنی مرضی سے نکاح کر رہی ہے تو آپ اس کے نفس اور اس کے اختیارات پر قدغن لگانے والے کون ہیں؟ اور اسے کیوں روکتے ہیں؟ یہ عورت پر ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

معلوم ہوا کہ عائلی قوانین عورتوں کے حقوق غصب کرنے اور ان پر مظالم ڈھانے کی مثالوں سے پُر ہیں۔

بیگم نرگس نعیم سندھو: مولانا پہلے تو یہ بتائیے کہ عورتوں سے پوچھتا کون ہے؟

مولانا عبدالحق: تو کیا وہ بغیر اجازت نکاح میں آجاتی ہیں۔ جب کہ ایک عورت اپنی مرضی سے اپنے ہونے والے شوہر سے نکاح کر رہی ہے

مولانا غلام غوث ہزاروی: (پوائنٹ آف آرڈر) جناب والا! مولانا ان محترمات کے نکاح کرنے کا ذکر تو نہیں کر رہے ہیں۔ جو ان کو خواہ مخواہ تکلیف ہو رہی ہے۔ مولانا تو عام بات کر رہے ہیں۔

مسٹر سپیکر: آرڈر آرڈر۔

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی: (پوائنٹ آف آرڈر) بیگم نسیم کے پیچھے جو تشریف فرما ہیں۔۔۔

معافی چاہتا ہوں - ویسے آج سب جمع ہو گئی ہیں - پچھلی جمعرات کو اکیلی نسیم جہاں تھی -

بیگم نرگس نسیم سندھو : میں نے کہا تھا کیا عورتوں سے پوچھا جاتا ہے ؟

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی : کیا ان سے نکاح کے وقت پوچھا نہیں گیا تھا - یہ ان سے پوچھ لیا جائے ـــــــ (قہقہہ)

نسیم جہاں : تقاریر کے دوران لوگ مسلسل بولتے رہتے ہیں -

محمود علی قصوری : یہ رننگ کمنٹری ہو رہی ہے جو مناسب نہیں -

سپیکر : دیکھیے یہ ایک سنجیدہ موضوع ہے - مولانا کی تقریر کو خاموشی سے سننا چاہیے اگر محترم خواتین کو اختلاف ہو تو بعد میں اس کا جواب دے سکتی ہیں -

مولانا عبدالحق : تو عرض یہ کر رہا تھا کہ دوسری بیوی شوہر کے نکاح میں اپنی مرضی سے آنا چاہتی ہے لیکن عائلی قوانین ایسا کرنے سے روک کر اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربٰع "

کہ تم اپنی پسند کی دو دو، تین تین اور چار چار بیویاں کر سکتے ہو - اب آپ یہ کہیں گے کہ پہلی بیوی کے اوپر تعدی ہو گی - میں نے عرض کیا کہ شریعت کی رو سے تمام حقوق ، بیویوں کا کھانا ، کپڑا سب کچھ شوہر کی ذمہ داری ہو گی - جیسا کپڑا دوسری بیوی کا ہو گا ویسا ہی کپڑا پہلی بیوی کا ہو گا - اگر ایک شوہر مہینوں مہینوں ایک بیوی کے گھر میں نہیں رہتا ، ایک بیوی کو ریشم کے کپڑے اور ایک کو کھدر کے کپڑے دیتا ہے ، کھانے پینے میں بھی فرق کرتا ہے ، لیکن اسلام اسے پابند بناتا ہے کہ دوسری بیوی آنے کے بعد جس نظر سے وہ اس کو دیکھے گا اس کے مطابق وہ پہلی کو بھی دیکھے گا - ہمارے پاس شرعی قوانین اور تعزیرات ہیں ، ہم عدالتی کارروائی کے ذریعے اس شوہر کو قید کر سکتے ہیں -

پاس کو سزا دے سکتے ہیں اور جبراً اس سے اس کا حق دے کر دلوا سکتے ہیں۔ تو اس صورت میں پہلی بیوی کی بھلائی ہوگی۔ میں مانتا ہوں کہ خواتین پر ظلم نہیں ہونا چاہیے ہر انسان کو ہر مرد کو اور ہر عورت کو اس کے حقوق دینے چاہئیں۔

اس وقت ملک میں مردم شماری ہو رہی ہے۔ چند دنوں میں رپورٹ آپ کے سامنے آجائے گی۔ میرا خیال ہے کہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ عورتیں اور مرد برابر بھی ہیں تو اس صورت میں بھی کم از کم دس لاکھ آدمی پاکستان میں ایسے ہوں گے جو نکاح کے قابل نہیں کیوں کہ وہ غریب ہیں وہ ان کے کھانے کا بندوبست نہیں کر سکتے۔ تو شریعت انہیں نکاح کرنے پر مجبور نہیں کرتی۔ تو اس طرح جو دس لاکھ مفلس ہیں اور افلاس کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تو اس کے مقابلے میں دس لاکھ عورتیں بچیں گی۔ آپ نکاحِ ثانی ممنوع قرار دیتے ہیں تو اس صورت میں دس لاکھ عورتیں کیا کریں گی۔؟ مجبوراً داشتائیں بن کر گلی کوچوں میں پھریں گی۔؟ کچھ مرد مریض بھی ہوتے ہیں نامردی میں بھی مبتلا ہوتے ہیں جو شادی کے قابل نہیں ہیں فرض کیا ایسے مردوں کی پاکستان میں تعداد دس لاکھ ہے تو دس لاکھ عورتیں کیا کریں گی۔

اگر کسی لڑائی میں دس لاکھ مرد شہید ہو گئے تو دس لاکھ بیویوں کا کیا بنے گا۔ جب کہ عائلی قوانین کے تحت دوسرا نکاح جائز نہیں تو وہ دس لاکھ کہاں جائیں گی۔؟

شریعت نے ان ہی مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر یہ اجازت دی ہے کہ اگر تم انصاف کر سکو تو دوسرا نکاح بھی کر سکتے ہو

دوسری بات یہ کہ عائلی قوانین میں نکاح کے رجسٹریشن کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ وہ علاقے جو دور دراز ہیں اور پہاڑوں میں ہیں، قبائلی ہیں۔ اگر یہ رجسٹریشن نہیں کرا سکتے تو کیا ان کے نکاح ناجائز ہوں گے؟ جب کہ ہمارے باپ دادا، ہمارے اسلاف اور ہمارے بزرگوں کے نکاحوں کی رجسٹریشن نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی اس وقت مارشل لا

کی طاقت کے ذریعے اس قسم کے آئینی قوانین نافذ ہوتے تھے تو آپ ہی بتایئے کہ
ان کے نکاح درست تھے یا نہیں ؟ اگر وہ درست نہیں تھے تو پھر ہماری کیا حیثیت
رہ جاتی ہے ؟ اور اگر ان کے نکاح درست تھے تو ہمارے نکاح رجسٹریشن کے بغیر
کیوں درست نہیں رہتے ؟ شریعت میں تو صرف ایجاب و قبول، مہر اور گواہوں
کی ضرورت ہے۔ اس نے رجسٹریشن کو لازمی قرار نہیں دیا

پوتے کی وراثت

موجودہ عائلی قوانین کی وجہ سے عورتوں پر ایک اور ظلم ہو رہا ہے۔ مثلاً ایک شخص کے
دو بچے ہیں ایک لڑکی ہے اور ایک لڑکا ہے، لڑکا شادی شدہ ہے اس کی ایک بیٹی بھی
ہے، اب اس بیٹی کا باپ اپنے والد کی زندگی میں فوت ہو جاتا ہے۔ اس طرح اُس
شخص کی ایک لڑکی اور ایک پوتی رہ گئی۔ اب اس کا بھی انتقال ہو گیا تو اس صورت
میں شریعت میراث کا آدھ حصہ لڑکی کو اور چھٹا پوتی کو دیتی ہے۔ عائلی قوانین میں
یتیم لڑکی کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں یتیم پوتی کے والد کو زندہ تصوّر
کر کے اس کا حصہ اس کی بیٹی کے حصے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس طرح شریعت کے
قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ کیونکہ شریعت یتیم بیٹی کو میراث کا $\frac{1}{2}$ حصہ دیتی
ہے اور عائلی قوانین $\frac{1}{3}$ حصّہ دیتے ہیں۔ اسی طرح عائلی قوانین یتیم پوتی کو $\frac{2}{3}$ حصہ دیتے
ہیں۔ جب کہ شریعت $\frac{1}{6}$ حصّہ متعین کرتی ہے۔ معلوم ہوا کہ عائلی قوانین کی یہ دفعہ
خلاف اسلام ہے اور عورتوں پر ظلم بھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم
نے اس دفعہ میں یتیم کی طرف داری کی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یتیم کی طرف داری
بھی اسلام ہی نے کی ہے۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ جس کا باپ مر جائے اور دادا زندہ
ہو تو اس یتیم کا نان نفقہ، کپڑا اور تعلیم وغیرہ کا انتظام دادا کرے گا۔ اگر دادا نہ ہو تو

چچا تایا کریں گے۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو ان کے لڑکے کریں گے۔ یہاں تک کہ وہ برسرِ روزگار نہ ہو جائے اور اگر وہ نہ کریں تو یتیم کے حق کی ادائیگی بیت المال کرے گا، حکومت کرے گی۔ کیونکہ یہ حق ان کو شریعت نے دیا ہے۔ اس بنا پر میں کہتا ہوں کہ اس کی دفعات شریعت کے منافی ہیں۔ اس لیے انہیں منسوخ کر دیا جائے

مسٹر سپیکر: مولانا صاحب! آپ دس منٹ تک تقریر کر سکتے تھے۔ آپ نے زیادہ وقت لے لیا ہے۔ اب آپ تشریف رکھیں

نوٹ: افسوس کہ مولانا عبدالحق صاحب کو اکثریتی پارٹی کے رویے کی وجہ سے اپنی تقریر ختم کرنی پڑی۔ پھر بھی اصولی اور بنیادی باتیں آگئیں —————— مرتب

اسلام میں عورتوں کے حقوق

۱۸؍ دسمبر[1] کو قومی اسمبلی کے غیر سرکاری دن پر بیگم نسیم جہاں رکن اسمبلی نے خواتین کی حیثیت متعین کرنے کے لیے ایک کمیشن کے قیام سے متعلق اپنی قرارداد پیش کی محرکہ کی تقریر کا خلاصہ عورتوں کو حقوق کے نام سے آزادی کا مطالبہ کرنا تھا۔ اس طرح اسمبلی میں عورت کے معاشرہ میں مقام اور ترقی پسندی اور آزادی کی حسن و قبح زیرِ بحث آئی۔ اس دن شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی تقریر سب سے مفصل اور دلچسپ اور اعتدال پر مبنی قرار دی گئی۔ حضرت مدظلہ نے اپنی تقریر میں کہا: (مرتب)

محترم سپیکر صاحب! میں بیگم صاحبہ کی قرارداد پر مختصراً کچھ عرض کروں گا۔ اسلام نے عورتوں کو جو عزت دی ہے، کہیں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ وہ بھی زمانہ تھا کہ جب

---

[1] مباحث اسمبلی ۱۹؍ دسمبر ۱۹۷۴ء ص ۴۸۵ تا ۴۸۹

لڑکی پیدا ہو جاتی تھی تو یہ چیز شرمندگی اور ذلّت کی بات سمجھی جاتی تھی۔ اس کا چہرہ شرم کے مارے سیاہ پڑ جاتا تھا۔ اسلام نے آکر ہمیں بتایا کہ جس کی لڑکی پیدا ہو یہ بھی اللہ کی نعمت ہے اور اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور شکرانہ میں ایک دنبہ عقیقہ کرے اس کے بعد بچّی بہن بیٹی کا پالنا بھی عظیم اجر و ثواب کا عمل بتلایا گیا۔ ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ جس نے دو بہنوں بیٹیوں کو اچھی طرح پالا تربیت دی تو وہ جنّت میں میرے ساتھ ہو گا۔ اس سے بڑھ کر فضیلت اور عزّت کیا ہو گی۔ کسی قوم میں یہ نہ تھا کہ عورتوں کو وراثت دی جائے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے باپ بھائی شوہر بیٹے کی میراث میں بھی عورت کو حقدار بنایا۔ اسلام نے زمین دولت جائداد، نقدی ہر اثاثہ میں اسے حصہ دیا لڑکے کو دوہرا اور لڑکی کو ایک حصہ اور یہ بھی اس لیے کہ

مردوں کی ذمہ داریاں بھی دوہری ہوتی ہیں۔ مرد پہ دوہرا بوجھ ہے۔ بلوغ سے قبل اولاد کا نان و نفقہ والد کے ذمہ ہوتا ہے مگر لڑکی کے بارہ میں شرعی قانون یہ ہے کہ بلوغ کے بعد بھی شادی تک لڑکیوں کا خرچ اخراجات، والدین کے ذمہ ہے۔ لڑکوں کا بلوغ کے بعد نان و نفقہ کا کوئی حق نہیں۔ شادی ہو جانے کے بعد ایک تو مرد اسے مہر دے گا اس کے علاوہ نان و نفقہ سکونت بھی شوہر کا ذمہ ہے۔ خدا اور رسول کے بعد سب سے بڑا مہربان والد دادا ہوتا ہے۔ ان دونوں نے اگر لڑکی کی نابالغی میں شادی کرا دی تو وہ چونکہ بے حد مشفق ہیں اور بچی اپنا نفع نقصان نہیں سمجھ سکتی اس لیے یہ نکاح نافذ ہو گا۔ پھر بھی بلوغ تک پہونچنے کے بعد فقہی تفصیلات ہیں۔ لیکن جب لڑکی بالغ ہو گئی تو باپ دادا بھی اس کی مرضی کے بغیر اس کی شادی نہیں کرا سکتا۔ وہ اپنی لڑکی سے پوچھے گا۔ ایک عورت حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئی۔ کہا ہمارے اپنے نفس پہ نکاح کا حق ہے یا نہیں۔ پھر فرمایا کہ میرے والد نے میرا نکاح مجھ سے پوچھے بغیر پڑھا دیا ہے تو کیا ہمارے سے پوچھنے کا بھی حق تھا یا نہیں حضورِ اقدسؐ نے فرمایا کہ نہیں تیری مرضی کے بغیر نکاح تیری مرضی پر موقوف ہے۔ اگر نافذ

کراؤ تب بھی نہ چاہو تب بھی مرضی ہے۔ عورت نے کہا یا رسول اللہ مجھے اب والد ہی کا نکاح منظور ہے۔ مجھے ان پہ بدگمانی نہیں، محض یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا ہمیں اپنے نفس پہ اختیار نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرضی کو کتنا دخل ہے۔ الغرض نکاح کے بعد روٹی کپڑا مکان یہ سب کچھ شوہر کے ذمّہ لازم ہے وہ روٹی کپڑا اپنی حیثیت کے مطابق دے گا۔ یہ نہیں کہ دس ہزار کمائے تو ساری دولت داشتاؤں پر خرچ کرے بیوی بچّوں کا پوچھے بھی نہیں۔ اگر استطاعت ہے تو پلاؤ مرغ کھلائے گا۔ نکاح کے بعد اس کا سکونتی گھر شوہر کے ذمہ لازم ہے۔ ملکیتی نہ ہو تو نہ ہو۔ پھر وہ بیوی گھر کی ملکہ ہے۔ شریعت کے مطابق اگر شوہر غنی ہے تو بچے کے دودھ کے لیے دایہ بھی مہیّا کرے گا۔ اگر ماں نہ دینا چاہے تو دودھ پلانے والی لاکر اس کی تنخواہ شوہر برداشت کرے گا۔

گھر کا کام کاج بھی بیوی پر لازم نہیں اگر اپنے تبرّع اور احسان کے طور پر کرے تو بہتر ورنہ شوہر اگر استطاعت رکھتا ہے تو بیوی کے لیے گھریلو کام کے لیے ملازم رکھنے کا بھی پابند ہے۔ یہ سب اسلام کے احسانات ہیں اور ہر قسم کے حقوق اسلام نے عورتوں کو دے دیئے۔

ہم نے یورپی تہذیب کی تقلید میں اور جہالت کی وجہ سے اسلام کو ہوّا سمجھ لیا ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ حقوق الگ چیز ہیں اور اس نام پہ آزادی اور ترقی پسندی الگ چیز۔ اسلام عورتوں کو بے پردگی کی آزادی نہیں دیتا۔ یہ خطرات سے مقابلہ ہے۔

آپ دودھ، گوشت بلّی کے سامنے رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس میں دخل اندازی نہ کرے۔ اسلام عورت کو غنڈوں بدمعاشوں بلّوں اور کتّوں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اسے ہیرے اور جواہرات کی طرح حفاظت کی چیز سمجھتا ہے

آج ہم عورت کی تذلیل دیکھ رہے ہیں۔ مغربی تہذیب کی وجہ سے وہ شمع محفل بن گئی، ٹکے ٹکے کی چیزوں پر اس کی ننگی تصویر، صابن پر اس کی تصویر ہر چیز کے بیچنے کے لیے عورت کو استعمال کیا جاتا ہے، اخبارات میں اس کی عریاں اور بے ہودہ تصویر چھپتی ہے، ہر مرد کی نگاہ ہوس اس پر پڑتی ہے اور اسے یورپ نے کھلونا بنا دیا ہے یہ ترقی نہیں تحقیر اور تذلیل ہے۔ میں بیگم نسیم جہاں کی قرار داد پر گذارش کروں گا کہ بیشک عورتوں کی حیثیت کا کمیشن بنایا جائے۔ حق طلب کیے جائیں مگر وہ حقوق جو اسلام کے دائرہ میں ہوں مخلوط تعلیم نے اور بازاروں میں گھومنے پھرنے سے عورت پر ظلم ہو رہا ہے۔ اسلام نے حج جیسی عبادت کے لیے بھی عورت کو بغیر محرم سفر کرنے کی اجازت نہیں دی یہاں بیرونی دوروں اور تفریحات کو حقوق کا نام دیا جا رہا ہے۔ بہرحال میں اس قرار داد کے سلسلہ میں مطالبہ کرتا ہوں کہ عورتوں کی ان تمام سرگرمیوں اور ترقیوں کو اسلام کے دائرہ میں لایا جائے۔ جو اسلامی احکام کے خلاف ہیں۔

قومی اسمبلی میں، اسمبلی کے ریکارڈ سے
۲۱ر جنوری ۷۵ء

کوہستان کا زلزلہ اللہ کی ایک بہت بڑی ابتلاء ہے

قومی اسمبلی میں ۲۱ر جنوری ۱۹۷۵ء کو سوات کے زلزلہ پر عام بحث ہوئی اس سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی تقریر جو ۲ بجکر دس منٹ پر ہوئی پیش خدمت ہے۔ (مرتب)

جناب سپیکر صاحب! یہ زلزلہ خدا کی جانب سے ایک بہت بڑی ابتلاء ہے اور اس ابتلاء میں وہاں کے مصیبت زدہ مسلمان کثیر تعداد میں شہید ہوئے بہت سے زخمی ہوئے مصیبت تو ان کے اوپر نازل ہوئی، لیکن اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ تم اپنی استطاعت کے مطابق ان کو کتنی امداد پہنچا سکتے ہو۔ کتنی ان کی خدمت کر سکتے ہو ان مصیبت زدگان کی امداد کے لیے وزیر اعظم صاحب نے اپیل کی جس کے نتیجہ میں بہت سے اسلامی ممالک نے اسلامی برادری اور اخوت کے نام پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق امداد کے اعلانات کیے نہ صرف اسلامی برادری نے بلکہ انسانی برادری نے بھی اخوت کی بناء پر جو ان زلزلہ زدگان کی امداد کی ہے ہم ان کے بہت مشکور ہیں اس لیے میری گذارش یہ ہے کہ ہم اس بحث کے ہر پہلو پر غور کریں۔ اس وقت ہمارے سامنے دو مقاصد ہیں۔ ایک مقصد یہ ہے کہ ہم پوری قوم کو اعتماد میں لے لیں کہ ہماری حکومت اور اس اسمبلی کے ارکان مصیبت زدگان کے ساتھ ہیں۔

جناب والا! اس اعتماد کی ضرورت کیوں ہے؟ ضرورت اس وجہ سے ہے کہ اس سے پہلے بھی ہم ایک ایسے المیے سے دوچار ہوئے ہیں۔ یہ المیہ سیلاب کا تھا سیلاب کے زمانہ میں مجھے یہ معلوم ہے کہ سرحد کی تحصیل نوشہرہ میں سیلاب آیا اور جتنی امداد کی رقم مقرر کی گئی تھی وہ صرف کاغذات تک محدود رہی اور میں یہ چیلنج کرتا ہوں کہ نوشہرہ میں آج تک وہ رقم نہیں پہنچائی جا سکی یہ ہوا آج کا معاملہ جو کہ آپ کے سامنے آج ہے مگر جب ہمارے ساتھ مشرقی پاکستان تھا، تو وہاں دس لاکھ سے زیادہ افراد سیلاب زدہ

ہوتے، جس کے سلسلے میں بہت کافی امداد وہاں کے لوگوں کے سلسلے میں کی گئی۔ اس زمانے میں میں نے خود کراچی کے پورٹ کو دیکھا تھا کہ بہت سے گودام امداد کی اشیائے سے بھرے پڑے تھے، مگر تین چار سال بعد وہی سامان لٹیروں نے لوٹا۔ اور وہ سامان مصیبت زدگان تک نہ پہنچ سکا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بھی قوم کو اعتماد نہیں ہے یہ بھی آپ سے عرض کرتا ہوں کہ لوگوں کا عام تاثر یہ ہے کہ جو کچھ آپ ہمارے لیے امداد کرتے ہیں، وہ ہم کو نہیں پہنچتا ہے میں یہ نہیں کہوں گا کہ ہمارے وزرا۔ اور ہمارے وزیر اعظم صاحب کوشش نہیں کرتے ہیں۔ یقیناً وہ کوشش کرتے ہوں گے اور کرتے ہیں، لیکن ایک وزیر اعظم تو کچھ نہیں کرسکتا جبکہ اوپر سے نیچے تک (چپڑاسی تک) سب دیانتدار نہ ہوں۔ اور ان میں خدا کا خوف نہ ہو اور وہ کوئی ذمہ داری محسوس کریں تو پھر وہ کر سکتے ہیں اس کے علاوہ میں آپ سے عرض کروں گا کہ ہمارے راؤ خورشید علی خان صاحب نے جو بات کی ہے کہ ہمارے وزیر اعظم صاحب نے تمام قوم سے اپیل کی ہے کہ تم غم زدہ اور مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کرو تو قوم نے دل کھول کر امداد کی اور دنیا نے بھی شروع کر دی۔

تو جناب والا! میں آپ اور اس معزز ایوان کی وساطت سے یہ عرض کروں گا کہ اگر ہمارے وزیر اعظم صاحب ملک کو یہ کہہ دیں کہ خدا کے قہر کی تلوار باہر آ چکی ہے۔ کیونکہ کل بھی تبت میں زلزلہ آیا تھا۔ اس لیے وہ قوم سے اپیل کریں کہ سب مل کر اللہ تعالےٰ کے سامنے گڑگڑائیں اور روئیں تو پھر ہو سکتا ہے کہ یہ عذاب الٰہی ٹل جائے۔ گذشتہ ماہ عرب میں بارش نہیں ہوئی تو پھر شاہ فیصل نے عرب قوم سے اپیل کی کہ سب جمع ہو جاؤ اور اللہ سے استغفار کرو۔ تو سب نے مل کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے اتنی بارش برسائی کہ اتنی بارش پچھلے چند برسوں میں بھی نہیں ہوئی ہوگی اسی طرح کا ایک اور واقع ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں زلزلہ آیا تو بادشاہ نے

تمام مملکت کو حکم دیا کہ سب ایک معیّن دن کو ایک جگہ پر جمع ہو جائیں اور خدا کے سامنے استغفار کریں۔ جناب والا میں آپ کا قیمتی وقت نہیں لینا چاہتا ـــــ ایسا نہ ہو جیسا کہ گذشتہ مصیبتوں میں جو امدادی اموال پہنچے تھے اور وہ خاکستر ہو گئے اور وہ گوداموں ہی میں پڑے رہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی کسی کے پاس نہ پہنچی ـــــ جناب والا! دوسری چیز جو میں بعد از تحقیق کہوں گا اگر ضرورت پڑی تو نام بھی بتا دوں گا۔ ایک نائب تحصیلدار دو سو کمبل موٹر میں رکھ کر لے جا رہا تھا بجائے اس کے کہ وہ کمبل ان مصیبت زدگان کو پہنچائے جاتے بلکہ وہ اپنے گھر میں لے جا رہا تھا اور لوگوں نے اس کو پکڑ لیا۔ تو اس لیے جناب والا گذارش ہے کہ ایسے لوگوں کی نگرانی کی جائے اور امداد صحیح طور پر خرچ کرنی چاہیے۔

اور پھر میں کہتا ہوں کہ بیرونی ممالک جنہوں نے ہمارے ساتھ ہمدردی کی ہے ان کا میں آپ کی اور اس معزز ایوان کی وساطت سے شکر گذار ہوں۔ اور خصوصاً ان برادر اسلامی ممالک جنہوں نے ہمارے غم میں شرکت کی۔ میں پھر اپیل کروں گا کہ ہمارے وزیر اعظم صاحب قوم سے اپیل کریں کہ ہم سب ایک دن جمع ہو کر خدا کے دربار میں گڑگڑائیں اور توبہ کریں تو انشاء اللہ تعالےٰ یہ مشکل ٹل جائے گی۔

قومی اسمبلی
۲۲ جنوری ۱۹۷۴ء

رویت ہلال کمیٹی[۱]

جناب سپیکر صاحب : مولانا کوثر نیازی صاحب نے جو قرار داد پیش کی ہے میں آپ کی وساطت سے اتنا عرض کروں گا کہ ہم مسلمانوں کی عید عبادت ہے تہوار نہیں ہے تو اسے تہوار لکھا گیا ہے جو غلط ہے۔ بعض دوستوں نے کہا کہ جب مکہ معظمہ میں عید ہوتی ہے تو یہاں بھی عید ہے یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ جب ہم یہاں ظہر کی نماز پڑھتے ہیں تو مکہ معظمہ میں اس وقت گیارہ بجے ہوتے ہیں تو پھر کل کہا جائے گا کہ جس وقت مکہ معظمہ والے نماز پڑھیں اس وقت ہم بھی پڑھیں بلکہ ہمارے اور ان کے درمیان طلوع وغروب کے لحاظ سے گھنٹوں کا فرق ہے اور بسا اوقات ممکن ہے کہ ہمارے ملک کے اُفق کے لحاظ سے وقت داخل ہوگا اور ان کے ہاں نہیں ہوگا۔ ان کے ہاں وقت ہوگا تو ہمارے ہاں نکل چکا ہوگا۔

چاند تو ہر وقت آسمان پر موجود ہے، لیکن سورج سے کتنے درجے دُور ہو جاتے اس وقت نظر آتا ہے تو اب ممکن ہے کہ پاکستان کے اوپر غروب آفتاب ہو چکا ہے اب مکہ معظّمہ میں دو تین گھنٹوں کے بعد غروب ہوگا۔ اس دوران ممکن ہے کہ انہیں چاند نظر آئے گا تو روزہ رکھنا ان پر فرض ہو جائے گا کہ ارشاد ربانی ہے۔

فَمَن شَہِدَ مِنکُمُ الشَّہرَ فَلیَصُمہُ علماء کا عید الاضحیٰ اور باقی مہینوں کے بارہ میں اتفاق ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ہوگا۔ ہماری عید الاضحیٰ ہماری اُفق کے لحاظ سے ہوگی اور ان کی عید الاضحیٰ ان کے اُفق کے لحاظ سے۔ البتہ رمضان المبارک اور شوال یعنی عید الفطر میں ہمارے علماء کے دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ یہ ہے کہ

سپیکر : مولانا ریزولیوشن یہ ہے کہ اس کمیٹی کے کون کونسے افراد ہوں گے باقی

---

[۱] مباحث اسمبلی ۱۹۷۴ء ص ۲۹۲-۲۹۳

ضرورت نہیں۔

مولانا عبدالحق: حقیقت یہ ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ کمیٹی کے کام میں سرکاری مداخلت نہ ہوگی تو اس پر عمل بھی کرنا چاہیے ہم ایک چیز کو یہاں پاس بھی کر لیں، لیکن قوم کا اعتماد حاصل نہ ہو تو قوم کہے گی کہ حکومت والوں کی عید کا ہمیں کوئی اعتبار نہیں۔ میرے ہاں ایک دفعہ عید کے دن کچھ فوجی آئے اور کہا کہ ہم نے حکومت کے حکم سے عید کی نماز تو پڑھ لی ہے مگر ہم روزہ نہیں توڑیں گے اس لیے کہ ہم اللہ کے ہاں جوابدہ ہیں ہم سرکاری عید نہیں مناتے تو پہلے جو کمیٹیاں کامیاب نہ ہو سکیں تو اس کی وجوہات بھی یہی تھیں تو ہمیں ایسے کاموں میں سرکاری مداخلت سے بچنے کے لیے سوچنا چاہیے۔ عوام کا ان کمیٹیوں پر اعتماد ضروری ہے اگر صوبہ سرحد میں دو گواہ مل جائیں وہ کمیٹی کو اطلاع دے اور وہ ان گواہوں کو ہوائی جہاز سے بلائے اور پہنچائے تاکہ شرعی شہادت ہو جائے۔

رائے شفاعت علی چوہان: جناب زمین پر رہنے والے تو چاند کو دیکھ کر عید منائیں گے چاند پہ پہنچنے والے کیسے عید منائیں گے علماء کو یہ مسئلہ حل کرنا پڑے گا کہ وہ لوگ کیا چیز دیکھ کر عید منائیں گے۔

مولانا عبدالحق: جو چاند پر پہنچ گئے تو ان کو معلوم ہے کہ زمین متحرک ہے اور ان کو چاند سے زمین نظر آسکتی ہے ان کی حرکت ہی سے دن رات بنتے ہیں مہینے بنتے ہیں بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ عوام کا اعتماد ضروری ہے پچھلے عید کے موقع پر ہم نے ہفتہ کو عید منائی اور اخبارات میں آیا کہ ڈپٹی کمشنر نے علماء کو جمع کیا اور کہا کہ پاکستان میں سرکاری اعلان پر عید منائیں، لیکن عوام ہمارے ساتھ تھے اور اکثر علاقوں میں عید منائی گئی تو اس معاملہ میں تو بالکل ایسا کوئی دباؤ نہ ڈال دیا جائے کہ اگر تم نے ہلال کمیٹی کا فیصلہ نہ مانا تو سزا دی جائے گی سچائی سامنے آئے تو خود لوگ مانیں گے۔ تجویز میں جو کمیٹی کو سرکاری مداخلت سے محفوظ رکھنے کا کہا گیا ہے اس کی تحسین کرتا ہوں اب کسی متفقہ فیصلہ کے لیے کمیٹی کو نہایت مستعد رہنا چاہیے کہ ملک کے کسی حصے سے بھی گواہوں کو مرکزی کمیٹی کے پاس پہنچایا جا سکے ورنہ عوام ایسے فیصلوں پر عمل نہیں کریں گے۔

ڈاکٹروں، میڈیکل طلبہ اور علاج کا مسئلہ

بل پر مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۷۴ء کو کی گئی تقریر ـــــ وقت سات بجکر پچاس منٹ

مولانا عبد الحق : محترمہ ڈپٹی سپیکر صاحبہ! یہ ڈاکٹروں کا مسئلہ ہے حقیقت یہ ہے کہ اول تو ڈاکٹروں کی کثرت پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر ڈاکٹر علاج کرتے ہیں تو وہ دوائیں جن کی ضرورت ہوتی ہے ہسپتالوں سے ختم ہوتی ہیں اور مریضوں کو کہا جاتا ہے کہ دوائیں بازار سے خریدیں۔ ڈاکٹروں کی اکثریت کے ساتھ ساتھ دوائیں بھی اتنی مقدار سے مریضوں کو بہتر ہونی چاہئیں۔ دوسری بات میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آزادانہ ممالک خصوصاً جو افریقہ اور ایشیا کے خلاف ہوں۔ اس سے خودداری کو ٹھیس پہنچتی ہے سوال ہسپتالوں میں، خیراتی ہسپتالوں میں، سرکاری ہسپتالوں میں ڈاکٹر جو جاتے ہیں فیس بھی لیتے ہیں یہ ساری باتیں مفید نہیں ہوتیں۔

طب مشرق دیسی طریقۂ علاج | اس لئے میری دوسری گذارش یہ ہے کہ دیسی طریقۂ علاج کی قدردانی کی جائے۔ ہم ہزار حکم حکومت کے حق میں پراپیگنڈہ کریں گے۔ عوام کو فائدہ بھی پہنچے گا۔ ان سے صرف نظر نہ کیا جائے۔ دیسی طریقۂ علاج کو فروغ دیا جائے۔

میڈیکل طلبہ کے مشکلات | ڈاکٹروں کی مطلوبہ تعداد کے لئے میڈیکل کالج کھولے جائیں جیسا کہ لائلپور اور پنڈی میں میڈیکل کالج کھولے گئے ہیں۔ لائلپور میں تو کالج قائم ہو چکا ہے راولپنڈی میں ابھی نہیں ہوا۔ ایک طرف تو ڈاکٹروں کی کمی کا رونا رویا گیا ہے اور دوسری طرف میڈیکل کالجوں میں داخلہ نہیں ملتا یہ بڑی مشکل ہے۔ میڈیکل کالجوں میں داخلے زیادہ دیئے جائیں۔ جو طلباء داخلے کی شرائط پوری کریں ان کو داخلہ دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ دیہات میں یونانی اور دیسی طریقہ علاج کو فروغ دیا جائے۔

مسلم ممالک میں پاکستانی ڈاکٹروں پر پابندی نہ لگائی جائے

یہ جو مسلم ممالک ہیں ان کی عام ضرورت ڈاکٹر ہیں ان کے ساتھ ہمیں رابطہ قائم کرنا چاہیئے۔ پاکستان کے اندر جو باکمال لوگ ہیں یعنی ڈاکٹر یا دوسرے شعبوں میں انہیں ان ملکوں میں بھیجا جائے جس سے ہمارے پاکستان کی معیشت کو بھی فائدہ ہوگا۔ اور مسلم ممالک کی ہمارے ساتھ ہمدردی بھی پیدا ہوگی۔

بجائے اس کے کہ وہ یہاں اپنے وفد بھیجیں۔ وہ انٹرویو لیں اوران کو پاس کریں۔ اپنے ملک کے ڈاکٹروں کو باہر بھیجنا چاہیئے۔ تاکہ مذہبی رشتے بھی مضبوط ہوسکیں۔ ان تمام ضرورتوں کے علاوہ ہمیں اس پہلو کو بھی دیکھنا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو باعزت ملازمت ملے اور ہمارے رشتے مسلم ممالک کے ساتھ زیادہ مضبوط ہوں۔ آج خدا کے فضل وکرم سے ہمارا ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ جب ہم ملک سے باہر لوگوں کو بھیجتے ہیں تو ہمیں ماہر افراد بھیجنے چاہیئں۔ بلکہ ہمدردی کے لحاظ سے ہم ان کے ساتھ تعاون کریں۔ یہ چیز اس صورت میں ہوسکتی ہے کہ جب لیبیا یا دوسرے مسلمان ممالک خصوصاً جب ہمیں کہیں کہ ہمیں فلاں شعبے میں ضرورت ہے تو اس کو پورا کیا جائے اور بڑی فراخدلی سے ان کو آدمی دیں اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ان پر تین سال یا پانچ سال کی پابندی لگادیں کہ اس کے بعد انہیں پھر یہاں واپس آنا ہوگا تو یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اگر ڈاکٹروں کو بھیجیں ہی نہ تو جیسا کہ لیبیا کے وفد آنے کے بعد جب ہم نے ڈاکٹروں کو نہیں بھیجا تو وہ ہندوستان سے ڈاکٹروں کو لے گئے، وہ لوگ تو محتاج ہیں۔ ان کو ضرورت ہے۔ ہم کو ان کے ساتھ کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم رکھنا چاہیئے۔ باقی یہ حقیقت ہے کہ ہسپتالوں میں دوائیاں نہیں ملتیں۔ دیہاتوں میں خاص کر ڈاکٹروں کی ضرورت ہے اس لئے ہمیں علاج معالجے کے بہتر طریقے اختیار کرنے چاہیئں۔

مروجہ نظام تعلیم کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کی ضرورت

(ملک کی تعلیمی پالیسی کے بارے میں تحریک پر تقریر۔ ۲۱ جون ۷۴ء)

مولانا عبدالحق:- جناب والا! میں نے تعلیم کی پالیسی کے متعلق مختصر اً عرض کرنا ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ اس ملک کا اور اس حکومت کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور غالباً دفعہ نمبر ۳ کی رو سے حکومت کے اوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ملک کے موجودہ نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے تمام ضروری اقدامات کرے۔

پاکستان قائم ہونے کے ساتھ ہی اگر اس زمانے کی حکومتیں اس بنیادی ضرورت کی طرف توجہ کرتیں تو آج اس ملک میں وہ اضطراب اور بے چینی نہ ہوتی جو آج پائی جاتی ہے۔ مثلاً اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ

تمام دنیا کے مسلمان تمام ممالک کے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اگر ہم اس سبق کو لے لیتے تو ہمارے اندر یہ تفریق اور انتشار نہ ہوتا کہ آج بنگلہ دیش ہم سے الگ ہو جاتا بلکہ یہ ہوتا کہ ہم سب مل کر رہتے اور ہماری قوت مضبوط رہتی۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی معاشرتی اور بنیادی تعلیم سے ہماری قوم بالکل ناواقف ہے۔

تو ایک تو ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ دوسری یہ کہ ہماری حکومت کے اوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ قوم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔ اس کے لئے دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ ہم آرڈیننسوں کے ذریعے سے قوم کی اصلاح کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب تک دل پاک نہ ہو اس وقت تک قانون اور ڈنڈے کے ذریعے سے کام نہیں چلتا۔

معاشرتی خرابی کی اصلاح اسلامی تعلیم سے ہو سکتی ہے یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں معاشرتی خرابی جو پائی جاتی ہے اس کی اصلاح تب ہو گی جبکہ ہم اپنے قلوب، دل و دماغ کو پاک کریں اور وہ کس چیز سے ہو گا تعلیم سے کہ یہ چیز آپ حضرات کو معلوم ہے کہ جب انگریز نے ہمیں اپنے رنگ میں رنگنا چاہا تو اس نے ہمیں ایسا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم دیا جس کے بارہ میں اس نے خود کہا کہ ہمیں ایسے آدمی چاہئیں جو دل و دماغ کے لحاظ سے فرنگی ہوں جسم اور گوشت کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اس نے ہمارے ذہن میں یہ چیز ڈال دی کہ مغرب کے معیار سے ہر بات کو دیکھیں اور زندگی کے ہر شعبے میں مغربیت کو فوقیت حاصل رہے یہ تعلیم اس نے ہمیں دی۔ اس تعلیم کے اثرات اور نتائج اب تک ہیں وہ یہ ہیں کہ بجائے اس کے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو دیکھیں انکی نگاہ اس انگریزی کی تعلیم پر ہے۔

ہم عصری علوم کے مخالف نہیں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ درست ہے کہ موجودہ زمانے میں جو عصری جدید تحقیقات ہیں ان کو ہمیں لینا ہے اور اس طریقے سے دنیا میں جو چیزیں سائنسی طریقے سے بہتر طریقے پر ہیں انکو ہم ضرور لیں اور ہم اساتذہ اور طلباء کی حوصلہ افزائی کریں۔

تو ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہم سکولوں اور کالجوں میں اپنے اسلامی رنگ کو اسلامی تعلیم کو جاری کر دیں اور اس طریقے سے ایک نظام مقرر کریں تاکہ ہماری نوجوان نسل اس جدید علم کے ساتھ سائنسی علم کے ساتھ اسلامی تعلیم سے بھی واقف ہو۔ (رپورٹنگ اسمبلی)

تعلیمی ادارے اسلامی تعلیمات کے فروغ کا ذریعہ ہونے چاہئیں

اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے بل پر ۲ر اپریل ۱۹۷۴ء کو کی گئی تقریر!

(رپورٹنگ قومی اسمبلی کی ہے)

مولانا عبدالحق:۔ محترم سپیکر صاحب! (OPEN UNIVERSITY) اوپن یونیورسٹی کا بل جو پیش ہوا ہے یہ بھی ایک طریق کار ہے کہ ہم اپنی قوم کے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ بنائیں مگر میں اتنا عرض کروں گا کہ عربی محاورہ ہے کہ الاہم فالاہم

ہمیں جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اس کی طرف آگے بڑھنا چاہیئے اس کے بعد دوسرے نمبر پر جس چیز کی ضرورت ہو اس کی طرف بڑھنا چاہیئے۔

اوّل مسلمان بعد میں پاکستانی | حقیقت یہ ہے کہ ہم اوّل مسلمان ہیں پھر دوسرے نمبر پر ہم پاکستانی ہیں۔ پھر تیسرے نمبر پر ہم دوسری قوموں کی سطح پر رہنا چاہتے ہیں۔ مگر ترقی یافتہ قوموں کے جو حالات ہیں ان کی برائیوں کو چھوڑ کر، ان میں فحاشی بھی ہے، ان میں اور بھی بہت سی بیماریاں ہیں ان کو چھوڑ کر جو ان کی اچھائیاں ہیں انکو اپنائیں۔ تو میں محترم وزیر صاحب کی خدمت میں اس بات کی مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے تعلیم کے لئے ایک قدم تو اٹھایا ہے۔ ٹھیک ہے لیکن میں اتنی عرض کروں گا کہ یونیورسٹی کا مقصد ہے تعلیم اور تعلیم کے برابر غور فرمایا جائے کہ ایسی تعلیم ہو کہ جس سے ہم پہلے مسلمان بنیں۔

ہمارے آئین میں یہ چیز سب سے پہلے بتلائی گئی ہے کہ ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہے ہمارے آئین میں یہ بھی ہے کہ جتنے قوانین آگے چل کر بنائے جائیں گے وہ قرآن اور سنت کے مطابق بنائے جائیں گے۔ ہمارے آئین نے یہ چیز بھی بتلا دی ہے کہ ۱۹۵ء سے لے کر آج تک جتنے خلافِ شرع قوانین ہیں ان کو اسلامی سانچے میں ڈھالیں گے۔ تو ہمیں سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ ہماری قوم حلال وحرام کو پہچانے، اسلامی قانون سازی کو جائیں کہ اسلام اس قانون کے بارے میں کیا حکم دیتا ہے۔ اور ہم ان غیر اسلامی قوانین کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں تو کس طرح ڈھالیں۔ جناب محترم آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ اس وقت ہمیں جتنی اس کی ضرورت ہے ۲۵ سال سے اسلامی تعلیمات کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم دیکھیں تو ہم مسلمان ہیں۔ مگر کیا ہمارے اندر اسلام ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۲۵ سال کے اندر اسلامی تعلیم کی طرف توجہ نہیں دی گئی سعودی عرب نے اسلامی اصولوں کے مطابق تنظیمیں بنائی ہیں تاکہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی قانون اسلام کے مطابق بنا سکیں۔ ہم کو بھی اس کی ضرورت ہے کہ ہم اپنا قانون بنائیں، انگریزوں کے قانون کو چھوڑیں اور اسلامی قانون کو مرتب کریں۔ ہمارے سامنے بڑا کام پڑا ہوا ہے۔ میں وزیر تعلیم سے عرض کروں گا۔ اوپن یونیورسٹی کو اسلامی قانون اور اسلامی تعلیمات کے پھیلانے اور سکھانے کا مقصد اپنانا چاہیئے۔ ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے یا دوسرے ذرائع جو ترقی یافتہ ملکوں میں رائج ہیں ان طریقوں پر کام کریں۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ انگریزی کو سیکھیں۔ اور اس طرح دوسرے مضامین بھی۔ مگر ایک ہماری شرعی ضرورت اور مقصد ہے کہ ہم نے اس ملک میں اسلامی قانون نافذ کرنا ہے۔ اس کے مطابق ہم نے چلنا ہے۔ تو وہ اس وقت ہوگا جب ہماری یونیورسٹی کا مقصد اسلامی تعلیمات کو فروغ دینا ہوگا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ آٹھویں جماعت یا دسویں جماعت تک تو بچوں کو اسلامی تعلیم دی جاتی ہے۔ آٹھویں جماعت یا دسویں جماعت کے بچوں کو بتایا جاتا ہے کہ نماز کس طرح پڑھائی جاتی ہے۔ روزے کس طرح رکھے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت کس طرح کی جاتی ہے۔ صرف اس سے ہم اسلامی تعلیمات حاصل نہیں کر سکتے ہیں اور اس طرح سے ہم مسلمان نہیں ہو سکتے ہیں۔ مسلمان تو وہ ہے جو نماز پڑھتا بھی ہے اور دوسروں کو بتاتا بھی ہے۔ اسلامی طرز حکومت کے تمام شعبوں میں یہ چیز ہونی چاہیئے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جس چیز کی حاجت زیادہ ہے اس کی طرف توجہ دی جائے۔

قومی اسمبلی
۲۵ ؍اگست ۱۹۷۶ء

کپاس، آٹا اور چاول چھڑنے کی ملوں کو سرکاری تحویل میں لینے کے بل پر تنقید

(۲۵ ؍اگست ۱۹۷۶ء کو مولانا عبدالحق مدظلہ نے مذکورہ بل پر حسب ذیل تقریر فرمائی)

مولانا عبدالحق: اکوڑہ خٹک۔ جناب والا! یہ ظاہر بات ہے کہ حکومت لوگوں کی جان ومال، عزت اور آبرو کی محافظ ہوا کرتی ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ کچھ دوکاندار مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کہ حضرت آپ نرخ مقرر فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن بوجھ اپنے سر لوں۔ اور نرخ مقرر نہ فرمایا کہ مارکیٹ کھلا رہے۔ (جب کہ لوگ ظلم نہ کرتے ہوں)

یہاں مختصراً گذارش یہ ہے کہ جو ملیں قومی ملکیت میں لی گئی ہیں اس کے متعلق اوّل تو جو مجرم ثابت ہو اس کی مل کو اگر لیا جائے تو کوئی بات بھی ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ بائیس سو لوگوں میں زیادہ سے زیادہ دس بیس آدمی مجرم ہوں گے لیکن دوسرے لوگ بھی اس کی زد میں آجائیں گے ان ملوں میں یتیموں کا حصہ بھی ہے، بیواؤں کا حصہ بھی ہے مشترکہ فنڈ سے بعض ملیں چل رہی ہیں اب ان بیچاروں کا یقیناً انتہائی نقصان ہوگا۔ جناب والا! مجھے معلوم ہے کہ بعض مقامات پر ان ملوں پر قبضہ کرنے والے جس وقت گئے تو انہوں نے فاؤنٹین پن بھی ان کی جیب سے نکال لیا، جیب میں جتنے پیسے تھے وہ بھی نکال لئے، کمرے میں جو سامان اور چادر پڑی ہوئی تھی اس پر تالا لگا دیا اور کہا کہ اس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ میرے خیال میں ایسے ہے جیسے ایک شخص چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں تو اب قانون بنا دیں کہ جتنے مرد ہیں ان سب کے ہاتھوں کو کاٹو اس لئے کہ فلاں چور ہے اس نے چوری کی ہے۔

تو شریعت مروّجہ ظالمانہ سرمایہ داری کی اجازت تو نہیں دیتا اور نہ میں اس سرمایہ داری کی تائید کرتا ہوں بلکہ یہ عرض کرتا ہوں کہ جو مجرم ہو اس کو اگر سزا دی جائے تو دی جائے لیکن اس کے ساتھ جو غیر مجرم ہے اس میں ہزاروں لوگ بے در ہو چکے ہیں ان کو مستثنیٰ کیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اب ایسی کوئی فیکٹری مثلاً ایک کنال زمین میں ہے اب اس زمین سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اس ایریا میں دس بیس دوکاندار ہیں اس میں مالک مل نے کچھ کرائے کی دوکانیں بنائی ہیں اور مکانات اپنے لئے بنائے ہیں۔ اور کوئی دوسری صنعت بھی لگا چکا ہے تو اب ان فلور ملوں کو اگر تحویل میں لیا بھی جائے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اس تمام ایریا پر قبضہ کر لیا جائے مکانات سے بھی نکالا جائے اور دوسرے صنعتوں پر بھی قبضہ ہو تو اس کا استثنا بھی ضرور کرنا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ معاوضہ کے متعلق یہ نہیں بتایا گیا کہ کس حساب سے اور کب دیا جائے گا۔ لیکن گذارش یہ ہے کہ بیس برس پہلے جو نرخ تھا مثلاً وہ دو لاکھ تھا اور اس وقت اس کا نرخ بیس لاکھ ہے اور اب معاوضہ اس وقت دیا جارہا ہے۔ اس لئے گذارش یہ ہے کہ معاوضہ بھی اسی مناسب نرخ پر اس وقت کے لحاظ سے دیا جائے۔ سب سے بڑا جرم تو ان نگرانوں کا ہے جو حکومت کی طرف سے ان چیزوں کی نگرانی کرتے تھے، ان کی نگرانی میں یہ برائیاں ہوتی رہیں۔ تو بہر صورت گورنمنٹ کو لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت تو کرنی ہی ہے۔ میں اس لئے گذارش کروں گا کہ اس پر نظر ثانی فرمائی جائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ بل اکثریت کے ہاتھوں پاس ہو جائے گا لیکن پھر تو وہ نقائص اور مظالم رفع کئے جائیں جو اس بل میں موجود ہیں۔

اسمبلی کسی شرعی حکم میں ترمیم کی مجاز نہیں، واقف کی مرضی کے بغیر کوئی تصرّف اور مساجد پر پابندی ناجائز ہے

۱۸ جولائی ۱۹۷۶ء کو محکمۂ اوقاف کو مرکز سے وابستہ کرنے کے متعلق شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے یہ تقریر فرمائی

جناب سپیکر!:- بیماری کی وجہ سے کچھ زیادہ عرض نہیں کر سکتا۔ انشاء اللہ تعالےٰ چند منٹ میں عرض کروں گا۔

یہ ہم سب تسلیم کر چکے ہیں کہ ہمارا آئین اسلامی اور ہمارا مذہب اسلام ہے۔ اور ہمارا جو بھی قانون اور جو بل یہاں آئے گا وہ قرآن و سنّت کے موافق ہوگا۔ پس ہمیں اس چیز پر غور کرنا ہے۔

دنیا کی کوئی اسمبلی شرعی حکم میں ترمیم نہیں کر سکتی | کہ آیا مسائل کی بنا پر احکام شرعی میں تبدیلی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تو ظاہر بات ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حضور نبی کریمؐ سے فرماتے ہیں جب کہ اسی زمانے کے بہت سے لوگ رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے تھے کہ حضورؐ آپ ذرا نرم ہو جائیں۔ بت پرستی اور شرک کے خلاف آپؐ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں کچھ تخفیف فرما دیں۔ تو وہاں پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی۔ قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ۔ دیکھو یہ دین جو ہے یہ اسلام جو ہے میں اس کو اپنی طرف سے بدل نہیں سکتا مجھے ایسا کوئی حق نہیں ہیں تو صرف اتباع کر رہا ہوں اس وحی کا جو میرے پاس پہنچی ہے۔

تو گذارش ہے کہ خود حضور نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ شرع میں اور وحی میں ردّ و بدل میں نہیں کر سکتا ہوں۔ تو اگر دنیا کے تمام لوگ جمع ہو جائیں، عقل مند جمع ہوں، تمام منتخب اسمبلیوں کے ممبر جمع ہو جائیں اور چاہیں کہ کسی شرعی حکم میں تھوڑا سا تغیر بھی کر لیں تو میرے خیال میں یہ بالکل ناجائز ہے۔ بس میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ یہ جو بل ہے اس کے متعلق ایک بنیادی مسئلہ تو یہ ہے کہ اس میں یہ اجازت دی گئی ہے کہ اوقاف کو بیچا جائے پھر اسے دوسرے مصارف میں خرچ کیا جائے۔

وقف میں واقف کی مرضی کے بغیر تصرف ناجائز ہے | میں عرض کرتا ہوں کہ فقہاء اور ائمہ کرامؒ نے تصریح کی کہ واقف جس مصرف پر خرچ کرنے کے لئے زمین کو یا کسی اور چیز کو وقف کرتا ہے۔ اور کوئی بغیر اس مصرف کے اسے کسی دوسرے مد میں خرچ کرتا ہے تو ایسا کرنا قطعاً ناجائز ہے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ یہ جائداد مسجد کے لئے میں نے وقف کر دی۔ اور اوقاف کا کوئی سربراہ کہے کہ نہیں مجھے پُل کی ضرورت ہے، مجھے سڑک کی ضرورت ہے۔ تو اب وہ جو واقف ہے جس نے یہ کہا کہ میری یہ زمین یا مکان یا کرایہ یا اس کی آمدنی خرچ ہوگی تو صرف مسجد پر۔ تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ یہ دوسری جگہ پر خرچ نہیں ہو سکتی اس میں البتہ ایک صورت ہے کہ اگر ایک شخص اس طرح وقف کرتا ہے کہ میرے وقف کو امورِ خیر اور رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کیا جائے

تو پھر بالکل ٹھیک ہے یہ تو وقف متعلق ہے اس کو جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ لیکن ایک شخص کہتا ہے کہ یہ صرف فقراء پر خرچ ہو یا صرف مدرسہ یا مسجد پر خرچ ہو یا یہ صرف ہسپتال کے لئے ہے تو اس وقت ہم اسے کسی تعلیمی مد یا کسی اور مد پر خرچ نہیں کر سکتے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس واقف نے زمین یا کسی چیز کو وقف کیا ہے اب اگر اس نے وقف میں متولی متعین کر دیا ہے کہ میری اولاد میں سے کوئی شخص متولی ہوگا یا کسی اور خاندان سے یا کسی اور شخص کو متولی بنا دیا۔ تو میں اپنی طرف سے نہیں کہتا، دلائل بھی بیان نہیں کرتا میں صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ شریعت کے احکام میں ہمیں تغیر و تبدل کی اجازت نہیں ہے۔ تو شریعت کا یہ حکم ہے کہ واقف نے جس شخص کو متولی بنایا ہے بس وہی متولی ہوگا۔ اب اس صورت میں ہمیں اجازت نہیں کہ ہم اس سے تولیت لے لیں۔ گذارش یہ ہے کہ صرف ایک دو فقہاء نے اتنا لکھ دیا ہے کہ اگر متولی خائن ہو تو اس سے قبضہ لے لینا چاہئے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ جب بھی وہ ٹھیک ہو جائے تو اس کو پھر متولی کر دیا جائے گا۔

(اس مرحلے پر جناب سپیکر کرسی صدارت پر تشریف فرما ہوئے)

تو اس میں یہ شرط ہے کہ اوقاف کے مصارف کو جیسے واقف کی مرضی ہو اس طرح خرچ کریں گے۔

ولایتِ خاصہ کو ولایتِ عامہ پر ترجیح اور یہ جو کہا جاتا ہے اختیارِ خاص اور اختیارِ عام۔ (ولایتِ خاصہ اور ولایتِ عامہ) تو جب یہ جمع ہوں مثلاً حکومت کو ولایتِ عامہ ہے اور اختیارِ خاص ایک شخص متولی کو ہے۔ تو فقہاء تشریح کرتے ہیں کہ اختیارِ خاص کو اختیارِ عام پر ترجیح ہوگی یعنی اختیارِ عامہ والا اختیارِ خاص سے تولیت نہیں لے سکتا۔ الغرض مجھے اتنا عرض کرنا ہے کہ ہم جو بل بھی بنائیں اس میں شرعی دلائل اور شواہد کو دیکھا جائے۔

مساجد میں اسلامی سیاست اور کلمۂ حق پر پابندی غلط ہے باقی یہ کہنا کہ مساجد میں فرقہ وارانہ باتیں نہ ہوں گی تو دیکھئے قرآن مجید میں ہے اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يشهد ان المنافقين لكذبون۔ یا اسی طرح یہ آیت کہ ومن الناس من يقول امنا بالله وباليوم الاخر وماهم بمؤمنين۔ خداوند کریم فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو زبانی مسلمان

ہیں اور وہ واقع میں مسلمان نہیں ہیں۔ اب یہ فرقہ وارانہ بات ہے یا نہیں؟ ایک فرقے پر رد ہے ہی نہیں۔ قرآن پڑھے گا تو یہود و نصاریٰ پر رد کرے گا۔ کفر و شرک اور بدعات پر رد کرے گا یا نہیں۔ جب یہ قانون ہوگا کہ مسجد میں فرقہ وارانہ بات نہیں ہوگی تو ایسی آیات کا ترجمہ بھی نہیں کیا جا سکے گا۔ اور ترجمہ نہ تو قانون ایسے آیات پڑھنے کا بھی روادار نہیں ہوگا۔ امام بخاریؒ تو فرماتے ہیں کہ مسجد ہسپتال ہے حضرت سعدؓ بیمار ہوگئے تو مسجد میں رہے۔ مسجد یہ ایوان ہے، ہال ہے اسمبلی کا۔ جتنے صحابہؓ کے مشورے تھے مسجد میں ہوتے تھے مسجد سیاست کا مرکز ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت مسجد میں ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کی تیاریاں مسجد ہی میں کیں۔ یہ مسجد دارالشفا ہے، یہ دارالضیافت ہے، جتنے مہمان آتے تھے ان کا قیام مسجد میں ہوتا تھا۔ اب ہم اس مسجد میں یہ پابندی لگائیں کہ کوئی بات فرقہ وارانہ نہ ہو۔ تو میں کہتا ہوں قرآن مجید میں بے شمار فرقوں پر رد ہوا ہے یا نہیں؟ اب آیات پڑھ بھی لیں تو قانون میں اجازت نہیں کہ اس کا ترجمہ کیا جائے۔ اگر ایسا ہے تو پھر عربی میں کیسے پڑھ سکتا ہے؟ اگر وہ دفعہ ہے جس میں ایک فرقہ دوسرے پر رد ہو۔ وہ تو قرآن نے کر لیا۔ بہر حال بات یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (نماز پڑھنے والے، پڑھانے والے معروفات کی تبلیغ اور منکرات پر رد کریں گے) الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ ہمارا منشور تو یہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب ہم ان کو حکومت دیں گے تو یہ نماز کی پابندی کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے اور ان کی زبان حق کہنے کے لئے کھل جائے گی۔ جو نیک باتیں ہیں وہ سنائیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔

میں خود بیمار ہوں زیادہ ہمت نہیں بس اتنا ہی عرض کرنا تھا۔

(رپورٹنگ نیشنل اسمبلی)

قومی و مِلّی مسائل پر
التواء کی تحریکیں

شیعہ، سُنی نصاب

(۲۱ اگست ۱۹۷۲ء کو مولانا عبدالحق صاحب نے قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہوتے ہی شیعہ نصاب کی علیحدگی سے متعلق تیسری بار تحریک التواء پیش کی جو اکثریتی پارٹی کے غلط رویے کی وجہ سے مسترد کر دی گئی ۔)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

جناب سپیکر! گذارش یہ ہے کہ میں نے ایک تحریک التواء اس مسئلہ کے متعلق پیش کی تھی کہ ہمارے شیعہ بھائی سرکاری سکولوں اور کالجوں میں نصاب تعلیم میں اپنی الگ دینیات کو رائج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اخبارات کے ذریعے سے معلوم ہوا ہے۔ کہ صدر محترم اور ارباب اختیار نے ان کو یقین دہانی کرائی ہے کہ اس سال جنوری سے وہ نصاب بھی شامل کر دیا جائے گا اور ساتھ یہ بھی ہے کہ اسلام کی تاریخ نئے سرے سے مُرتّب کی جائے گی۔ پھر اس کو رائج کیا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس بات سے ملک کی یک جہتی مجروح ہوگی۔ یہاں کے ۹۵ فی صد یا ۹۰ فی صد اہل سنت والجماعت اور اس کے اہل فکر حضرات چاہتے ہیں کہ پاکستان کو استحکام حاصل ہو، قومی یک جہتی ہو۔ ہم سب ایک ہیں اور ہم سب بھائی ہیں، ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ اگر یہ نصاب منظور کیا گیا تو اس سے ہمارے استحکام، ہمارے اتحاد اور فکری اتحاد

وھیس پہنچے گی اور یہ چیز سیاسی، اقتصادی اور مذہبی ہر لحاظ سے پاکستان کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ میں نے تحریک التوا۔ ۲۴ نمبر پر پیش کی تھی، لیکن بدقسمتی سے میں اس دن بیمار تھا۔ میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ اگر جناب سپیکر اس تحریک التوا کو منظور فرماکر اس پر بحث کرنے کی اجازت عطا فرمادیں۔ تو میں ممنون ہوں گا۔ میرے خیال میں یہ تحریک التوا ضابطہ نمبر ۵۲ کے تحت پیش ہوسکتی ہے۔

مسٹر سپیکر: آپ کی اس تحریک التوا کے نوٹس کا فیصلہ ہوچکا ہے۔

مولانا عبدالحق: جناب میں تو حاضر نہیں تھا۔ اس پر آپ ضابطہ نمبر ۵۲ کے تحت دوبارہ غور فرمالیں

مسٹر سپیکر: ایک دفعہ جو فیصلہ ہوجائے تو اس کو از سر نو زندہ کرنا مشکل ہے۔

مولانا عبدالحق: جناب والا! یہ دینی، مذہبی اور بڑا اہم مسئلہ ہے اور ہم پاکستان کے استحکام کے متعلق حلف اٹھا چکے ہیں۔ جب ہم دیکھیں کہ لوگوں میں انتشار پیدا کیا جارہا ہے تو پھر ہمیں متحد کرنے کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم تمام پاکستانی اور جو بھی مسلمانوں کے ساتھ وابستہ طبقات ہیں وہ نظریات میں متفق ہوں اور ان میں کوئی انتشار نہ ہو۔ اس سے قوم میں بڑا انتشار پیدا ہوگا۔ اگر آپ آج مناسب فرمائیں۔ یا پھر کسی وقت میں یہ تحریک کریں۔ کیونکہ میں اس دن حاضر نہیں تھا۔ اس لیے ضابطہ ۵۲ کی بنا پر میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کسی وقت کے لیے منظوری فرمادیں۔

مسٹر سپیکر: مولانا عبدالحکیم صاحب نے بھی اس قسم کی تحریک پیش کی تھی وہ بھی منظور نہیں ہوئی تھی۔ اس کے متعلق وجوہات دفتر کی طرف سے لکھ کر بھیج دیں گے۔

مولانا عبدالحق: کیا ہم درخواست دفتر کی طرف سے دوبارہ پیش کردیں؟ یہ مسئلہ بڑا اہم ہے، جناب!

مسٹر سپیکر: جی دفتر والے بھیج دیں گے۔ میں تو مشورہ نہیں دے سکتا۔ اسمبلی کے قواعد کے مطابق

مجھے اختیار نہیں ہے کہ میں آپ کو اجازت دے دوں۔ کہ آپ کی جو تحریک رد ہو چکی ہے، اس کو آپ نئے سرے سے پیش کر دیں۔

مسٹر سپیکر : مولانا عبدالحق صاحب! آپ نے دوسری دفعہ تحریک التوا ۴۲ کی تحریک کی ہے یہ شیعہ نصاب کے متعلق ہے۔ آپ نہایت مختصر الفاظ میں قاعدے کی رو سے یہ جواز پیش کریں کہ وہ کون سے قاعدے اور ضابطے کے تحت اسمبلی میں آسکتی ہے۔؟

مولانا عبدالحق : جناب سپیکر صاحب! یہ تحریک قاعدہ ۵۲، ۵۳، ۵۴ کے تحت زیر بحث آسکتی ہے۔

۵۲ یہ ہے کہ کسی حالیہ معاملہ کے متعلق ہو۔ تو شیعہ نصاب کی تجویز حالیہ ہی ہے۔

۵۳ یہ ہے کہ عوامی ہو۔ تو میری تحریک کا معاملہ نصابِ تعلیم سے متعلق ہے۔ اس کی لپیٹ میں شیعہ، سنی پوری آبادی آسکتی ہے اور ساری قوم پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ اس لیے عوامی ہے۔

۵۴ یہ ہے کہ کسی حتمی معاملہ کے متعلق ہو۔ تو تعلیمی نصاب کی شیعہ، سنی بنیاد پر تقسیم ایک حتمی معاملہ ہے۔

وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ : جناب والا! آپ کی اجازت سے میں مولانا صاحب کی توجہ پرسوں کے وقفہ سوالات کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ غالباً مولانا صاحب کو یاد ہو گا کہ ایسا ہی سوال مولانا مفتی محمود صاحب نے کیا تھا۔ اب مولانا عبدالحق صاحب تیسری مرتبہ اس تحریک التوا کو پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ جس فیصلہ کا ذکر کیا جا رہا ہے، یہ کوئی فیصلہ نہیں ہے۔ میں نے اس قدر کہا تھا کہ دینیات کے سلسلہ میں یکم اکتوبر سے نیا نصاب آرہا ہے صدر صاحب نے صرف اس قدر بات کی ہے اور اجازت دی ہے کہ اس بارے میں ایک کمیٹی فیصلہ کرے جس میں دونوں طرف سے علماء ہوں۔ جن میں غالباً مولانا صاحب بھی شامل ہوں گے اور مولانا کوثر نیازی اس کمیٹی کے چیئرمین ہوں گے۔ یہ کمیٹی یکم اکتوبر

تک فیصلہ کر دے گی۔ اس لیے میں مولانا عبدالحق صاحب سے گذارش کروں گا کہ اُس وقت تک اس تحریک التواء کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو اس سلسلہ میں کوئی تشویش نہیں ہونی چاہیے۔

مولانا عبدالحق : جناب سپیکر! یہ تو اخباروں میں آچکا ہے اور ساری قوم کو اس پہ تشویش ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی : جناب! میں مولانا عبدالحق صاحب کی تحریک التواء کی تائید میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مسٹر سپیکر : میں مولانا عبدالحق صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر اس معزز ایوان کا ایک معزز وزیر یقین دلا دے کہ ابھی فیصلہ حتمی نہیں ہے۔ کمیٹی فیصلہ کرے گی تو کیا وہ تحریک واپس لے سکتے ہیں۔ بعد میں اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آجائے تو پھر آپ کر سکتے ہیں

مولانا عبدالحق : میرا مقصد بحث کرنا نہیں۔ صرف سمجھنا مقصود ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ شیعہ حضرات الگ نصابِ تعلیم جاری کرانے کا مطالبہ کر چکے ہیں۔ وزیر تعلیم نے جس کمیٹی کا ذکر کیا ہے۔ اس کے متعلق کوئی قطعی یقین دہانی ہو جائے کہ وہ ایسا فیصلہ نہیں کرے گی۔ تو تب مجھے اطمینان ہوگا۔

مسٹر سپیکر : نہیں وہ کہتے ہیں کہ کمیٹی فیصلہ کرے گی۔ تو معزز ارکانِ اسمبلی کو قدرتی طور پہ اطمینان کرنا چاہیے۔

شاہ احمد نورانی : جناب سپیکر! اگر ـ ـ ـ ـ

مسٹر سپیکر : بحث کی اجازت اس لیے نہیں دے سکتا ـ ـ ـ ـ ـ تو کیا مولانا میں یہ سمجھوں کہ آپ نے تحریک واپس لے لی ہے۔

لانا عبدالحق : جناب عالی! اگر وزیر تعلیم کی یقین دہانی ہو جائے کہ کمیٹی جو بھی نصاب بنائے گی اس میں تقسیم نہیں ہوگی ـــــــ ملکی اتحاد اور سالمیت مقصد ہے۔

مسٹر سپیکر : وہ اس وقت نہیں کہہ سکتے کہ کمیٹی کس طرح فیصلہ کرے گی۔ تو جس بات کا فیصلہ نہ ہوا اور ہو سکتا ہے کہ آپ خود بھی فیصلہ کرنے والوں میں ہوں تو کیسے کہا جا سکتا ہے۔ تو اس لیے تحریک کو زیر بحث لانا بے کار ہے۔

شاہ احمد نورانی : مولانا عبدالحق صاحب کا مقصد یہ ہے کہ کمیٹی کا غور کرنا ہی ملک میں افتراق پیدا کرنا ہے اور ملکی سالمیت کے خلاف ہے۔

مسٹر سپیکر : میں کہہ رہا ہوں کہ تحریک اس وقت پیش نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ واقعہ وقوع پذیر ہو چکا ہے۔ اس لیے میں اس تحریک التواء کو مسترد کرتا ہوں۔

شیعہ سنی نصاب کی علیحدگی کا فیصلہ ۱۱ دسمبر ۱۹۷۴ء

اور

مولانا عبدالحق کی تحریک التواء

سرکاری تعلیمی اداروں میں شیعہ سنی نصاب دینیات کی علیحدگی کے یک طرفہ فیصلہ کی خبریں آ چکی ہیں۔ یہ چیز سنی مسلمانوں کے لیے اعتقادی فکری اور ملک کو سیاسی و اقتصادی لحاظ سے سراسر نقصان دہ ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے ایسے اہم اور قومی مسئلہ کو قومی اسمبلی میں زیر غور لانے کے لیے ۱۱ دسمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں تحریک التواء پیش کی جیسا کہ ۲۱ اور ۲۵ اگست ۱۹۷۲ء میں بھی حضرت شیخ الحدیث نے متعدد[1] بار قومی اسمبلی میں اس مسئلہ کو اٹھایا اور اس وقت کے وزیر قانون و تعلیم جناب پیرزادہ صاحب نے یقین دلایا کہ ایسا کوئی فیصلہ مکمل غور و خوض اور اتفاق رائے کے بغیر نہیں کیا جائے گا۔ اور اب جب کہ کچھ شیعہ رہنما اور حکومت کے درمیان ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۴ء کو لاہور میں اس فیصلہ کو آخری شکل دینے کا اعلان کیا گیا۔ تو حضرت شیخ الحدیث چاہتے تھے کہ ملک کے واحد نمائندہ با اختیار ادارہ میں اس مسئلہ کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث ہو اور ایک قومی مسئلہ کے ہر اچھے برے گوشوں

---

[1] مباحث مقننہ ۲۱ اگست ۱۹۷۲ء ص ۲۷۱ نیز ایضاً ص ۲۲۵ تا ۲۷۰ نیز مباحث مقننہ ۲۵ اگست ۱۹۷۲ء ص ۴۲۱ تا ۴۲۳

کو نمایاں کیا جا سکے۔

۱۱ دسمبر ۷۴ء کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے اپنی تحریکِ التواء[1] میں کہا کہ :

"شیعہ سُنّی نصاب کی علیحدگی اور دینیات کے نصاب کو از سرِ نو مرتب کرنے پر بحث کی جائے، کیونکہ اس فیصلہ سے ملک کی قومی یکجہتی متاثر ہو رہی ہے اور ملک کی ۹۵ فیصدی سُنّی مسلمانوں کی دینی اور ثقافتی حق تلفی ہو رہی ہے۔ اس سے بھائی چارے کی فضا خراب ہو جائے گی اور ہمارے ملّی اتحاد کو ٹھیس پہونچ کر یہ بات قومی و ملکی سالمیت کے لئے خطرات کا باعث بن سکے گی اور یہ مسئلہ ہماری سیاسی، اعتقادی، اقتصادی، فکری اور قومی زندگی پر اثر انداز ہو سکے۔ اس لیے اسے زیرِ بحث لایا جائے۔"

اس دن جناب پیرزادہ صاحب وزیرِ تعلیم ایوان میں موجود نہیں تھے تو پارلیمانی امور کے وزیرِ مملکت ملک محمد اختر کو تحریک کو خلاف ضابطہ ثابت کرنے کا کام سپرد تھا۔ جناب ملک محمد اختر نے تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے جو کچھ کہا وہ مغالطوں اور تضادات کا ایک شاہکار تھا۔ انہوں نے کہا کہ :

"۱۹۷۲ء میں شیعہ کمیٹی کے مطالبات پر نیازی کمیٹی نے رپورٹ مرتب کی تھی، ہم ایک متفقہ فارمولے پر پہونچے۔ دونوں فرقوں کے رہنماؤں نے اتفاق کیا اس لیے یہ حالیہ نہیں ۱۹۷۲ء کا واقعہ ہے اور یہ قومی و عوامی مفاد کا مسئلہ بھی نہیں کہ ہم اس پہ یہاں بحث کریں۔"

مولانا عبدالحق : سپیکر صاحب! ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۴ء کو فیصلہ ہوا، لہٰذا یہ حالیہ واقعہ ہے۔

سپیکر صاحب : جی ہاں میں نے ان کی یہ بات نہیں مانی چونکہ یہ ابھی ہوا ہے اس لیے وہ یہ ثابت کریں کہ اس سے قومی مفاد اور ہماری فکری و ذہنی زندگی متاثر نہیں ہو سکتی۔

---

[1] مباحث اسمبلی ۱۱ دسمبر ۱۹۷۴ء ص ۴۱۱ تا ۴۱۸ نیز ۱۲ دسمبر ۱۹۷۴ء ص ۴۵۳ تا ۴۵۶

مولانا عبدالحق : وزیر صاحب نے کہا ہے کہ یہ شیعہ سُنّی رہنماؤں کے اتفاق سے ہوا ہے۔ نہیں، بلکہ ۱۶ شیعہ نمائندے اور دو حکومت کے نمائندے تھے۔ کوئی سُنّی عالم اس فیصلہ کے وقت نہیں تھا یہ جھوٹ کہتے ہیں۔

جناب سپیکر صاحب : وہ کہتے ہیں کہ قومی یک جہتی کو نقصان نہیں ہو سکتا۔

مولانا عبدالحق صاحب : یہ عجیب ہے کہ ۹۵ فی صد سُنّی مسلمانوں کے عقائد کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ اور اگر ملک کے دو ٹکڑے کرنے والے غدّار ہیں، ملک دشمن ہیں تو ہمارے مذہب کے لحاظ سے قوم کو دو ٹکڑے کرنے والے کیوں غدّار نہیں۔

مفتی محمود صاحب : سپیکر صاحب یہ تو واضح بات ہے کہ شیعہ سُنّی قدیم سے سکولوں میں یکجا پڑھتے آرہے ہیں۔ یہ چیز اتحاد کی مظہر ہے۔ اب جب الگ بیٹھیں گے، الگ پڑھیں گے تو سن شعور ہی کے پہلے دن سے اپنے آپ کو الگ سمجھنے کا احساس اُبھرے گا۔ دوسری بات یہ کہ آٹھویں جماعت تک ایسا نصاب ہوگا جو مشترکہ ہوگا۔ اور خلفاء راشدین کا ذکر اس میں نہیں ہوگا۔

سپیکر صاحب : چونکہ پیرزادہ ایوان میں نہیں، کل انہیں آنے دیں اس وقت تک مولانا صاحب کی اس تحریک کو ملتوی رکھا جائے۔ ورنہ بحث غلط ہوتی جا رہی ہے۔

اس مرحلہ پر مولانا نورانی نے بھی اُٹھنا چاہا۔ مگر سپیکر صاحب نے انہیں کل تک اس بحث کو ملتوی رکھنے کا کہا اور تحریک کل پر چھوڑ دی گئی۔

دوسرے دن ۱۲ر دسمبر ۷۴ء شام کے اجلاس میں مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے پیرزادہ صاحب کی موجودگی میں تحریک التواء دوبارہ پیش کر دی۔ جناب پیرزادہ صاحب نے جوابی تقریر میں اصل مسئلہ علیحدگی سے گریز کرتے ہوئے فیصلہ کو عملی شکل دینے کی صورتحال پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی۔

جناب عبدالحفیظ پیرزادہ صاحب : جناب سپیکر صاحب ! میرے دوست مولانا
عبدالحق صاحب نے جو تجویز اور تحریک کی ہے۔ اس سے کوئی نتیجہ یہ کہنے کا نہیں نکلتا
کہ ان کا کوئی نمائندہ نہیں۔ کمیٹی میں اسلامیات کے نئے نصاب کو مدون کرنے کے لیے
جو کمیٹی بنائی گئی اس میں شیعہ علماء بھی ہیں سُنّی بھی۔ سُنّی علماء میں مولانا محمد بخش مسلم ، مولانا
محمد حنیف ندوی ، مولانا ضیاء القاسمی ، پروفیسر محمد احمد قاضی حیدر آباد۔ ڈاکٹر عبدالواحد ہالے
پوتا ، قاضی مجیب الرحمٰن ، سُنّی علماء کے نمائندہ ہیں۔

وزیر صاحب نے مزید کہا کہ اگر معزز ممبر چاہیں تو یہ نصاب دیکھ سکتے ہیں ، وزارت
تعلیم میں تشریف لا کر مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یہ نصاب دونوں طرف سے تجویز کردہ متفقہ
فارمولا کے مطابق ہو گا۔ ایک نصاب مشترکہ ہو گا ایک الگ مگر کلاسیں ساتھ ہوں گی۔
ہم چاہتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو اس طرح تعلیم دیں کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم الگ ہیں۔
اس لیے مولانا صاحب ! اسے فی الحال ملتوی رہنے دیں۔ اگر خامی معلوم ہوتی تو وہ
بتا سکتے ہیں۔

سپیکر صاحب : مولانا صاحب ! آپ نے وزیر تعلیم کا سُن لیا کہ اس سے
کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا وہ نصاب کی کاپی آپ کو بھجوا دیں گے یا آپ خود وزارت
میں جا کر دیکھ سکتے ہیں۔

مولانا عبدالحق صاحب : جناب سپیکر صاحب ! مجھے چند معروضات کی اجازت
عطا کریں۔

بات یہ ہے کہ اس وقت اس میں کوئی شک نہیں کہ ملی اتحاد کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے
وقت میں یہ مسئلہ نہ اٹھایا جاتا جبکہ ایک مسئلے (قادیانی مسئلہ) کو قومی اسمبلی نے حل کرنے
کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اچھی فضا قائم ہو گئی تو آپس میں نزاع والی باتیں نہ چھیڑی جائیں تو
بہت بہتر ہے۔ تو اہل سنت والجماعت نے نصابِ تعلیم کی علیحدگی کا مطالبہ کبھی بھی اور

ہرگز نہیں کیا۔ بلکہ ہمارے شیعہ بھائیوں نے کیا ہے۔ تو میری گذارش یہ ہے کہ جب نصاب پر دونوں کا اتفاق ہے اور ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ اس میں اختلاف یا کسی فریق کی دلآزاری ہو تو پھر ایسا مطالبہ کیا کیوں جا رہا ہے۔ آٹھویں کلاسوں تک قرآن اور اخلاقیات کا ذکر ہوگا۔ نماز کا ذکر ہوگا۔ مگر سیرت و سوانح کا نہیں۔ پھر اگر نماز بھی ایک ہے، اخلاقیات بھی ایک۔ تو علیحدگی کا مقصد کیا۔

شیعہ ہمارے بھائی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اہل سنّت ہمیشہ رواداری سے کام لیتے ہیں۔ سابقہ برسوں میں شیعہ بھائیوں کی وزارتِ اعظمیٰ اور صدارت تک کو بھی بخوشی برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں۔

پیپکر صاحب : مولانا ابھی میں اس بحث کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔

مولانا نورانی صاحب : جناب! مولانا تو رواداری کی بات کر رہے ہیں کہ اسے قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب : ہماری طرف سے نصاب کی علیحدگی کا کوئی مطالبہ نہیں۔

پیرزادہ صاحب : پیپکر صاحب یہ درست نہیں ہے۔ یہ ہم کس چیز پر بحث کر رہے ہیں۔

مفتی محمود صاحب : کیا وزیر صاحب کے لیے کوئی قانون یا ضابطہ نہیں۔ مولانا صاحب بول رہے ہیں اور یہ آپ سے اجازت لیے بغیر جب چاہیں کھڑے ہو جائیں۔

پیرزادہ صاحب : مولانا صاحب بولتے جا رہے ہیں اور میری نہیں سنتے۔

پیپکر صاحب : مولانا صاحب وزیرِ تعلیم نے کہا ہے کہ آپ کے خدشات درست نہیں۔

مولانا عبدالحق صاحب : پیپکر صاحب گذارش یہ ہے کہ

سپیکر صاحب : میں ایوان میں اس پر بحث کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہو سکتا ، ایک مسئلہ ختم ہو چکا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہاں زیر بحث لانے کی اجازت نہیں دے سکتا (حالانکہ مولانا بھی چاہتے تھے کہ یہ مسئلہ ملک بھر میں اُٹھایا ہی نہ جائے ۔ مرتب) مگر اس مرحلہ پر سرکاری بنچوں نے سپیکر صاحب کے الفاظ پر تالیاں بجائیں۔

مفتی محمود صاحب : جناب والا ہم چاہتے ہیں کہ مسئلہ پیدا نہ ہو۔ یہ تالیاں قوم کو لڑانے پر بجائی جارہی ہیں ہم لوگ صدیوں سے اکٹھے رہ رہے ہیں مگر آپ قوم کو الگ الگ کر رہے ہیں۔

پیرزادہ صاحب : میں سب دکھا سکتا ہوں وزارتِ تعلیم میں آئیں ، آپ کو غلط نظر آئے تو۔

مفتی محمود صاحب : ہم تو چاہتے ہیں کہ اختلاف بالکل پیدا نہ ہو ہم شیعہ سنّی ایک یونٹ ہیں ہم قوم کو اختلاف میں دھکیلنا نہیں چاہتے ، مشترکہ نصاب سے خلافتِ راشدہ کا باب نکالا جارہا ہے۔

سپیکر صاحب : مولانا عبدالحق صاحب ! آپ نے تحریک میں کوئی حوالہ نہیں دیا کہ کس بات سے قومی یکجہتی متاثر ہو رہی ہے۔ محض ہوا میں معلق ایک تحریک پیش کر دی ہے لہٰذا میں اسے مسترد کرتا ہوں

اس مرحلہ پر ایوان میں مولانا عبدالحق مدظلہ، مفتی محمود صاحب اور وزیر تعلیم میں خاصی گرما گرمی پیدا ہوتی اور دونوں ایک دوسرے پر قوم کو الگ کرانے کے الزامات دہراتے گئے ، مگر یہ فیصلہ تو آگے چل کر حالات اور تاریخ سے ہو سکے گا کہ نصابِ تعلیم کے ذریعہ علیحدگی اور انتشار کی بنیاد ڈالی گئی یا نہیں — اور یہ کہ اس کا ذمہ دار کون ہو گا۔ مگر مولانا عبدالحق اور ان کے ساتھی ارکان نے ایک نازک قومی مسئلہ پر اپنے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی۔

چکوال کی مدنی جامع مسجد کا واقعہ

تحریک التواء ۴۲ | میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ قومی اسمبلی کا حالیہ اجلاس قومی اہمیت کے حامل فوری معاملہ پر غور کرنے کے لئے ملتوی کیا جائے۔

چکوال کی مدنی جامع مسجد میں پولیس نے جوتوں سمیت داخل ہو کر وہاں پر موجود مسلمانوں پر تشدد کیا اور مسجد کے تقدس کو مجروح کیا گیا۔ دوسری طرف وہاں کے مسلمانوں کے ممتاز رہنما قاضی مظہر حسین صاحب اور دیگر بے شمار لوگوں اور نوجوان طلباء کو گرفتار کیا گیا۔ اس واقعے سے مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی ہے اور ۲۳،۲۲ فروری کو مسجد کی بے حرمتی کے خلاف پورے چکوال میں ہڑتال کی گئی، گورنمنٹ کالج کے طلباء نے کلاسوں کا بائیکاٹ کیا اس لئے اس واقعہ پر جس کے متعلق پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کے لئے اسمبلی میں زیر بحث لایا جائے۔

تشریح :- قرارداد کی عبارت میں تشریح آچکی ہے ثبوت کے لئے نوائے وقت راولپنڈی ۲۴ فروری ۱۹۸۳ء منسلک ہے۔

لبنان کی صورتحال

لبنان کے بارہ میں تحریک سپیکر صاحب نے چیمبر سے مسترد کر دی دوسرے دن شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے ایوان میں یہ مسئلہ اٹھایا تو سپیکر صاحب نے کہا کہ یہ تحریک مفاد عامہ کے خلاف ہے اس لئے اسے زیر غور نہیں لایا جا سکتا۔

میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ایک فوری اہمیت کے حامل مسئلہ پر غور کرنے کیلئے ملتوی کیا جائے۔

لبنان کی موجودہ صورتحال تمام عرب کیلئے خصوصاً اور عالم اسلام بشمول پاکستان کے لئے عموماً نہایت تشویشناک ہے اور یہ مسلمانوں کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے اسطرح مشرق وسطیٰ میں ایک دوسری غیر مسلم ریاست یا اسرائیل قسم کے اسٹیٹ کے قیام کے اندیشے پیدا ہو چکے ہیں یہ حالات آگے چل کر تمام مسلمانوں کے لئے خطرناک اور تشویشناک نتائج کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اس لئے قومی اسمبلی اس مسئلہ کے نتائج اور عواقب پر غور کرے۔

مُسترد شدہ تحریکِ التواء

کیمبلپور کا سانحہ

تحریک ختم نبوت | میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ قومی اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کرکے حالیہ ایک غیر معمولی نوعیت کے حسب ذیل واقعہ کو زیر بحث لایا جائے:۔

شہر کیمبلپور میں ۲ اور ۳ اگست کی درمیانی شب کو سجاد حسین صدیقی نامی ایک نوجوان کو بم سے شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ پورے شہر اور علاقہ کی رائے میں یہ مرزائیوں کی کارستانی تھی مگر اب مقامی انتظامیہ اور پولیس اصل مجرموں کے بجائے شہید ہونے والے نوجوان کے خاندان کو ملوث کرنا چاہتی ہے چونکہ اس واقعہ سے ملک کے کروڑوں مسلمانوں کا جذباتی تعلق ہے اس لئے اس معاملے کے نتائج پر بحث کے لئے اجلاس کو ملتوی کیا جائے۔

تشریح :۔ تحریک کے الفاظ واضح اور تشریح پر مشتمل ہے۔

مُسترد شدہ تحریکِ التواء[1]

علماء کی گرفتاری

میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ قومی اہمیت کے حالیہ حسب ذیل واقعہ پر غور کرنے کے لئے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کیا جائے۔

تحریکِ التواء | فیڈرل ایریا اسلام آباد میں واقع جامع مسجد اور بلال مسجد اور دیگر مساجد کے علماء اور خطیبوں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ چونکہ اس معاملہ سے ایک طرف آزادی تحریر و تقریر پر پابندی لگائی گئی ہے اور دوسری طرف پورے ملک کے مسلمانوں کو اضطراب اور تشویش میں ڈالا گیا ہے۔ چونکہ یہ بات آئین میں دیئے گئے شہری حقوق کے بھی خلاف ہے اس لئے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرکے اس تشویشناک معاملہ پر بحث کی جائے۔

تشریح :۔ چونکہ یہ معاملہ بالکل واضح ہے اس کی ضروری تشریح خود قرارداد کے الفاظ میں آچکی ہے۔

---

[1] مباحث اسمبلی ۱۲؍۲؍۷۴ تحریک ۶۱، ص ۴۵

سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ اقدس پر فلم

تحریک التواء [illegible] ۵ بجکر تیس منٹ شام

جناب سپیکر صاحب:- میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ قومی اسمبلی کے حالیہ اجلاس کو فوری طور ملتوی کر کے ایک ایسے مسئلے پر بحث کی جائے جس نے تمام دنیا کے مسلمانوں کی طرح پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کو شدید پریشانی اور اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اخبارات میں بعض یورپی ممالک کا بعض عرب ممالک کے تعاون سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر فلم بنانے کے منصوبے کا ذکر آ رہا ہے۔ قومی اسمبلی کو اس نازک مذہبی مسئلہ پر مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرنی چاہیئے اور اس شرمناک منصوبے کو روکنے کے اقدامات پر غور کرنا چاہیئے۔

ملک محمد اختر وزیر قانون:- (وضاحتی بیان دیا اور مراکش کا ایک بیان پڑھ کر سنایا)

سپیکر صاحب:- مولانا، وزیر صاحب کہتے ہیں کہ خبر غلط ہے انہوں نے مراکش کے سفارت خانہ کی طرف سے اس کی تردید پڑھ کر سنائی ہے۔ اب میرے خیال میں آپ کی تسلی ہونی چاہیئے۔

مولانا عبدالحق:- یہ ایک بڑا اہم مسئلہ ہے۔

سپیکر صاحب:- وہ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو رہا۔

مولانا عبدالحق:- جناب اس سے تمام مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔

سپیکر صاحب:- ایوان کے جذبات بالکل آپ کے ساتھ ہیں آپ مطمئن رہیں حکومت نے تسلی کرائی ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔

مولانا عبدالحق:- یہ تو مراکش کی حکومت نے کہا لیکن یورپی ممالک بڑے سازشی ہیں۔ ہم اپنی گورنمنٹ سے کہتے ہیں کہ۔۔۔۔۔

سپیکر صاحب:- کہ وہ چوکنا رہے۔

مولانا عبدالحق:- جی ہاں! اس لئے میں۔۔۔۔۔

سپیکر صاحب:- تحریک التواء کا وقت ختم ہو گیا ہے۔

حضرت آدم و حوّا کے فرضی تصاویر کی اشاعت

(تحریک التواء[1] اور بحث ۷۴/۷/۱۵)

مولانا عبدالحق:۔ میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرکے قومی اور ملّی مفاد سے وابستہ حسب ذیل اہم ترین معاملہ زیر بحث لایا جائے ۔

” لاہور سے شائع ہونے والے ہفت روزہ ”نصرت“ نے اپنی اشاعت ۱۲ مئی شمارہ ۱۵ ص ۲۲ پر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت حوا علیہم السلام کی فرضی تصویریں شائع کی ہیں ۔ وہ مادر زاد ننگی ہیں ۔ اس حالت میں اس طرح توہین کرکے نہ صرف پاکستان کے کروڑوں باشندوں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کی دلآزاری کی گئی ہے ۔ اس لئے معزز ایوان اپنی کارروائی روک کر اس معاملہ کو زیر بحث لائے ۔ اس کی تائید میں ”نصرت“ رسالہ منسلک ہے “

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک):۔ (بعض لوگوں کے ہنسنے پر) جناب والا گذارش یہ ہے کہ یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے بلکہ یہ رونے کا مقام ہے ۔

جناب اسپیکر:۔ مولانا عبدالحق

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) جناب اسپیکر گذارش یہ ہے کہ ......

جناب اسپیکر:۔ مولانا اس میں ایک اور مسئلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ٹکٹیں جو نصرت میں چھپی ہیں یہ عرب ریاست کی ہیں ۔

مولانا عبدالحق:۔ عرب کی ہوں یا کسی اور جگہ کی ۔ یہاں لکھنے والے نے اس کی بڑی تعریف کی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ مولوی لوگ اس پر ناراض ہوں گے ۔ لیکن یہ ان کی فنی اور ثقافتی بات ہے کہ ان کے ماں باپ کی ننگی تصاویر چھپ جائیں اور یہ برداشت کریں گے ۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ہمارے ماں باپ کی تصاویر اسی طرح ننگی کرکے شائع ہوں جس طرح ”نصرت“ میں شائع ہوئی ہیں تو کیا آپ برداشت کریں گے ؟

جناب اسپیکر:۔ مولانا صاحب آپ اس بات کا جواب دیں کہ یہ صوبائی حکومت کا کام ہے ۔ اس کا آپ کے پاس کیا ہے اور میرے سوال کا جواب بھی دیں کہ یہ عرب ممالک کے ٹکٹ ہیں ۔

---

[1] مباحث اسمبلی ۱۵ جون ۱۹۷۴ء ج ۴/۲۷ ص ۳۰ ص ۵۵ تا ۶۰

مولانا عبدالحق:۔ عرب ملک میں اگر کوئی جرم ہوگا اور وہ جرم یہاں آکر۔۔۔۔۔۔۔۔

جناب اسپیکر:۔ اگر وہاں سے خط لکھ کر پاکستان بھیجا جائے اور اس پر اس طرح کے ٹکٹ لگا دیئے جائیں۔ کیا آپ اسے روک سکتے ہیں؟

مولانا عبدالحق:۔ لیکن اس رسالے نے اس کی بڑی تعریف وتحسین کی ہے اور کہا ہے کہ یہ ثقافت کا کمال ہے۔

جناب اسپیکر:۔ بس مولانا اب اس پر بحث شروع نہ کریں۔ اگر آپ نے قانون کی بات کرنی ہے تو کریں۔

محمود اعظم فاروقی:۔ آئین صفحہ ۱۶۴ دفعہ ۲۵ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ مرکزی حکومت نے اخبارات ورسائل پر پابندی عائد کی ہے۔

میاں محمود علی قصوری:۔ جناب والا مجھے بھی یہی عرض کرنا تھا انہوں نے فرمادیا ہے کہ یہ آپ کے احاطہ اختیار میں ہے۔

مولانا مفتی محمود:۔ جہاں تک ٹکٹوں کا مسئلہ ہے اگر یہ ایک شخص کے پاس خط کی صورت میں آتے تو وہ علیحدہ بات تھی۔ لیکن اس کی تو باقاعدہ تشہیر کی گئی ہے۔ انہوں نے ان ٹکٹوں کی تصاویر چھاپی ہیں اور ان کی تعریف کی ہے۔ چونکہ اس سے لوگوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں اس لئے اس کو زیر بحث لانا چاہیئے

ملک محمد اختر:۔ اس معاملہ میں صرف ڈی پی آر رولز ہے اور صوبائی حکومت کا معاملہ ہے۔

سپیکر:۔ یہ صوبائی معاملہ ہے ہمارے پاس اس کی سزا نہیں۔

(اور تحریک مسترد کر دی گئی)

ربوہ[1] میں قادیانیوں کے سالانہ اجتماع پر تحریکِ التواء

دسمبر کے آخر میں ربوہ میں بڑے پیمانے پر قادیانیوں کے عالمی اجتماع کی خبریں آچکی تھیں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت دیے جانے کے بعد ظاہر ہے کہ ایسے اجتماع میں کیا کیا تدبیریں اور ملک و ملت کے خلاف سازشیں زیرِ غور آئیں گی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے ۱۸ دسمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں اس مسئلہ کو تحریکِ التواء کے ذریعہ زیرِ بحث لانا چاہا اقلیتی امور کے وزیر ملک محمد جعفر نے تحریک کے نفسِ مضمون سنانے کی بھی مخالفت کی اور اسے زیرِ بحث لانا بھی مفادِ عامہ کے خلاف (؟) قرار دیا۔ سپیکر نے دوسرے دن پر اپنا فیصلہ ملتوی کر دیا۔ دوسرے دن ۱۹ دسمبر کو سپیکر نے کہا کہ وزیر موصوف تو تحریک پیش کر دینے کے بھی خلاف ہیں، مگر مجھے اس سے اتفاق نہیں محرک مولانا (مدظلہ) اسے پیش تو کر سکتے ہیں۔ البتہ اسے زیرِ بحث نہ لایا جائے۔ مولانا عبدالحق مدظلہ نے تحریک پیش کر دی جس کا متن یہ تھا کہ:

"ماہِ رواں کے آخری ہفتہ میں قادیانیوں کا وسیع پیمانہ پر سالانہ اجتماع کے انعقاد کی خبریں آچکی ہیں اور یہ بھی کہ اس اجتماع میں بھارت سمیت باہر ممالک سے بھی وفود شرکت کر رہے ہیں چونکہ یہ اجتماع عالمِ اسلام اور مسلمانوں کے نام پر ایک ایسا گروہ کر رہا ہے۔ جسے آئین میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے اور خطرہ ہے کہ اجتماع اور اس کی تقاریر سے مسلمانوں کی دلآزاری ہو گی بلکہ ملک کی سالمیت کے خلاف بھی سکیمیں زیرِ غور لائی جائیں گی اس لیے اس اہم ترین مسئلہ پر قومی اسمبلی غور کرے گی"

تحریک کے بعد سپیکر کے روکنے کے باوجود مولانا نے کہا کہ آئینی ترمیم میں عقیدہ ختمِ نبوت کے خلاف تبلیغ کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس اجتماع میں کھلم کھلا ختمِ نبوت کے خلاف پرچار کیا جائے گا۔ اس لیے ایسا اجتماع آئین کی صریح خلاف

[1] مباحث اسمبلی ۱۹ دسمبر ۱۹۷۴ء ص ۶۰، تا ۶۲

درزی ہے   سپیکر نے کہا کہ چونکہ اس مسئلہ پر ۳ ماہ مسلسل غور ہو چکا ہے۔ ہر روز اسے اُٹھایا نہیں جا سکتا ـــــــــــ اور یہ کہ اب بطور اقلیت انہیں شہری حقوق دینے ہوں گے۔ مولانا مدظلہ نے جواب دیا کہ شہری حقوق وہی ہونے چاہئیں جو آئین کے خلاف نہ ہوں۔ مگر سپیکر نے تحریک مسترد کر دی۔

مولانا شمس الدین شہید بلوچستان کی شہادت

قومی اسمبلی کے حالیہ سیشن کے آغاز میں ۲۰ مارچ کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے مجاہد اسلام مولانا شمس الدین مرحوم کے واقعہ شہادت پر قومی اسمبلی میں باقاعدہ قرارداد پیش کرنے کا نوٹس دیا تھا۔ مگر اسے اسمبلی سیکرٹریٹ نے حسب ذیل مراسلہ کے ساتھ مسترد کر دیا۔ (ادارہ)

قومی اسمبلی سیکرٹریٹ

نمبر الف ۱۷ (۱۲) /۷۴۔ یجس (آر ڈی ۱۱) اسلام آباد ۲۳ مارچ ۱۹۷۴ء

بخدمت: جناب مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) رکن قومی اسمبلی

موضوع:۔ مولانا شمس الدین کا قتل

مجاری: حسب الحکم آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ قومی اسمبلی کے قواعد طریق کار و انصرام کارروائی ۱۹۷۳ء کے قاعدہ ۱۲۷ بشمول قاعدہ ۱۲۶ (۲) کے تحت اسپیکر نے آپ کی مذکورہ بالا قرارداد جس کا نوٹس آپ نے ۲۰ مارچ ۱۹۷۴ء کو دیا تھا مسترد کر دیا ہے۔ اسسٹنٹ سیکرٹری

بھارت کا ایٹمی دھماکہ (تحریک التواء)

میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر کے قومی مفاد اور ملکی سالمیت سے متعلق حسب ذیل معاملہ پر غور کیا جائے۔

بھارت نے حال ہی میں جو ایٹمی دھماکہ کیا ہے اس نے بجا طور پر پاکستان کی سالمیت اور بقا کیلئے نہایت تشویشناک صورت پیدا کی ہے اسلئے ملکی سالمیت اور قومی مفاد کا تقاضا ہے کہ اجلاس کو ملتوی کر کے اس معاملہ کے تمام پہلوؤں، اسباب، محرکات اور انسدادی تدابیر پر بحث کی جائے۔

بنیادی حقوق کے تعطل اور ہنگامی حالات میں توسیع کی مخالفت

(۴/ مارچ ۱۹۷۴ء، سینٹ اور قومی اسمبلی کے مشترکہ اجلاس سے خطاب)

مولانا عبدالحق: جناب سپیکر صاحب! میں اس قرارداد کے متعلق یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ اس قرارداد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طریقے سے ایک وقت میں جب کہ موجودہ وزیراعظم جو اس وقت صدر تھے اور ان کے پاس ۱۰۵ اراکین کے دستخط تھے کہ مارشل لاء جاری رہے لیکن انہوں نے مارشل لاء کے اٹھانے کا اعلان کر دیا حالانکہ مارشل لاء کے حق میں بھی اس وقت اسی طرح کے دلائل دیئے گئے تھے جس طرح کہ اب ہنگامی حالات کی قرارداد کی حمایت میں دیئے جا رہے ہیں لیکن مارشل لاء کے اٹھنے کے بعد ملک کی فضا اچھی ہوئی اور الحمدللہ کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی اسی طریقے سے ہم چاہتے ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے وزیراعظم صاحب یہ اعلان کر دیں کہ ہنگامی حالات اس ملک میں نہیں رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قرارداد میں یہ کہا گیا ہے کہ ۱۹۷۱ء سے جو ہنگامی حالات نافذ کئے گئے تھے ان کی منظوری مزید چھ ماہ کے لئے دی جائے۔ گذارش یہ ہے ۱۹۷۱ء کی جنگ میں جب ہنگامی حالات نافذ ہوئے تھے تو اس وقت جنگ کی سی حالت تھی اور بیرونی جارحیت کا خطرہ تھا۔ اب الحمدللہ نہ جنگ ہے اور نہ بیرونی جارحیت کا کوئی خطرہ۔ اس لئے میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں جتنے بھی عوام ہیں، جتنے بھی طبقے ہیں ان سب کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ وہ اس ملک کی سالمیت اور اس ملک کے استحکام کو جزو ایمان سمجھتے ہیں وہ پاکستان کی ایک انچ زمین بھی ہندوستان، افغانستان یا کسی دوسرے ملک کو نہیں دینا چاہتے۔ ایک سیاسی حربے کے طور ہم ایک دوسرے پر الزام لگاتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو اندرونی خلفشار کا مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کی مقدس سرزمین جس کو ہم نے ہزاروں اور کروڑوں قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے۔ ہم اس نعمت کا کفران نہیں کریں گے ـــ اس ملک میں کوئی ایسا طبقہ نہیں جو کہ پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہو۔ بلکہ ہر طبقہ پاکستان کو مستحکم اور متحد دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے آئین میں عوام کو جتنے اختیارات دیئے گئے ہیں یا جو بنیادی حقوق دیئے گئے

ہیں، ہم دیانت داری سے اس پر عمل کریں تو اس ملک میں کوئی سازش یا اندرونی خلفشار قطعاً نہیں رہے گا۔

بہرتقدیر یہ ٹھیک ہے کہ آئین میں صدر محترم کو یہ اجازت ہے کہ وہ ملک کے اندر خلفشار دیکھیں تو وہ ہنگامی حالت نافذ کر سکتے ہیں۔ لیکن پھر اس صورت میں یہ قرارداد نہیں ہوگی کیونکہ اس قرارداد میں تو ۱۹۷۱ء کے ہنگامی حالات کو مزید نافذ کرنا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں تو جنگ اور بیرونی جارحیت کا خطرہ تھا۔ اب نہ جنگ ہے نہ بیرونی جارحیت، اس لئے اس قرارداد کے الفاظ یہ ہونے چاہئیں کہ ملک کے اندر خلفشار ہے۔ وہ پرانے ہنگامی حالات ختم۔ اور اب یہ نیا فرمان جاری کرتے ہیں کہ اس ملک میں اندرونی خلفشار کو دور کرنے کے لیئے نئے ہنگامی حالات نافذ کرتے ہیں۔ یہ ہنگامی حالات نئے ہوں گے ۱۹۷۱ء والے نہیں ہوں گے۔ اگر ملک کے اندر خلفشار ہو۔ لیکن آپ سب جانتے ہیں، ہم سب مسلمان ہیں، ہم سب بھائی بھائی ہیں کون ایسا شخص ہوگا جو اس ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان ہنگامی حالات کی وجہ سے بہت سے بے گناہ لوگوں کو پکڑا جا رہا ہے۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ میری تحصیل نوشہرہ میں ایک مقام خویشگی ہے وہاں پر چھ علماء کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار کیا گیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کیا کہا تھا، کوئی جلسہ کیا، کوئی تقریر کی۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے کچھ نہیں کیا سوائے اس کے کہ ہم نے آپ کے ووٹوں میں تائید کی تھی۔

تو یہ یا اس قسم کے واقعات ملک میں ہنگامی حالات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو قانونی شکنجے میں قابو کر کے رکھنے کی بجائے ہماری حکومت ان پر محبت و شفقت کے ذریعے ان کے دلوں پر حکومت کرے اور یہ کہہ دے کہ جیسا کہ ہمارے عوام نے مسلم سربراہ کانفرنس میں تمام نے دل و جان سے اپنے وزیراعظم کی تائید اور مہمانوں کی قدر کی۔ اس وقت یہ اعلان کیا جائے کہ اس خوشی میں ہم ہنگامی حالات اٹھاتے ہیں۔ (رپورٹنگ نیشنل اسمبلی)

تمام قوانین کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے کام میں تاخیر

(یکم اپریل ۱۹۷۶ء ۱۱ بجے شام)

مولانا عبدالحق :۔ گذارش ہے کہ وہ قوانین جو انگریز کے دور سے قرآن وسنت کے خلاف چلے آ رہے ہیں، ان تمام کو قرآن وسنت کے سانچہ میں ڈھالنا ہے اور موجودہ قوانین بھی، تو مشاورتی کونسل کے صرف اتنے اجلاس (آٹھ اجلاس) کافی ہو سکتے ہیں۔

سپیکر :۔ مولانا کہتے ہیں کہ سارے کے سارے قوانین ان آٹھ اجلاسوں میں قرآن وسنت کے مطابق ڈھالے جائیں گے۔

کوثر نیازی :۔ ماضی میں قائم کونسل سے موازنہ کریں تو یہ اجلاس کہیں زیادہ ہیں۔ ریڈی میڈ جواب تو نہیں ہوتا، غور کرنا ہوتا ہے۔ ٹھوس کام کے لئے ممبران کو وقت چاہیئے۔

مولانا عبدالحق :۔ چار سال گزر چکے ہیں اب تھوڑا عرصہ باقی ہے ان کے رپورٹ پیش کرنے کے لئے کیا کام کی رفتار میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔

کوثر نیازی :۔ میں اس کا جائزہ لوں گا اگر گنجائش ہوئی تو یقیناً اضافہ کیا جائے گا۔

قرآن مجید کی صحیح طباعت کے بل میں ترمیم

میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ حسب ذیل نئی دفعہ کا اضافہ کیا جائے۔ یعنی

"۸ الف۔ عربی متن کے بغیر ترجمے کی اشاعت

(۱) عربی متن کے بغیر قرآن پاک کا کوئی ترجمہ یا تفسیر شائع نہیں کیا جائے گا۔

لے مباحث قومی اسمبلی ۲ جولائی ۱۹۷۶ء ص ۲۴۴۸

باب ۷

بجٹ تقریریں

قومی اسمبلی
بجٹ سیشن ۱۵ جون ۱۹۷۳ء

۷۳ء کے بجٹ[1] کے بعض غیر اسلامی
اور
تاریک پہلو

قومی اسمبلی میں نئے بجٹ پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی تقریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ جناب سپیکر صاحب! نئے بجٹ پر کوئی مفصل تبصرہ کرنا مقصود نہیں اعداد و شمار اور حساب و کتاب کے اس فن کے لیے الگ لوگ ہیں، مگر دینی اور اسلامی نقطۂ نظر سے چند معروضات پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں نئے بجٹ پر مختصر تبصرہ کرتے ہوئے اس کی چند خامیوں پر گفتگو کرنے سے قبل میں ضروری

---

[1] مباحث اسمبلی ج ۳ ش ۱۸، ۱۵ رجون ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۲۱۲ تا صفحہ ۱۲۱۶، این اے پی ایجبس ۱۱۱-۱۸-۷۳

سمجھتا ہوں کہ کچھ اچھے پہلوؤں کی تحسین ہو۔ ملک کے غیر معمولی حالات اور جن بحرانوں سے ہم
گزر تے جا رہے ہیں اور جس غیر یقینی کیفیت سے ہم دوچار ہوتے ہیں۔ اس کی بناء پر بجٹ
سے قبل لوگوں کو بڑے خدشات تھے مختلف افواہیں تھیں۔ ایسے تشویشناک حالات میں
جو بجٹ سامنے آیا۔ اس سے مجموعی حیثیت سے لوگوں نے کچھ اطمینان کی سانس لی۔ نئی
چیزوں پر ٹیکس نہ لگایا محدود آمدنی والے طبقے کی قابل ٹیکس آمدنی کی حد ۶ ہزار سے بڑھانا
یہ چند ایسی باتیں ہیں کہ بجٹ موجودہ حالات کے تقاضوں سے ایک حد تک ہم آہنگ
ہے یہ کہنا تو انتہا پسندانہ ہے کہ بجٹ تمام خامیوں سے پاک ہے لیکن بجٹ میں کچھ اچھے
فیصلے بھی کیے گئے ہیں۔

معاشی خوشحالی اور معاشرہ کی اخلاقی اور دینی اصلاح کا باہمی تعلق

مگر بدقسمتی سے ہماری اچھی پالیسیوں کا بھی اگر خاطر خواہ نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا اور یہ بجٹ بھی
خوشگوار اثرات مرتب نہ کر سکا تو اس کی وجہ بھی وہ بنیادی خرابیاں ہوں گی جو معاشرے کے
نہ صرف عوام بلکہ خود برسراقتدار طبقہ بھی اس میں ملوث رہتا ہے۔ چوری، اسمگلنگ، بلیک مارکیٹ
ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور دولت کے حصول کی ہر جائز و ناجائز خواہشات کی تکمیل اور ہوس زر
پورے معاشرے کو حکومت ہی کی نگرانی اور سرپرستی میں پورے معاشی نظام کو کھائے جا رہا
ہے۔ جب تک معاشرے سے ان بنیادی خرابیوں کا قلع قمع نہیں کیا جائے گا ہماری معاشی
اصلاح اور عوامی خوشحالی کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ معاشیات و اخلاق کا
باہمی گہرا ربط اور تعلق ہے اخلاق کی تربیت نفس کی تطہیر دل کی پاکیزگی اور خوف خدا و محاسبہ
آخرت ہی سے معاشیات سدھر سکتے ہیں اس لیے اسلام نے مساوات سے زیادہ مواسات
پر زور دیا۔ معاشرہ کی اصلاح کے نتیجہ میں کئی صدیاں ایسا دور رہا کہ ملک میں زکوٰۃ قبول کرنے

والا کوئی نہیں مل سکتا تھا۔

ہر شہری کو بنیادی ضروریات کی فراہمی حکومت کا بنیادی فرض ہے

جہاں تک عوامی خوشحالی اور روٹی کپڑا، مکان، بنیادی اشیائے صرف کی فراہمی کا تعلق ہے اسلام نے اسے ایک اسلامی حکومت کا بنیادی فرض قرار دیا ہے۔ اس کے بارہ میں ریاست کی کفالتِ عامہ ایک مستقل ذمہ داری ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ لو مات الکلب علی شط الفرات لکان عمر مسئولاً عنہا اور عمر بن عبدالعزیز نے کہا تھا کہ کسی خارش زدہ اونٹ کو مالش کی دوائی نہ مل سکی۔ تو خدا مجھ سے باز پرس کرے گا۔ اس مسئولیت اور ذمہ داریوں کو ہم پچھلے ۲۵ سال سے فراموش کرتے رہے تو نتیجہ سامنے آیا کہ ۲۶ سال گزر گئے، مگر ہماری ۷۵/۶۰ فی صد آبادی اب بھی تعلیم، علاج، روشنی، پانی جیسی بنیادی ضروریات سے محروم ہے۔ یہ صرف دیہات کی بات ہے۔ شہری علاقے بھی غربت افلاس اور مہنگائی کے ہاتھوں نالاں ہیں۔ مزدور آج بھی نانِ جویں کے لیے ترستا ہے۔ ہمارے محترم وزیر خزانہ نے بنیادی اشیاء صرف چینی، گھی، آٹا وغیرہ کی قیمتوں کے استحکام کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ بات واقعات کے مطابق نہیں۔ عوام کی قوتِ خرید سلب ہوتی جا رہی ہے قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ ملک کا اکثر حصہ اب بھی ایسا ہی پسماندہ ہے۔ جیسا کہ ۱۹۴۷ء سے قبل رہا۔ مثال کے طور پر میں اپنا ہی حلقہ انتخاب پیش کرتا ہوں ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ چھ سات لاکھ انسانوں اور سینکڑوں مربع میل پھیلا ہوا ہے، مگر یہاں تک کہ بعض مقامات پانی تک سے محروم ہیں دس دس میل سے ایک چھوٹی سی ڈسپنسری میں آنا پڑتا ہے۔ علاقہ نظام پور اور چراٹ سے لے کر خیر آباد تک پہاڑی سلسلۂ معدنیات کے سروے سے محروم ہے۔ مواصلات نہیں۔ ورنہ ایسے دشوار گزار علاقوں میں صنعتیں قائم کر کے بے روزگاری وغربت کا علاج کیا جا سکتا تھا۔ اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں۔ تو

ہمیں موجودہ بجٹ سے بھی مایوسی ہوتی ہے کہ ایسے علاقوں کی تقدیر کے دن کب بدلیں گے۔

سادگی نہ کہ عیاشی

اسلام نے اپنی معیشت کی بنیاد عدل وانصاف کے ساتھ کفایت شعاری اور میانہ روی پر رکھی ہے۔ "الاقتصاد نصف المعیشۃ" عربی مقولہ ہے کہ ضرورت کی جگہ پر ضرور خرچ کیا جائے اور بے جا ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہو۔ تعیشات اور اسباب تعیش کی فراوانی اور ان پر بیجا اخراجات جس کی موجودہ بجٹ میں بھرمار ہے۔ معاشیات درست نہیں ہو سکتے ہیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن چند اور باتوں کے علاوہ اس بات کا جواب دیئے بغیر کسی کو اپنی جگہ سے ہلنے کی اجازت نہ ہوگی۔ جب تک اس سے اس کے مال کے ذرائع خرچ کا نہ پوچھ لیا جائے گا۔ لاتزال قدما ابن آدم (الحدیث)

حضرت عمرؓ کی مجلس میں جب وہ دفتر کے سرکاری کام میں مصروف تھے ایک ملاقاتی آیا آپ نے چراغ بجھا دیا۔ جب وہ جانے لگا تو پھر چراغ روشن کیا۔ اس نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ چراغ میں تیل بیت المال کا ہے۔ آپ نجی کام میں مجھ سے ملنے آئے تھے تو اس وقت اس تیل کو خرچ کرنا بددیانتی ہوتی ہے اس لیے میں نے چراغ بجھا دیا اور اب دوبارہ سرکاری کام کے لیے روشن کر دیا۔ مگر ہماری کفایت شعاری اور اقتصاد کی حالت یہ ہے کہ ملک جب متحد اور سالم تھا۔ تو اخراجات چار ارب تھے۔ اب یہ بڑھ کر سات ارب چار کروڑ ہو گئے۔ کیونکہ کثیر سرمایہ سامان تعیش اعلیٰ سے اعلیٰ فرنیچر، ٹی وی، سامان زینت پر تکلف مسرفانہ اشیاء کی درآمد آئے دن کے جشنوں اور بڑی بڑی بھاری تنخواہوں پر خرچ ہو رہا ہے اور کچھ بجٹ میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے دیگر مراعات یافتہ طبقوں کی وجہ سے مصارف بڑھ گئے۔ سوشلزم اور عوامی نعروں کے باوجود عام آبادی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

بجٹ اور سودی نظام

ہمارے بجٹ اور معاشیات کی دوسری بڑی خرابی وہ سودی نظام ہے جسے نہ صرف یہ کہ بجٹ میں قائم بلکہ اور مستحکم کیا گیا ہے۔ سودی نظام کے بارہ میں خدا کا اعلان جنگ ہے فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ حضورؐ نے آخری خطبہ میں اسے اپنے قدموں سے پائمال کرنے کا اعلان کیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سودی معاشیات کا نتیجہ بالآخر بربادی ہے۔ یمحق اللہ الربوا امریکہ اور برطانیہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ برطانیہ جزیرہ میں سودی نظام کی وجہ سے سمٹ کر رہ گیا۔ امریکہ اقتصادیات میں ساری دنیا کا ٹھیکیدار تھا، مگر آج اس کے ڈالر کے بحران کی وجہ سے ساری دنیا مالیاتی بحران میں مبتلا ہے اس لیے سودی نظام سے جلد از جلد خلاصی ضروری ہے اور حتی الوسع بجٹ کو اس سے پاک کرنا ضروری تھا۔

بجٹ اور شراب

جب ہم بجٹ پر سرسری نگاہ ڈالتے ہیں تو بہت سی چیزیں محاصل و مصارف کی ضمن میں ایسی نظر آتی ہیں۔ جو اسلام کی رو سے قطعاً ناجائز اور ناقابل برداشت ہیں۔ ایسے آمد و خرچ سے معاشرہ سنبھلتا نہیں بگڑتا ہے۔

بجٹ میں شراب بھی موجود ہے پرسوں جناب وزیر محنت نے میرے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ شراب کی درآمد پر ۴ کروڑ ۱۱ لاکھ روپے کا زرمبادلہ خرچ ہوتا ہے اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ شراب پر سیاحوں کی وجہ سے دس سال تک مکمل پابندی لگانا مشکل ہے ملک کے اندر شراب سے ہزاروں روپے ٹیکس لے کر پورے معاشیات کو اس ام الخبائث کی وجہ سے پلید اور بے برکت بنا دیتے ہیں۔ دوسری طرف تقریباً ۸ کروڑ شراب کے

زرمبادلہ پہ خرچ کر دیتے ہیں۔ ہمیں سیاحت کو فروغ دینا ہے۔ مگر شرابیوں کی سیاحت سے نہیں۔ جو پورے ملک اور معاشرے کو برباد کر دیں گے۔ لیبیا کے مردِ مجاہد کرنل قذافی نے ان مصلحتوں کو نہیں دیکھا۔

بجٹ اور خاندانی منصوبہ بندی

ہم نے خاندانی منصوبہ بندی کے لیے بجٹ میں ساڑھے تین کروڑ روپے رکھے ہیں ہم بار بار کہتے ہیں کہ یہ دولت نہ صرف نتائج کے لحاظ سے بلکہ شرع کی رو سے بالکل ناجائز خرچ کی جا رہی ہے۔ خدا کی شانِ رزاقیت کو چیلنج دے کر افراد کی قوت کو گھٹا کر ہم خدا کے غضب کو دعوت دے رہے ہیں پھر خدا ایسی قوموں کی منصوبہ بندی خود کر لیتے ہیں ہم نے خاندانی منصوبہ بندی سے فحاشی اور حرامکاری کو بڑھایا۔ مگر آبادی گھٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ادھر خدا کے غضب نے ہماری نصف آبادی مشرقی پاکستان کی ہم سے کاٹ دی یہ قدرت کی منصوبہ بندی تھی۔ اس لیے بجٹ کا یہ مد اہم ضروریات پر خرچ کرنا چاہیے۔

جوا پیشہ ورطوائف اور ثقافتی طائفے

ہمارے بجٹ میں جوا کو گھوڑ دوڑ کے نام سے ترقی دی جا رہی ہے۔ پیشہ ورطوائف پر ثقافت کے نام سے لاکھوں روپیہ لگایا جا رہا ہے ہمیں ثقافتی طائفوں کے تبادلہ کے نام لاکھوں روپے کا زرمبادلہ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ملک کی اکثریت بھوکی ننگی ہو اور ہم رقص و سرود ناچ گانے اور فحاشی پر آرٹ، کلچر اور ثقافت کے نام سے لاکھوں روپے لگائیں تو اس سے بڑھ کر ستم ظریفی کیا ہو سکتی ہے۔ ہماری اسلامی مملکت کے بجٹ سے شراب جوا اور سارے منکرات کے اخراجات معدوم ہونے چاہییں تھے۔ جن کے بارے میں خدا کا ارشاد ہے: انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجسٌ من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ“

بجٹ اور اسلامی تعلیم و تبلیغ دینی تربیت

ایک بہت بڑی خامی جو ہمارے ملک کے بجٹ پر بدترین اور بدنما داغ ہے اور جو اس ملک کے قیام کے وقت وعدوں اور مقاصد سے غدّاری ہے وجہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیم دینی تربیت اور اسلامی اقدار کے فروغ پر کوئی بھی کما حقہٗ توجہ نہیں دی گئی ہے۔ تعلیم کے طویل باب میں ہمیں اسلام کی تعلیم اور تبلیغ کے لیے کوئی رقم مختص نظر نہیں آرہی۔ یہ ایک اہم ترین قومی اور نظریاتی ضرورت تھی کہ بجٹ کا آدھا نہیں تو ایک تہائی حصہ اسلامی تعلیم کے لیے مختص ہونا ضروری تھا بجٹ میں آرٹس کونسل جن کا کام رقص و سرود کی ترویج ہے۔ کے لیے تو لاکھوں روپے رکھے گئے۔ عہدِ جاہلیت کے آثار کے لیے عجائب گھر ہیں۔ جن پر لاکھوں روپے لگائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بدھ مت کے تہذیبی آثار کے لیے بھی ہم نے ۲۳ لاکھ روپے رکھے ہیں۔ مگر اسلام کی غربت کا یہ عالم ہے کہ ملک کے اندر تبلیغ و تعلیم اسلام کا کما حقہٗ انتظام نہیں۔ تو بیرون ملک اسلام کی تبلیغ کے نام جو زرمبادلہ دیا بھی جا رہا ہے تو عموماً اس سے وہی فرقہ نوازا جاتا ہے جو مسلمانوں اور عالمِ اسلام کے چودہ سو سالہ عالمگیر اخوت اور اتحاد کے لیے ضرب کاری بنا ہوا ہے پاکستان کا فتنۂ قادیانیت ہماری سرپرستی کی وجہ سے اور سالی وسائل کے ذریعہ دنیا میں پھیل رہا ہے ــــــ ہم وثوق سے کہتے ہیں اور اس میں ملک کا مفاد ہے کہ قادیانیوں کے رشتے اسرائیل اور بھارت سے ملے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ سوالات باقاعدہ اسمبلی میں داخل کیے تھے جنہیں مسترد کر دیا گیا۔ اقلیّت قرار دینے کے بارے میں میری قرارداد کو خلاف ضابطہ قرار دیا گیا۔

ہمارے ملک کو جو معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ مشرق و مغرب میں اقتصادی لحاظ سے نفرت بڑھ گئی اس میں اس منصوبہ بندی کا اہم حصہ تھا۔ جس کا سربراہ ہم نے ایک مرزائی ایم ایم احمد کو بنایا اور آج بھی لوگ ہماری افواج تک پر قابض ہیں۔

الغرض کفر وارتداد کے پھیلانے میں ہمارا سرمایہ اور وسائل تو خرچ ہو سکتے ہیں۔
(یہاں قادیانیت کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا کہ سپیکر صاحب نے تقریر کا سلسلہ سختی سے منقطع کرا دیا۔ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کو اپنی تقریر ختم کرنی پڑی)

قومی اسمبلی ۱۸ر جون ۷۴ء
رپورٹر اسمبلی

جون ۷۴ء بجٹ سیشن میں کی گئی تقریر

قادیانی مسئلہ پر مسلمانوں کی ترجمانی، بھارت کا ایٹمی دھماکہ، حلقہ انتخاب کے مسائل اور مشکلات،

قومی اسمبلی کے بجٹ سیشن کے دوران شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقریر مورخہ ۱۸ جون ۷۴ء کو اسمبلی نے جس شکل میں ضبط کیا اسی صورت میں پیش کی جا رہی ہے۔ (مرتب)

بھارت کا ایٹمی دھماکہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ——— مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے کہ نہ صرف اس طرف کے لوگوں نے صحیح تنقید کی ہے بلکہ حزب اقتدار نے بھی صحیح طرح سے بجٹ کے متعلق خیالات ظاہر کیے۔ بہر تقدیر اس وقت مجھے جناب سپیکر صاحب کا حکم ہے کہ اختصار سے کام لوں تو مجھے ایک چیز عرض کرنا ہے کہ اس وقت ملک کو ایک بہت بڑا اور اہم مسئلہ در پیش ہے۔ اور وہ اہم مسئلہ یہ ہے۔ ہندوستان کا ایٹمی دھماکہ کرنا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کے عزائم سوائے پاکستان کی تباہی کے اور کچھ نہیں۔ انھوں نے راجستان میں ایٹمی تجربہ کیا ہے وہ ہمیں اپنا تابع بنانے کے لیے اور دھمکانے کے لیے ہے اور ہندوؤں سے ہمیں کوئی توقع نہیں ہے اگر اسے موقع ملے گا۔ تو یقیناً وہ پاکستان کے اوپر جیسا کہ ہیروشیما پر بم گرایا گیا۔ اس بم کو اسی طریقہ سے استعمال کر دے۔ اس کے لیے بھی وہ تیار ہو سکتا ہے۔

کافروں سے معاہدوں پر بھروسہ بیکار ہے

ہمارے جناب عزیز احمد صاحب نے بیرونی ممالک میں جا کر بیان دیا ہے کہ جو اٹیمی ہتھیار کے مالک ملک ہیں ان سے ہم نے ضمانت لینے کی کوشش کی کہ یہ ایٹمی دھماکہ ہوا ہے۔ اس کی وہ ضمانت دیں کہ پھر اس طریقے سے دھماکہ جنگی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کریں گے مجھے یقین ہے کہ اگر امریکہ، برطانیہ، فرانس چاہے چین بھی اس کے ساتھ شامل ہو وہ ہمیں اطمینان دلا دیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ خدا نہ کرے اگر وہ وقت جنگ کا جو ۱۹۷۰ء میں آیا تھا۔ وہ وقت جب آئے گا تو نہ کوئی معاہدے نہ وہ ضمانتیں نہ وہ تحفظ ہمیں پھر ایٹمی دھماکے سے بچا ئیں گے۔ ہرگز نہیں وہ ضمانتیں کارآمد نہیں ہوں گی اور یقیناً دشمن اپنے حربے کو استعمال میں لائے گا اس کے لیے مجھے یہ گزارش کرنا ہے کہ اس کے لیے بجٹ میں جس قدر رقم مقرر کریں۔

جنگی منصوبوں کے لیے قوم کو اعتماد میں لیں

میں کہتا ہوں کہ چھ ارب کی بجائے بارہ ارب مقرر کریں۔ ہماری قوم مسلمان قوم ہے۔ یعنی پاکستانی قوم۔ یہ اسلام و دین کی خاطر مجھے یقین ہے کہ اگر مجھ جیسا ناقص آدمی اپنی قوم سے اپیل کرے کہ ہم ملک کے تحفظ کے لیے ایٹمی ہتھیار بنانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے ہمیں بارہ ارب روپے چاہئیں تو قوم بڑی سے بڑی قربانی دے دے گی۔ پاکستانی قوم کے احساسات یہ ہیں ان کو چودہ سو برس پہلے سبق پڑھایا گیا تھا۔ جبکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سب کچھ مال و متاع قوم کی خاطر پیش کر دیا۔ اور حضرت عمرؓ آدھا سامان لے آئے۔ ہماری قوم ان کے نقش قدم پہ چلتی ہے۔ یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہے اور خصوصاً ایٹمی ہتھیار بنانے کے لیے اور دوسرا ضروری اسلحہ بنانے کے لیے جتنی بھی رقم آپ کو چاہیے قوم دینے کے لیے تیار

ہو گی۔ میں کہتا ہوں کہ ہندو جیسی بزدل قوم نے بھوک برداشت کی، اور ایسی سختیاں برداشت کیں اور انہوں نے یہ دھماکہ کر لیا ہے۔ ہمیں تو ابتداء سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا تھا۔ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم یہ ٹھیک ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ہم معاہدے بھی کرتے ہیں۔ ہم اس کی مخالفت نہیں کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں ان معاہدوں پر قطعاً اعتبار نہیں ہے سختی کے وقت کوئی کام نہیں آئے گا۔ اور ہمارے ساتھ اگر کوئی طاقت ہو گی تو ایک چیز ہو گی اور وہ ہمارا ایمان ہو گا۔ تو ایٹمی ہتھیار نے قوم کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے تو ہمیں اس کے جواب میں تیاری کرنے پر جتنی رقم خرچ کرنا پڑے ہم اسے کل سے لینا شروع کر دیں تو قوم ہمیں شام سے پہلے دینے کے لیے تیار ہے

ہمارے ایٹمی منصوبے اور مرزائیوں کا کردار

شرط یہ ہے کہ جتنی رقم منظور ہو وہ خُرد بُرد نہ ہو قوم تب سستی نہیں کرے گی اور تب قربانیوں سے دریغ نہیں کرے گی بشرطیکہ اس سلسلے میں یقین ہو جائے کہ حکومت صرف باتیں کرنے والی نہیں بلکہ عمل کرنے والی بھی ہے اور یہ کہ قوم کو یقین ہو کہ ایٹمی اور فوجی پروگرام مرزائیوں کے ہاتھوں میں نہیں دیے جائیں گے۔ نہ انہیں ایسے کاموں کا سربراہ بنایا جائے گا۔ ہم ایسے لوگوں پر بھروسہ کریں جن کے مذہبی نقطہ نظر سے سرے سے جہاد حرام ہے بی بی سی بھی اعلان کرتا ہے کہ مرزائیوں کے عقیدے میں جہاد حرام ہے اور یہ انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہے۔

مرزائیت

دوپہر کے وقت ایک صاحب نے کہا کہ فلاں جماعت نے پاکستان اور قوم کے خلاف فلاں کچھ کہا۔ لیکن اس نے نام نہیں لیا تو قادیانیوں کا، جنہوں نے پاکستان کی مخالفت کی۔ ان کے مذہبی پیشوا مرزا بشیر الدین نے وصیت لکھی ہے کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے امانت کے

طور پر یہاں دفنا دینا۔ جب قادیاں متحد ہو گا، یہ پاکستان کے ساتھ ملے گا۔ تو میری لاش یہاں سے نکال کر قادیاں میں دفن کر دینا۔

جناب والا! میں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اس پاکستان میں سوائے مرزائیوں کے تمام مسلمان متفق ہیں۔ شیعہ مسلمان متفق ہیں۔ بریلوی مسلمان، دیوبندی مسلمان، سنّی اور حنفی مسلمان متفق ہیں۔ سب ایک ہیں، مگر دیکھو حقائق سے آنکھیں بند مت کرو۔ ریڈیو ہمارے پاس نہیں، اخبار ہمارے پاس نہیں۔ ٹیلی ویژن ہمارے پاس نہیں۔

قوم بیدار ہے مرزائی مسئلہ میں ہم قوم کی آنکھوں میں مٹی نہیں ڈال سکتے

آپ کو معلوم ہے کہ مجلسِ عمل میں علماء کی جماعت نے اعلان کیا کہ جمعہ کو کراچی سے پشاور تک پُرامن ہڑتال ہو گی اور انھوں نے یہ فرمایا کہ یہ ہماری اپنی حکومت ہے وہ یہ نہیں چاہتے ہیں کہ ملک میں بدامنی پیدا ہو یا کوئی نقصان ہو نہ ہی کسی قادیانی کی خونریزی ہو۔ اور نہ ہی کسی قادیانی کی دوکان کو جلایا جائے، لیکن میں اپنی حکومت کو یہ احساس دلانا چاہتا ہوں کہ یہ پاکستان کے باشندے تھے۔ چاہے یہ ریڑی والے تھے چاہے وہ تعلیم یافتہ تھے وہ جس خاندان سے اور جس صوبہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس پر متفق ہیں کہ ان مرزائیوں کی اس ملک میں سرگرمیاں ملک وملّت کے خلاف ہیں یہ لوگ دشمن کی جاسوسی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں جو کلیدی مناصب پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں اور ہم جس تباہی کی طرف جا رہے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟

ان باتوں کے بارہ میں اب ہماری قوم بیدار ہو چکی ہے ہم ان کی آنکھوں میں مٹی نہیں ڈال سکتے۔ ایک صاحب دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ یہ مولوی ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں مَیں عرض کروں گا کہ یہ صرف مولویوں نے نہیں کہا ہے بلکہ ہمارے وزیرِ اعظم صاحب نے کہہ دیا ہے کہ حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں مانیں گے

یہ تو وزیر اعظم نے کہا ہے کہ یہی میرا عقیدہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس ملک کے کل باشندے جہاد کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اور ہندوستان کے ساتھ جو کہ کافر ہے اسلام کے نام پر لڑنے کے لیے اور اس کی حفاظت کے لیے اور ملک کی حفاظت کے لیے اپنی جان و مال قربان کر دینے کے لیے تیار ہے

مرزائی مسئلہ پر ریفرنڈم ہو چکا ہے

جناب سپیکر صاحب! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ایک دبی ہوئی آواز پر کراچی سے لے کر چترال تک سارے ملک نے لبیک کہی۔ آج ہمارے ریڈیو اور ٹیلی وژن نے اپنی پالیسی نشر کی۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ہمارے ملک کے عوام نے قادیانیوں کے بارہ میں ریفرنڈم کر لیا ہے ووٹ دے دیے اور دیکھیے کہ جمعہ کو ہڑتال ہو گئی۔ پُر امن ہڑتال ہوتی اس میں یقیناً ایسے لوگ بھی ہوں گے جو غنڈے بھی تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ملک کی حفاظت کے لیے اپنی حکومت اور بھٹو صاحب کی اپیل پر کراچی سے لے کر پشاور تک کوئی ایسا واقعہ نہیں ہونے دیا ایک دو واقعات جو پیش آئے وہ مجھے معلوم ہے کہ اس میں پولیس کی زیادتی تھی۔ لوگ نماز پڑھ کر مسجد سے آ رہے تھے تو وہاں پولیس نے لاٹھی چارج کیا میں آپ سے عرض کر دوں کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ۱۹۷۰ء میں اتحاد کا نعرہ بلند کرنے والے علماء تھے اور اس جمعہ کے دن علماء ہی تھے جنہوں نے اشتعال نہیں دلایا پنڈی میں خدا کے فضل و کرم سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی واقعہ پیش آیا اور نہ ہی کوئی اور چیز ہوئی۔

آمریت ختم کرنیوالے علماء اور طلباء کی گرفتاری

لیکن بیس سے زیادہ علماء کو جیلوں میں بند کر دیا گیا اور اس طریقے سے طلباء یہ وہ طلباء ہیں

جن کی قربانی سے آمریت ختم ہوئی تھی ان کے اوپر دن دہاڑے حملہ کیا گیا۔ اگر ہماری غیرت ان کی حمیت کے لیے بیدار نہیں ہوتی تو کس موقع پر ہم ان کے کام آئیں گے۔ میں یہ کہتا ہوں سب قوم بالکل پُرامن ہے، لیکن قوم کے صحیح احساسات یہ ہیں جو اس قوم میں بُزدلی پیدا کرتے ہیں کہ جہاد حرام ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبی مانتے ہیں وہ ہمارے آئین اور دستور میں اسلام سے بالکل ایک الگ اُمت ہیں یہ صرف ہم مسلمان ہی نہیں کہتے بلکہ ان کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ ظفر اللہ خان قائد اعظمؒ کے جنازے میں شریک نہیں ہوتے اس نے کہا کہ مجھے کسی کافر حکومت کا مسلمان ملازم یا کسی مسلمان حکومت کا کافر ملازم سمجھ لیا جاوے میں آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ

جناب سپیکر صاحب —— مولانا صاحب! مختصر کریں۔

جناب عبدالحفیظ پیرزادہ —— مولانا صاحب! آپ کو اس کے لیے موقع ملے گا۔ آپ اس وقت بجٹ پر تقریر کریں۔

مولانا عبدالحق صاحب —— جناب والا میں اپنے علاقے کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

حلقہ انتخاب کی مشکلات اور مسائل

میں وزیر تعلیم سے یہ عرض کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس علاقے سے منتخب ہو کر آیا ہوں وہ علاقہ خٹک تحصیل نوشہرہ ہے۔ اس کی تقریباً سات لاکھ آبادی ہے۔ میں عرض کروں کہ ایک روپے کا دس چھٹانک آٹا آتا ہے اور وہ بھی آٹا پنجاب سے جاتا ہے۔ میرے خیال میں اگر اس کی آمدورفت بھی بند کر دی تو وہ بیچارے سات لاکھ آدمی بھوک سے مر جائیں گے۔ معلوم نہیں کہ سمگلنگ کون کرتا ہے۔ ہمارے اس علاقے میں تحصیل نوشہرہ جس میں اٹک پُل سے جنوب کو آپ جائیں تو دیکھیں پہاڑی سلسلہ جو کہ چراٹ تک چلا گیا

ہے۔ یہ سارا پہاڑی علاقہ ہے۔ اس علاقے میں نہ پانی ہے نہ سڑکیں ہیں اور نہ ہی کوئی ہسپتال اور ڈسپنسری ہے۔ نہ اس میں کوئی سکول ہے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اس وقت جب ایک روپے کا دس چھٹانک آٹا ہے اور وہ بھی بھوسہ ملا ہوا۔ اور وہ بھی ہمیں بمشکل ملتا ہے تو اپنی ترقیاتی سکیم میں ہماری اس تحصیل کے علاقہ خٹک کے جو رہنے والے ہیں ان کو شامل کر لیں اور میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارا ملک تب ترقی کر سکتا ہے۔ جب تمام رنجیدگیوں کو چھوڑ دیں اور خاص کر میں سپیکر صاحب سے عرض کروں گا کہ یہ جو ہمارے پندرہ بیس علماء بلاوجہ نظر بند ہیں میری یہ آواز وزیر داخلہ اور وزیر اعظم تک پہنچا دیں کہ ان کو رہا کر دیا جائے اور ان سے میں یہ بھی گذارش کروں گا کہ قوم کے احساسات بہت اچھے ہیں اور قوم اتحاد واتفاق پیدا کرنا چاہتی ہے۔ ان علماء کی گرفتاریوں سے کالجوں کے طلباء کی گرفتاریوں کی بجائے اور ۱۴۴ دفعہ کے نفاذ سے بدامنی اور بدنظمی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے آپ ان باتوں کو چھوڑ دیں اور سب کو رہا کر دیں۔ یہ مسئلہ قادیانیت بھی جیسا کہ وزیر اعظم نے وعدہ فرمایا تھا بہت جلد بل کی صورت میں قومی اسمبلی میں پیش کر دیں تو انشاء اللہ یہ مسئلہ جلد حل ہو جائے گا۔

قومی اسمبلی ۲۸ جون ۱۹۷۴ء

رپورٹر اسمبلی

قومی اسمبلی میں

حکومتی شعبوں کی ناقص کارکردگی، تہذیب و اخلاق کا دیوالیہ، اور دیگر اہم مسائل۔

قومی اسمبلی میں ضمنی بجٹ کے بارہ میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی تقریر مورخہ ۲۸ جون ۱۹۷۴ء اسمبلی کی ضبط شدہ شکل میں پیش کی جا رہی ہے۔ (مرتب)

مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک —— محترم سپیکر! ضمنی بجٹ میں کروڑہا روپے کے اخراجات ظاہر کیے گئے ہیں۔ ضمنی بجٹ حقیقت میں اس وقت پیش کیا جاتا ہے۔ جب ملک میں ناگزیر

حالات پیش آئیں یا ارضی اور سماوی آفات پیش آئیں، یا دشمن کا حملہ ہو اور اس پر حکومت خرچ کرے تو اس کی منظوری ایوان سے لینی چاہیے، لیکن یہاں دیکھا جاتا ہے کہ تقریباً ۱۵۰ مطالبات زر ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر محکمے اور شعبے میں زیادہ خرچ ہوا ہے اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ جس محکمہ اور عملہ نے عام بجٹ کی منصوبہ بندی کی تھی اس کو ہر شعبہ کی ضروریات معلوم نہ تھیں کہ اس کی ترقی کے لیے کون سی چیزیں چاہئیں۔ بس کچھ اعداد و شمار انھوں نے لکھ دیے اور جب حقیقت سامنے آئی تو زیادہ خرچ کرنا پڑا۔ تو اگر یہ صورت ہے کہ عام بجٹ بناتے وقت حکومت کو ضروریات اور ترقی کے لیے پروگرام معلوم نہیں تھے تو یہ اس محکمے کی ناکامی اور نالائقی ہے۔

اور اگر اس بناء پر زائد خرچ کیا گیا ہے کہ چاہے عام بجٹ ایوان نے جتنا بھی منظور کیا ہے۔ ہم بغیر اس کے لحاظ کیے ہوئے جتنا چاہیں خرچ کریں اور ہم کو کرنا چاہیے اور حکومت ایوان سے اس کی منظوری لے لے گی۔ اگر میرا خیال ہے تو یہ ایوان کی بالادستی کے خلاف ہے۔ ضمنی بجٹ کے متعلق گذارش یہ ہے کہ جو ضروری خرچ ہو وہ تو حکومت کرتی رہے، لیکن غیر ضروری اخراجات کی منظوری پہلے اس ایوان سے لے اور منظوری لیے بغیر یہ اخراجات نہ کرے۔ اس طرح اس ایوان کی بالادستی بھی قائم رہے گی باقی میں چند چیزوں کے متعلق عرض کروں گا۔ ایک تو یہ کہ سیلاب کے متعلق اور آفات سماوی کے متعلق جو رقوم خرچ کی گئی ہیں اور ان کو یہاں ظاہر کیا گیا ہے۔ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ صوبہ پنجاب یا صوبہ سندھ یا ملک کے کسی بھی حصے میں جہاں سیلاب نے تباہ کاریاں مچائیں تھیں۔ اس کے لیے حکومت نے جو خرچ کیا ہے وہ بہت مناسب ہے بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس ضمنی بجٹ میں اگر اس سے زیادہ بھی ضرورت ہو تو ہم اس کے لیے بھی منظوری دینے کو تیار ہیں، لیکن اس پر غور کرنا ہے کہ پنجاب یا سندھ میں جو اخراجات ہوئے ہیں یہ تو اس ایوان کے دائیں جانب یا بائیں جانب بیٹھے ہوئے ممبران صاحبان کو ہی معلوم ہوں گے۔

تحصیل نوشہرہ کے سیلاب زدہ علاقوں سے انصاف نہیں ہوا

جناب میں یہ گزارش کروں گا کہ جس علاقے سے میں منتخب ہوا ہوں، تحصیل نوشہرہ۔ وہاں کے علاقے اکوڑہ، پبی، خٹک، نظام پور کے پہاڑوں سے نالیاں آئیں اور ان کی وجہ سے بڑے مکانات تباہ ہوئے اور دکانیں تباہ ہوئیں اسی طرح زمینوں کو سیلاب نے ضائع کیا اس کے لیے ہم نے درخواستیں دیں، سروے بھی ہوا، لیکن اس کا کوئی تدارک نہیں ہوا یہ ٹھیک ہے کہ جو سیلاب عام طور سے پنجاب میں آیا یا سندھ میں آیا تھا۔ اس کے اوپر جتنا خرچ ہوا وہ جائز خرچ ہے بلکہ اس سے زیادہ خرچ کرنا چاہیے، لیکن اس کے باوجود جو دوسرے سیلاب زدہ علاقے ہیں ان کے اوپر توجہ نہیں دی گئی۔

جنگلات کا ناجائز استعمال

اس کے علاوہ اس ضمنی بجٹ میں تحفظ اشجار کے متعلق زائد اخراجات دکھائے گئے ہیں۔ اس کے متعلق میں مختصراً عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سرکاری جنگلات اور سرکاری اشجار کے ساتھ جو معاملہ ہوا ہے وہ حکومت کے علم میں ہے۔ اگر اشجار کا تحفظ حکومت نہیں کر سکتی تو پھر ان کے لیے زیادہ اخراجات طلب کرنے کی منظوری نہیں دینی چاہیے۔

جشن آئین کے نام پر سفارتخانوں کی عیاشیاں

دوسری بات میں یہ عرض کروں گا کہ وزارتِ خارجہ کے اخراجات اس ضمنی بجٹ میں دکھائے گئے ہیں۔ میں وزارتِ خارجہ کے شعبے سفارتخانوں میں جشن آئین منانے کے لیے اخراجات بھی اس میں بتائے گئے ہیں۔ میں اس کے متعلق پوچھ سکتا ہوں کہ اس میں سے کتنا روپیہ جشن آئین پر خرچ ہوا۔ یہ اگر شراب کے اوپر خرچ ہوا ہے۔ تو میں اپنے اسلامی ملک کی اس اسمبلی سے

یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ ان اخراجات کی منظوری دے گی۔

سرکاری تقریبات اور شراب نوشی

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ لنکا میں ہمارے سفارتخانے نے آئین کا جشن منانے کی دعوت دی اور شراب سے تواضع کی گئی اور وہاں سے غیرت مند لوگ واک آؤٹ کر کے چلے آئے تو ایسے اخراجات جو جشن آئین کی تقریب میں شراب پہ ہوئے اس کی ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے اجازت نہیں دے سکتے اس کے علاوہ اس ضمنی بجٹ میں وزارت سیاحت کے لیے اخراجات طلب کیے گئے ہیں۔

وزارتِ سیاحت اور ہپی ازم

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ میں نے ایک سوال کیا تھا یہاں کہ اس ملک میں کتنے ہپی داخل ہوئے مجھے جواب ملا کہ ہمیں ان کی تعداد معلوم نہیں مجھے معلوم نہیں کہ ہپیوں کی وجہ سے سیاحت کو فروغ حاصل ہوا ہے یا نہیں، لیکن یہاں وزارتِ سیاحت کو یہ معلوم ہی نہیں کہ کتنے ہپی ملک میں داخل ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ ہپیوں کی وجہ سے ہماری سیاحت کو فروغ حاصل ہوا ہے یا نہیں، البتہ ہپیوں کی وجہ سے ہمارے اخلاق و آداب کا جنازہ نکل گیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جتنی نوجوان نسل ہے۔ ان کی ہپیوں جیسے لمبے بالوں سے غمازی ہوتی ہے کہ یہ پوری نسل ہپیوں کی تمام عادات اپنانے کے راستے پر نکل پڑی ہے تو میں کہتا ہوں کہ ایسی وزارتِ سیاحت جو کہ ہمارے لیے باہر سے دوسروں کی عادات و اطوار برآمد کر رہی ہے اجنبی تہذیب و تمدن لانا چاہتی ہے۔ ہم اس کے اخراجات کے لیے کیسے منظوری دیں اور یہ کہ اس کے لیے زیادہ اخراجات بھی منظور کیے جائیں۔

محکمہ تار ٹیلیفون کی کارکردگی

جناب والا! محکمہ تار اور ٹیلی فون کے لیے اور زیادہ اخراجات مانگے گئے ہیں۔ اس کی بابت میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ ایک تار مجھے ایک حاجی نے بھیجا اس میں لکھا کہ میں فلاں ٹرین میں آرہا ہوں۔ حاجی اسٹیشن پر پہنچ گیا، سامان اس کے پاس تھا گھر پہنچ گیا اور تار اس کے بعد پہنچا۔ حالت یہ ہے کہ تین تین دن کے بعد موت اور زندگی اور کاروباری تاریں پہنچتی ہیں تار کا محکمہ بالکل فیل ہو چکا ہے ٹیلی فون کی حالت یہ ہے اور آپ معلوم کر سکتے ہیں۔ صبح سے عصر تک بیٹھے رہیں تو پھر بھی جواب نہیں ملتا تو بہرحال تار اور ٹیلی فون کے محکمہ کا انتظام صحیح نہیں ہے اس کو کسی طریقے سے صحیح کریں۔

ہمارے سائنس دان کیا کر رہے ہیں

اس کے علاوہ وزارت سائنس کے لیے ضمنی بجٹ میں اور رقم مانگی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ وزارتِ سائنس کے لیے روپے دیں، لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وزارت سائنس نے کیا کیا ہے۔ بھارت نے ایٹم بم بنا لیا۔ اور اب ہائیڈروجن بم بنانے کا اعلان کیا ہے۔ تو ہمارے سائنس دان کیا کر رہے ہیں۔ ہم زیادہ پیسے دینے کو تیار ہیں، مگر وہ اس ضمن میں کچھ کام بھی تو کریں ہمیں مادی لحاظ سے بھی دشمن کے مقابلے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ وزارتِ سائنس نے اب تک اس سلسلے میں کوئی خاطر خواہ کام نہیں کیا۔

تحصیل نوشہرہ اور کم ترقی یافتہ علاقوں سے بے انصافی

اس کے علاوہ وزارتِ خوراک وزراعت کے لیے کم ترقی یافتہ علاقوں کے لیے زیادہ

رقم مانگی ہے۔ مجھے پورے علاقوں کا پتہ نہیں ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ اٹک کے پل سے نوشہرہ تک۔ اور نظام پور کے علاقوں میں پانی اور آبنوشی کا کام بالکل ناقص ہے۔ نہ ٹریکٹر دیئے گئے ہیں نہ ٹیوب ویل۔ ان علاقوں میں بجلی نہیں ہے۔ نوشہرہ نظام پور، اکوڑہ میں جو کہ کم ترقی یافتہ علاقے ہیں۔ ان کو ترقی دیں اور وہاں کے غریب لوگوں کی بہبود کے لیے کچھ کام کریں۔

خاندانی منصوبہ بندی پر رقم ضائع ہو رہی ہے

جناب والا! فیملی پلاننگ کے لیے زیادہ رقم مانگی گئی ہے۔ اس پر بیشتر ممبران نے تقریریں کی ہیں۔ فیملی پلاننگ کے محکمہ کے افراد دوائیں پانی میں ڈال دیتے ہیں اور ان کو ضائع کیا جاتا ہے اور اس کے لیے اور رقم مانگی گئی ہے۔ اوّل تو میں ایک عالم کے لحاظ سے اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ پھر اس کی قطعی ناکامی اور عدم افادیت کی وجہ سے میں نے پچھلے بجٹ میں تقریر کے موقع پر کہا تھا اور اب پھر کہتا ہوں کہ اس کو رقم دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

ہمیں جاہلیت کے آثارِ قدیمہ سے کوئی دلچسپی نہیں

آثارِ قدیمہ کے متعلق رقم مانگی گئی ہے۔ اس کے متعلق میں عرض کروں گا۔ کہ آثارِ قدیمہ تو مسلمانوں کے ہونے چاہئیں نہ کہ راجہ داہر کے بت کی حفاظت کی جائے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم مسلمانوں کے آثارِ قدیمہ کی حفاظت کریں اور ان کو محفوظ رکھیں۔ محمود غزنوی نے سومنات کا بت توڑ دیا تھا۔ آپ ہندوؤں کے بتوں کی حفاظت کے لیے رقم مانگتے ہیں۔ محمود غزنوی نے خواب میں دیکھا کہ سومنات کا بت توڑ دینا چاہیے تو انہوں نے حملہ کر کے اسے توڑ دیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ یہاں بت خانے نہیں ہوں گے۔

جناب والا! میں آثار قدیمہ کے خلاف نہیں ہوں کہ آثار قدیمہ کی حفاظت ہونی چاہیے، لیکن جاہلیت کے آثارِ قدیمہ جو ہیں ان کی حفاظت کے نام پہ اخراجات میں اتنے اضافہ کا روادار نہیں ہوں۔

جنرک سکیم

میڈیکل کے لیے رقم مانگی گئی ہے میں کہتا ہوں کہ ہمارے وزیرِ صحت کے بیان کے مطابق جنرک سکیم کے تحت دوائیں سستی ہو گئی ہیں تو مجھے اس کے لیے زیادہ اخراجات منظور کرنے کی بات سمجھ نہیں آتی۔ جب دوائیں سستی ہو گئی ہیں تو اخراجات میں اضافہ کیسے ہو رہا ہے۔

میری گذارش ہے کہ وزارتِ صحت اس سلسلے میں ایسے اقدام کرے کہ واقعی دوائیں سستی ملیں۔ ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کی حالت بہتر بنائیں۔

جناب والا! حالت یہ ہے کہ ہسپتالوں میں دوائیں نہیں ملتیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ حقیقت ہے کہ اس کے لیے آپ ضمنی بجٹ میں جتنا روپیہ بھی زیادہ کر دیں پھر بھی غریب لوگوں کو دوائیں نہیں ملیں گی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے اقدامات کریں جس سے عوام کو دوائیں سستے داموں ملیں میں نے یہی آپ کی خدمت میں عرض کرنا تھا۔

قومی اسمبلی میں

اسلامی ملک کا بجٹ اور غیر اسلامی خدوخال

▲عوام کی بنیادی ضروریات اور حکومت کی ذمہ داری ▲سادگی اور کفایت شعاری ▲خاندانی منصوبہ بندی ▲شراب ▲جوا ▲اسلامی تعلیم و تبلیغ

> قومی اسمبلی کے ––– بجٹ سیشن ––– ۱۷ جون ۱۹۷۶ء بروز جمعرات حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے حسب ذیل خطاب فرمایا جو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے مرتب کر لیا گیا آپ نے یہ تقریر بوجہ ضعف و علالت بیٹھ کر فرمائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ––– نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

محترم سپیکر صاحب! میں کچھ عرصہ سے قلب کے عارضہ میں مبتلا ہوں اور حزب اقتدار و حزب اختلاف کے محترم و معزز ارکان بجٹ پر مفصل اظہار خیال کر چکے ہیں اور کریں گے۔ میں اصولی طور پر ایک بات عرض کروں گا کہ ہمارے اور دیگر پارلیمانی ملکوں کے بجٹ میں فرق ہے دیگر قومیں عوام کی خواہشات اور اپنے حالات کے مطابق بجٹ بناتی ہیں۔

<u>کیا قیام پاکستان کا مقصد صرف کرسیاں تھیں؟</u> اور یہ پاکستان جو ہے اس کی بنیاد میں ایک نظریہ تھا اور یہ ایک مقصد کی خاطر بنایا گیا تھا، اور وہ یہ کہ یہاں اسلام کی حکمرانی ہوگی اس کا مقصد صرف چند کرسیوں میں اضافہ کرانا نہیں تھا کہ چند کرسیاں ہمیں مل جائیں گی اور نہ صرف اس لئے پاکستان بنایا گیا تھا کہ ہم یہاں نماز پڑھ سکیں یا روزہ رکھ سکیں یا حج جانے پر پابندی نہ ہوگی اور نماز روزہ حج کی بھی ہمیں ہر حالت میں پابندی کرنی ہے مگر یہ چیزیں ہم پاکستان نہ بنتا تب بھی کر سکتے تھے، اور یہ سب عبادتیں اب بھی ہندوستان میں کر سکتے ہیں اور اس وقت بھی کر سکتے تھے، نہ اس کی بنیاد کوئی جغرافیائی اور اقتصادی تھا۔ اور یہ مقصد اتنا واضح ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں اسی خاطر ملک تقسیم ہوا، پاکستان بنا کہ یہاں اسلام کی حکمرانی ہوگی یہاں اسلامی طرز حکومت ہوگی، یہاں دستور اسلامی ہوگا اور دستور اسلامی کا

معنی یہ کہ اوّل سے لے کر آخر تک جتنے امور ہیں وہ سب خدا کے قانون کے مطابق ہوں گے۔ یہ ہے مقصد اگر اس نمونہ کو ہم یہاں قائم کر دیں تو حقیقت یہ ہے کہ دنیا اس سے ضرور متاثر ہو گی۔

عوام کو بنیادی ضروریات کی فراہمی | تو اسلامی دستور کے لحاظ سے بحث میں بھی اس کا لحاظ رکھنا ہے کہ جتنے بھی اشیائے صرف ہیں، بنیادی ضروریاتِ زندگی اس کی کفالت حکومت کرتی ہے اور وہ سب کے لئے مہیا کرتی ہے، آپ فرمائیں گے کہ یہ تو بہت بڑا دعویٰ ہے۔ مگر میں ایک دو واقعے پیش کروں گا، ایک واقعہ تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ خلیفہ بنے تو رات بھر تہجد پڑھتے اور روتے رہتے بیوی نے پوچھا کہ لوگ کرسی پر بیٹھ کر خوش ہوتے ہیں اور آپ کا کام ہر وقت رونا ہے اور کچھ نہیں، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا بیوی آپ کو کیا معلوم قیامت کا دن آنے والا ہے۔ خدا تعالیٰ خود حاکم اور قاضی ہوں گے اور حضور اقدس ؐ دعویٰ فرمادیں گے، تو مجھ پر اگر وہ یہ دعویٰ کریں کہ اے عمر بن عبدالعزیزؒ چند دن کی یہ حکمرانی قوم کی اللہ نے آپ کو دی تھی تمہاری نگرانی میں ایک شخص نے ایک رات جیل میں بلاوجہ کیوں کاٹی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم اگر کسی اونٹ کو خارش کی بیماری ہو اور اس کی مالش کے لئے تیل اور دوائی نہ ملے تو عمر مسئول ہو گا، اور اس سے پوچھا جائے گا۔

تو جناب سپیکر صاحب! اس سے اندازہ لگائیں کہ اسلامی دستور نے ملک کے تمام باشندوں کی کتنی رعایت کی، نہ صرف انسانوں کی بلکہ حیوانوں کی بھی۔

عوام کی مشکلات اور حکومت کا فرض | پھر عوام کے حقوق پورے کرنے میں یہ بھی گذارش کر دوں کہ حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ خود رعایا کے حالات اور مشکلات سے اپنے آپ کو باخبر رکھے تب یہ کام چلے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا طریقہ یہ تھا کہ رات کو گشت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ رات کو گشت کر رہے ہیں، ایک بڑھیا خیمہ میں ہے اور چند بچے اس کے ساتھ ہیں وہ رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا، تو جواب میں کہا کہ ان کے کھانے کو کچھ نہیں، یہ بھوک سے رو رہے ہیں اور ہم اس لئے آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہو کر اپنی حالت بیان کر دیں، تو حضرت عمرؓ خود جا کر بیت المال سے کھانے پینے کا سامان اٹھا لائے اور اسلم ان کے ساتھ ہیں، ان کے غلام ہیں وہ عرض کرتے ہیں کہ حضرت مجھے دیجئے میں لے جاؤں گا، فرمایا قیامت کے دن تجھ سے نہیں پوچھا جائے گا مجھ سے پوچھا جائے گا میں

امیرالمومنین ہوں تو مجھ سے پوچھا جائے گا، اسلم فرماتے ہیں کہ مجھے وہ بوری آپ نے دی جا کر خود روٹی پکائی، ہانڈی پکا کر برتن میں ڈال کر بچوں کو کھلایا۔ اس کے بعد بڑھیا کی زبان سے ایک بات نکلی کہ کل قیامت کے دن ہمارا ہاتھ ہو گا اور حضرت عمرؓ کا گریبان ہو گا ہم اس کو گریبان سے پکڑیں گے کہ ہم کیوں بھوکے رہے حضرت عمرؓ کانپ اٹھے اور فرمایا کہ بڑھیا تم جو عمرؓ کی شکایت کرتی ہو کیا تم نے ان کو کوئی درخواست دی ہے، خبردار بھی کیا، تم نے ان کو اطلاع بھی دی، بڑھیا نے کہا ہم نے تو کوئی اطلاع نہیں دی۔ تو فرمایا کہ پھر قیامت کے دن کیسے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالو گی۔ بڑھیا نے کہا کہ امیرالمومنین کا یہ فرض ہے، حکومت کا یہ کام ہے کہ وہ خود معلوم کرے کہ ملک میں کتنی غربت ہے، کتنا افلاس ہے؟ کون بھوکے ہیں؟ یہ امیرالمومنین کا فرض ہے، اگر وہ یہ فرض ادا نہیں کر سکتا تو امیرالمومنین کے منصب سے مستعفی ہو جائیں جب قوم کے حالات سے وہ باخبر نہیں تو اسے کیا ضرورت ہے کہ ایسے نازک منصب پر بیٹھا رہے۔ تو گذارش ہے کہ اس وقت ہمارے عوام کی حالت بہت خراب ہے وہ مہنگائی کا شکار ہیں۔

اضافہ مہنگائی کے بارہ میں تضاد بیانی | اور یہ ہمارے وزیر خزانہ صاحب نے جو یہ خوشخبری دی کہ اس سال نرخوں میں ۵ فیصد سے زیادہ اضافہ نہیں ہوا تو حکومت کے اقدامات خود اسی دعویٰ کی تردید کرتے ہیں حالانکہ سیمنٹ کی قیمتیں حکومت نے پچھلے دنوں بڑھائیں، ریلوے کے کرایوں میں اضافہ کیا گیا۔ ہوائی جہاز کے کرایوں میں اضافہ کیا گیا، بجلی اور سوئی گیس کے نرخوں میں اضافہ کیا گیا۔ یہ اضافے ۳۰ فیصد حکومت لے گئے اور اب کہا گیا کہ مہنگائی میں ۵ فیصد اضافہ ہوا ہے، جب کہ قوم کی حالت یہ ہے کہ اسے اشیائے صرف نہیں ملتیں۔ پنڈی میں گھی نہیں ملتا۔ صوبہ سرحد جائیں وہاں گھی نہیں ملتا سیمنٹ کا یہ حال ہے کہ ایک ایک بوری کے لئے لوگ ترستے ہیں اور ڈبل قیمت پر خریدتے ہیں تو یہ حقیقت ہے کہ مہنگائی اس وقت بہت زیادہ ہے۔

محترم سپیکر صاحب! ہمارے بجٹ میں ایسی تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں کہ ہم کسی طرح عوام کی بھوک اور افلاس کو دور کر سکیں۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ غیر ترقی یافتہ علاقوں اور خطوں کے اندر انڈسٹری اور کارخانے قائم کئے جائیں کہ وہاں کے لوگوں کو مزدوری ملے۔

میرے حلقہ کی حالت | میں جس حلقہ سے منتخب ہوا ہوں یعنی حلقہ نوشہرہ، اسکا ایک علاقہ خٹک

کے نام سے مشہور ہے، اٹک کے پل سے لے کر جہاٹ تک اور اٹک سے نظام پور تک پہاڑی علاقہ ہے۔ پہاڑ ہی پہاڑ ہیں، دونوں طرف ہزاروں کی آبادی اور دیہات ہیں، مگر اس علاقہ میں نہ پانی ہے نہ ہسپتال کا بندوبست ہے کبھی پنجاب سے آٹا آتا ہے تو مہنگے داموں اسے خریدتے ہیں اور گزر اوقات کرتے ہیں۔ میں نے پہلے بھی بار بار کہا تھا کہ اگر اس علاقے کا سروے کیا جائے۔ اگر وہاں سیمنٹ کے کارخانے ماچس کے کارخانے قائم کئے جائیں تو اس طرح وہاں کے غریبوں کے لئے روزی کی ایک سبیل نکل آئے گی۔ حکومت اور پاکستان کا بجٹ اسلامی دستور کے ماتحت ہونا چاہیئے اور اس کی ذمہ داری ہونی چاہیئے کہ عوام کو ضروری اشیاء فراہم کر سکے۔

کفایت شعاری اور سادگی دوسری بات یہ عرض ہے کہ کفایت شعاری، سادگی بڑی ضروری ہے۔ ہمارے خسارے اس وقت تک دفعہ نہیں ہوں گے جب تک ہم فضول مسرفانہ اخراجات میں کمی نہیں کریں گے۔ اور جیسا کہ رات پروفیسر غفور احمد صاحب نے گذشتہ سال اور اس سال کے اخراجات کا تفاوت اور اضافہ پیش کیا۔ مگر ہمارے سامنے تو اسلامی حکومت اور اسلامی دستور کے نمونے موجود ہیں حضرت عمرؓ جب بیت المقدس فتح کرنے جا رہے تھے تو جسم مبارک پر جو لباس تھا اس میں بارہ ٹکڑے لگے ہوئے تھے، اور وہ فلسطین، شام، بیت المقدس فتح کر رہے ہیں اور ایک دن حضرت عمرؓ بیٹھے ہیں ایک مہمان آیا تو چراغ بجھا دیا، مہمان جب اٹھ کر جانے لگا تو چراغ جلا دیا، مہمان نے پوچھا حضرت یہ کیوں؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں سرکاری کام کرنے یہاں بیٹھا ہوا ہوں اور یہ چراغ میں جو تیل ہے۔ یہ بھی بیت المال کا ہے تم جو یہاں آئے ہو میرے پاس تو آپ کا کام سرکاری نہیں، ذاتی کام ہے تو اب اگر تم نے مثلاً دس پندرہ منٹ یہاں لگائے تو اس میں جو تیل جلے گا بیت المال کا تو اسکی جوابدہی مجھے دینی پڑے گی۔ حضرت عمرؓ جو شام کے قیصر اور کسریٰ کے خزانوں کے مالک ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ وہ جو کی روٹی بغیر چھنے ہوئے کھا رہے ہیں، گورنر شام بھی ساتھ بیٹھے ہیں انہوں نے کہا حضرت شام میں تو آٹا اچھا ملتا ہے اور بہت ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ بتلاؤ کہ میرے ملک کا غریب سے غریب جنگل کا رہنے والا، دور پہاڑوں کا رہنے والا اس کو بہتر آٹا ملتا ہے میدے کا آٹا، گندم کا آٹا ملتا ہے، کہا نہیں، یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ فرمایا جب تک میں ملک کا حاکم ہوں اس ملک کا آخری غریب بھی جو کھائے گا میں بھی وہی کھاؤں گا۔ یہ کفایت شعاری اور یہ حالات

تھے، تو میرے خیال میں ہمیں بھی کفایت شعاری پر زور دینا چاہیئے اور اخراجات کو کم کرنا چاہیئے ایک اور بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہمارے آمد و خرچ کی جو مدات ہیں مصارف اور آمدنی، تو اس میں بھی ہم آزاد نہیں ہیں۔ اور دیگر پارلیمانی ملکوں کی طرح نہیں ہیں، وہ تو عوام کی خواہشات اور حالات کو دیکھتے ہیں، ہم عوام کو بھی دیکھیں گے اور حالات کو بھی دیکھیں گے اور ساتھ ہی قرآن و سنت کو بھی، اور اللہ تعالےٰ جو حاکم ہے اس کو بھی دیکھیں گے کہ یہ اقدام ہم کریں یا نہ کریں، تو ہمارے اور دوسرے کے بجٹ میں فرق ہے۔ تو وہ جمہوری نام سے عوامی نام سے جس طریقہ پہ چاہیں کر سکتے ہیں۔

اب ہمارے بجٹ میں آمد و خرچ کے بعض ایسے مدات ہیں، مثلاً خاندانی منصوبہ بندی جس کے لئے کروڑوں روپے رکھے گئے ہیں۔ تو ہم اس میں اوروں کو نہ دیکھیں کہ ہندوستان میں خاندانی منصوبہ بندی ہے۔ انگلینڈ اور یورپ میں ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ ان کے عقیدے اور ہمارے عقیدے میں فرق ہے۔ ہمارے عقیدے میں اللہ رازق ہے اور خاندانی منصوبہ بندی اللہ تعالےٰ کو ایک چیلنج ہے کہ آپ نے تو وعدہ رزق دینے کا کیا تھا اور یہ لوگ تو بھوکے مر رہے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ افرادی قوت کو بڑھاؤ تناکحوا وتوالدوا فانی مکاثر بکم الامم یوم القیامۃ تو ہم دوسرے ملکوں پر نظر نہ ڈالیں کہ وہ اپنی افرادی قوت گھٹا رہے ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ یہ تو پاکستان ہے، ہمارا ملک اسلامی ریاست کہلاتا ہے، ہمارا مذہب اسلام ہے۔ تو ہمیں ہر بات میں قرآن کو دیکھنا ہے کہ اس نے کسی چیز کو ناجائز تو نہیں کہا اور ہم نے ناجائز کو جائز تو نہیں کہا۔

<u>شراب اور جوا</u> دوسری بات یہ کہ جوا کے لئے گھوڑ دوڑ پہ ٹیکس بڑھا دیا، اور شراب کے اوپر ٹیکس بڑھا دینے سے بات نہیں بنتی، بے شک ان ٹیکسوں سے آمدنی تو ہوگی، مگر جیسا کہ کنوئیں میں ایک قطرہ پیشاب کا ڈال دیں تو سارا کنواں پلید اور سارا پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ پاکستان کے پاک خزانے میں شراب کے ٹیکسوں اور جوا کے ٹیکسوں کی آمدنی تو آپ شامل کر لیں گے مگر یہ آمدنی سب مالیات کو بے برکت اور پلید کر دے گی۔ اللہ تبارک و تعالےٰ فرماتے ہیں انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم ترحمون۔ یہ شراب اور یہ جوا اور یہ تیروں سے قرعے ڈالنا یہ سب شیطانی کام ہیں۔ فاجتنبوہ۔ تم

اس سے رُک جاؤ چار دفعہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہ شراب بند کر دو۔ اور خدا کی قسم اگر آپ قوم سے کہہ دیں کہ ہم نے تمام ناجائز آمدنی اور ٹیکس ختم کر دیئے اور نہیں اس کے بدلے کنوئیں سے نکالے جانے والے پانی پر بھی حکومت کو ٹیکس دینا ہوگا۔ تو قوم میں اتنا احساس ہے اتنی بیداری ہے کہ قوم خوشی سے وہ خسارہ بھی پورا کر دے گی۔

معاشی اصلاح معاشرتی اصلاح پر موقوف ہے | ایک بات مزید عرض ہے کہ ہماری معاشی حالت بہت بہتر ہو گی کہ معاشرتی اصلاح ہو جائے اور معاشرتی اصلاح تب ہو سکتی ہے کہ معاشرہ کی حالت بہتر ہو معاشرتی اصلاح ہو اور معاشرتی اصلاح اور حالت تب بہتر ہو گی۔

اسلامی تعلیم و تبلیغ | ہمارے اندر دین کی تعلیم اور تبلیغ ہو تو میں یہ عرض کروں کہ کروڑوں روپیہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر لگایا جا رہا ہے اور ٹیکس میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اس سال بھی تو ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم ان ذرائع سے قوم کی اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ الغرض معاشرہ کی اصلاح ضروری ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں راشی ہے، کوئی کہتا ہے کہ ظالم ہے، کوئی کیا اور کوئی کیا کہتا ہے، تمام معاشرتی برائیوں کو بیان کرتے رہیں مگر معاشرتی خوبیاں تو تب آئیں گی کہ اسلام آجائے اور اسلام تب آئے گا کہ تعلیم اسلام کی ہو تبلیغ اسلام کی ہو۔ اور یہاں نہ تبلیغ کے لئے کچھ ہو نہ تعلیم کے لئے، تو معاشرہ درست کیسے ہو گا۔ آپ کتنے راشیوں کو پکڑیں گے۔ قوم کی قوم خراب ہو چکی ہے اور معاشرتی حالت درست ہو تو معاش خود سدھر جائے گا۔

حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرو غمخواری کرو۔ تو وہاں اس تعلیم کی برکت سے یہ حالت ہو گئی کہ پورے ملک میں زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا تو ہمیں معاشرہ کی اصلاح کے لئے دینی تعلیم اور تبلیغ پر بھی توجہ دینی چاہیئے۔ (۱۷ جون ۱۹۷۷ء)

قومی اسمبلی
۲۰ رجون ۱۹۷۳ء

بجٹ کے مطالبات زیر بحث

ملازمتوں کا معیار اہلیت و قابلیت

ملازمین کی تقرری اور ترقیوں میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا جائے

مولانا عبد الحق : مطالبہ زر[۱] ملازمتوں کے لیے اہلیت تعلیمی معیار اور قابلیت ضروری ہے تو گذارش ہے کہ حکومت ایک مشین ہے اور اس کا ہر کل پرزہ اپنی جگہ پر فٹ ہو اور درست کام کرے تب کام چلتا ہے۔ یہی اصول ملازمت کا ہونا چاہیے ہر شخص کو جو مناسب اور موزوں ہو وہی کام دینا چاہیے اگر کسی میں اہلیت اور قابلیت نہ ہو اور اسے کسی اہم عہدہ پر فائز کر دیا جائے تو وہ کبھی بھی صحیح کام نہیں کر سکے گا

تو قابلیت اہلیت اور صلاحیت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اخبارات میں شرائط قابلیت اور مطلوبہ ڈگریوں کا اعلان کرا دیا جاتا ہے مگر یہ شکایت عام ہے کہ بھرتی میں سفارش اور سیاسی مصلحتوں کو ترجیح دے دی جاتی ہے اور کم اہلیت والوں کو لے لیا جاتا ہے تو میں حکومت کی خدمت میں اعتراض سے نہیں اصلاح کی نیت سے عرض کرتا ہوں کہ روشن دماغ اعلیٰ دماغ کے حامل افراد کو موقع دینا چاہیے اگر قابلیت اور اہلیت کا لحاظ نہ ہو تو نتیجۃً اعلیٰ تعلیم والے مستحق افراد بیرونی ممالک میں ٹکرے مارتے پھریں گے حکومت خود تعلیم یافتہ افراد کی حوصلہ افزائی نہیں کرے گی تو تعلیم کی وقعت ختم ہو جائے گی کہ سفارش ہی سب کچھ ہے۔ اب انٹرویو بھی ہوتے ہیں اخبارات میں بھی آجاتا ہے مگر جن کو لینا ہوتا ہے سب سے پہلے ان سے آسامیاں پُر کر لی جاتی ہیں۔

۲۔ دوسری گذارش یہ ہے کہ برسر روزگار افراد کی ترقیاں حسن کارکردگی کی بناء پر ہونی چاہئیں یہ شکایت بھی عام ہے کہ جن کی مدت ملازمت سینیارٹی اور حسن کارکردگی ہر لحاظ سے بہتر ہو، مگر

[۱] مباحث اسمبلی ۷۳ء/۲۱ ص ۱۶۰۹ تا ۱۶۱۱

جو منظور نظر ہوتے ہیں انہیں آگے بڑھا دیا جاتا ہے اور مستحق افراد کو حیلوں بہانوں سے انفٹ کر دیا جاتا ہے تو یہ حق تلفی نہیں ہونی چاہیے۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہماری حکومت دعویٰ کرتی ہے کہ غیر ترقی یافتہ صوبوں سرحد اور بلوچستان یا دیہات کے لوگوں کو خاص ترجیح دی جائے گی۔ مگر ان علاقوں کے لوگ وسائل نہ ہونے کی وجہ سے ترقیوں سے محروم رکھے جاتے ہیں ایک وزیر صاحب کے پاس ایک محکمہ میں آٹھ سو کلاس ون افسر اور ملازم ہیں مگر اس میں صوبہ سرحد سے صرف دو افراد ہیں تو میں صوبہ پرستی کی حیثیت سے نہیں کہتا بلکہ ان علاقوں کے محتاج ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ان علاقوں کے نوجوان افراد کو ان کا مناسب کوٹہ دیا جائے۔

۴۔ چوتھی اہم گزارش یہ ہے کہ یہ شکایت عام سننے میں آتی ہے کہ ملک کے اہم کلیدی عہدوں پر ایسے افراد مسلط ہوتے جا رہے ہیں جو پاکستان کے بنیادی نظریہ کے بارہ میں مشکوک کردار رکھتے ہیں ملازمتوں میں بھی فرقہ واریت کو دخل دیا جاتا ہے۔ انٹرویو وغیرہ میں یہ لوگ مخصوص فرقوں کے لوگوں کو بھرتی کر لیتے ہیں جس طرح اقلیت کا حق ہے اس طرح ملک کی اکثریت مسلمانوں کی سواد اعظم کو اہم شعبوں میں کام دینا چاہیے اور تناسب ہر لحاظ سے قائم رکھنی چاہیے جو مکمل مسلمان ہو اسلامی نظریہ کا حامی ہو انہیں ترجیح دینی ضروری ہے اسی میں ملک کی سالمیت ہے حضرت علیؓ خلیفہ رابع کا ایک یہودی سے مقدمہ ہوا شریح قاضی کے پاس امیر المومنین اور یہودی فریقین کی شکل میں گئے اور اسلام عدالت اور انصاف کے موقع پر سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے حضرت علیؓ نے ایک گواہ کے ساتھ دوسرا گواہ جو پیش کیا وہ ان کا صاحبزادہ تھا دوسرا آزاد کردہ غلام قاضی نے گواہوں کو مسترد کر دیا شہادت کی شرائط پوری نہیں ہیں مقدمہ خارج کر دیا یہودیوں نے یہ منظر دیکھ کر اسلام قبول کر لیا کہ اسلام ایسے انصاف کا مذہب ہے تو ملازمتوں کی تقرری میں رو رعایت کرنا اور ذاتی و سیاسی ترجیحات کو دیکھنا ملک دشمنی ہے۔ انصاف سے بعید ہے ڈگری اور تعلیمی صلاحیت کی بنیاد پر اور پس ماندہ علاقوں کو بھی ان کا حق ملنا چاہیے۔

مزدور، کسان اور محنت کش طبقہ کی حالت سنوارنے کا صحیح طریقہ

(۲۶ جون ۱۹۷۳ء وزارتِ محنت کے مطالبہ زر پر تقریر)[1]

مولانا عبد الحق :- جناب والا! میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ جناب! گذارش یہ ہے کہ مزدور، محنت کش، اور کسان ملک کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر وہ خوش ہیں تو وہ صنعت، زراعت اور دیگر چیزوں میں دل لگا کر کام کریں گے۔ مزدور کا جب دل خوش ہوگا تو اس ملک کی پیداوار میں اضافہ ہوگا، غلہ بھی زیادہ ہوگا، کپڑا بھی زیادہ ہوگا، تمام کارخانوں میں پیداوار زیادہ ہوگی اور ملک ترقی کرے گا۔ اگر یہ ملک کی ریڑھ کی ہڈی دل لگا کر کام نہ کرے اور وہ خوش نہ ہوں، بھوکے ہوں، بیمار ہوں، محتاج ہوں، تو ہم ان کو کتنی ہی طفل تسلی دیں وہ خوشی سے کام نہیں کریں گے۔ اور جیسا کہ موجودہ وقت میں اس نظام میں تعطل دیکھ رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں پر جو کثیر تنخواہ والا طبقہ ہے، وہ امراء کا ہے۔ چاہیئے کہ وہ اپنے اوپر بوجھ ڈالے اور قربانی کرے جس سے ملک ترقی کر سکے۔ تو اس سلسلے میں ایک واقعہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جو ہمارے خلیفہ اول ہیں ان کے لئے ۸ آنے یومیہ مقرر تھے۔ ایک دن ان کی بیوی نے عرض کیا کہ آپ کچھ مٹھائی وغیرہ کا انتظام کریں تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے کہا کہ میری تنخواہ تو بیت المال سے مقرر ہے اس سے مٹھائی کیسے بن سکتی ہے۔ لیکن ان کی بیوی نے ایک دن کے خرچ سے ایک ایک پائی جمع کر کے مٹھائی بنائی اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے سامنے پیش کی تو انہوں نے پوچھا کہ یہ مٹھائی کہاں سے آئی ہے تو ان کی بیوی نے عرض کی کہ آٹھ آنے یومیہ سے جو آپ کو بیت المال سے تنخواہ ملتی ہے۔ اس میں سے میں نے ایک ایک پائی روزانہ کے حساب سے جمع کر کے مٹھائی بنائی۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہمارے

---

[1] مباحث اسمبلی قانون ساز ۲۶ جون ۱۹۷۳ء، ص ۲۰۴۵ تا ص ۲۰۴۷

SPEECH NOT CORRECTED BY THE HONOURABLE MEMBER

خرچ سے زیادہ ہے۔ تو اس لئے انہوں نے اس مٹھائی کو بعض مساکین میں تقسیم کر دیا اور بیت المال کو حکم جاری کیا کہ میری تنخواہ جو آٹھ آنے یومیہ ملتی ہے اس میں سے ایک پائی فی دن کے حساب سے کمی کر دی جائے۔ میرے محترم! حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم بھی اس قسم کی قربانی نہیں کریں گے ملک ترقی کیسے کر سکتا ہے۔ تو اس لئے میں عرض کرتا ہوں خصوصاً اس طبقے کی خدمت میں جس پر حکومت کے بڑے بڑے اخراجات ہوتے ہیں، ان کی تنخواہوں کو کم کیا جائے۔ اور ان کی تنخواہ ان غریبوں اور مزدوروں کے علاج اور صحت پر لگائی جائے۔

دوسری بات میں یہ عرض کرتا ہوں۔ مثلاً آٹا، چینی، گھی مقررہ نرخ پر تمام مزدوروں کو ملنا چاہیئے بلکہ ان کو ہر چیز سستے داموں دی جانی چاہیئے۔ جیسا کہ پہلے یہاں طریقہ تھا کہ ریلوے ملازمین اور بعض دوسرے سرکاری ملازمین کو چیزیں کنٹرول نرخ پر پورے نرخ پر ملا کرتی تھیں اسی طریقہ سے بازاروں میں انتظام کیا جائے، جہاں کسان، غریب، مزدور کو ترجیح دی جائے اور انہیں تمام چیزیں آسان قیمت پر مہیا کی جائیں۔ اگر یہ مہنگائی کم کی جائے، اس کی صحیح نگرانی ہو اور غریبوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے اور جو بڑے تنخواہ دار ہیں وہ قربانی کر لیں تو انشاءاللہ ہمارے ملک کی معیشت بہت بہتر ہو جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک تھے، ان کے بیٹے نے ان کی دعوت کی۔ ان کے سامنے شوربہ پیش کیا گیا اس میں گھی بھی تھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں دو ترکاریوں کو نہیں کھاتا کیونکہ یہ شوربہ الگ ہے اور گھی الگ ہے اور آپ نے ان دونوں کو ملایا ہے۔ اس لئے میں ان کو نہیں کھاتا۔ یہ ہیں امیر المومنین جو قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک ہیں، نگران ہیں، متولی ہیں۔ وہ جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں اور ان کے کرتے میں بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔ وہی حضرت عمرؓ جو بیت المقدس کی فتح کے لئے جا رہے ہیں، جہاں انہوں نے ایک اونٹ لیا۔ اس پر مزدور بھی باری باری سوار ہوتا ہے اور امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ بھی باری باری سوار ہوتے ہیں۔ بیت المقدس قریب آیا اور لاکھوں لوگ استقبال کے لئے آئے۔ ابوعبیدہ کمانڈر کہتے ہیں کہ حضور آپ سوار ہوتے ہیں تو یہ

سے نئے کپڑے بھی پہنیں۔ تو انہوں نے فرمایا نحن قوم اعزنا اللہ بالاسلام۔ ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کی برکت سے عزت دی ہے کہ یہ ملک ہم فتح کر رہے ہیں کپڑوں کی زیب و زینت سے کام نہیں بنتا۔ غلام اونٹ پر سوار ہے، مزدور سوار ہے محنت کش سوار ہے اور امیر المومنین اس اونٹ کی رسی پکڑے ہوئے ہیں اور ان کے استقبال کے لیے لاکھوں لوگ کھڑے ہیں۔ تو ان لوگوں نے کہا یہ تو امیر المومنین کا حلیہ نہیں ہے جو پرانی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ تو ابو عبیدہؓ نے کہا کہ جس کے کاندھے پر مہار ہے اس کو دیکھیں۔ جب ان کو دیکھا تو ان لوگوں نے کہا، اللہ اکبر! یہ تو وہی امیر المومنین ہیں جو بیت المقدس کو فتح کریں گے۔

میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میں آپ کا عاشق ہوں، تو اس پر آپ نے فرمایا کہ سوچ کر بات کرنا جو ہمارا عاشق ہوتا ہے وہ خود بھوکا رہے گا دوسروں کو کھلائے گا، وہ خود ننگا رہے گا دوسروں کو کپڑا پہنائے گا۔ وہ خود پیاسا رہے گا دوسروں کو پانی پلائے گا۔ حقیقت میں اگر ہم میں اس قسم کا جذبہ پیدا ہو جائے تو ملک میں انشاء اللہ اتحاد، تعاون اور امن ہو گا۔

(رپورٹنگ نیشنل اسمبلی)

لارڈ میکالے کا نظامِ تعلیم نہیں
بلکہ
اسلامی تعلیمات پر مبنی نظامِ تعلیم

(۲۱ جون ۱۹۷۳ء، وزارتِ تعلیم کے مطالبہ زر پر آپ کی کٹ موشن اور تقریر)

مولانا عبدالحق :۔ جنابِ والا! میں نے جو تحریک پیش کی ہے وہ اس نقطہ نظر سے پیش کی ہے کہ تعلیمی پالیسی کی خامیوں پر بحث کی جا سکے۔ جنابِ والا! یہ سب پر عیاں ہے کہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور پاکستان کا قیام ایک نظریہ کے تحت عمل میں آیا ہے۔ وہ نظریہ یہ ہے کہ پاکستان میں اسلام اور اسلامی روایات پر عمل ہو اور اسلامی معاشرہ قائم ہو جس کی مختصر سی تعبیر یہ تھی کہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ" یعنی اس ملک میں خدا اور شریعت کی حکومت ہو گی۔

جنابِ والا! الحمدللہ اس آئین میں بھی اس بناء پر اس چیز کو تسلیم کر لیا گیا کہ اسلام پاکستان کی حکومت کا سرکاری مذہب ہو گا۔ اب یہ گذارش ہے کہ ہم اسلامی معاشرہ چاہتے ہیں۔ اس ملک میں اسلامی تہذیب، اسلامی تمدن، اسلامی عقائد، اسلامی اخلاق، اسلامی طرزِ حکومت، اسلامی طریقے پر رعایا کی وفاداری حکومت کے ساتھ ہو۔ اور حکومت رعایا کی وفادار ہو۔ یہ تمام چیزیں اسلامی نقطہ میں آجاتی ہیں۔ اب گذارش یہ ہے کہ اگر اسلامی تعلیمات کا بچوں کو، قوم کو کچھ پتہ ہی نہ ہو اور ہمیں یہ معلوم ہی نہ ہو کہ کون سی تجارت حلال ہے اور کون سی حرام ہے ہمیں یہ معلوم ہی نہ ہو کہ مسلمانوں کا آپس میں اتحاد و یگانگت اسلام کے نقطۂ نظر سے کتنا ضروری

لہ مباحث اسمبلی ۲۱ جون ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۶۵۷ تا صفحہ ۱۶۵۹ SPEECH NOT CORRECTED BY THE HONOURABLE MEMBER

ہے، ہمیں یہ معلوم ہی نہ ہو کہ ملک کی سالمیت اسلام کے نقطۂ نظر سے کس قدر ضروری ہے، یعنی جب اسلامی تعلیمات ہی اس ملک میں رائج نہ ہوں، تو اسلامی معاشرہ اسلامی تہذیب یہ کس طریقے پر قائم ہوں گے۔ اس لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہمیں دینی تعلیم پر نظر مرکوز کرنی چاہیئے تاکہ اس کے اوپر جو معاشرہ ہو وہ اسلام کے مطابق ہو۔ خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کو خلیفہ بنانے سے پہلے تعلیم کو پہلے کر دیا۔ اللہ رب العزت نے پہلی وحی جو حضور نبی کریمؐ پر بھیجی، سب سے پہلے یہ کہا "اقرا باسم ربك الذی خلق" یہاں جو ہمارا نصب العین ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس ملک میں اسلام کو رائج کریں گے۔ اسلامی طور طریقے پر زندگی بسر کریں گے۔ اسلام ہے کیا چیز۔ وہ چیز ہمیں تعلیم سے معلوم ہو گی۔ جب تعلیم ہی اسلامی کہیں بھی نہ ہو تو ہم اسلام کو اس ملک میں کس طریقے سے نافذ کر سکیں گے۔ ہم معاشرے کو اسلام کے مطابق کس طریقے سے بنائیں گے۔ سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ انگریز سے جو تعلیمی نظام ہمیں ورثہ میں ملا ہے وہ ہمیں ختم کرنا چاہیئے تھا، یہ ایسی بات ہے کہ جب اس ملک کے باشندوں نے انگریز کے مقابلہ میں ۱۸۵۷ء میں جہاد کیا تو انگریز نے اس ملک کو عیسائی تہذیب اور عیسائی طریقے میں ملوث کرنے کے لئے ایک نظام تعلیم رائج کیا۔ بقول لارڈ میکالے کے وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نظام تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ ہم متحدہ ہندوستان کے باشندوں کو دل و دماغ کے لحاظ سے انگریز اور انگریزی کا دلدادہ بنائیں، چاہے وہ جسم کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں۔ تو بقول لارڈ میکالے یہ نظام تعلیم جو ہمیں قیام پاکستان کے بعد ورثہ میں ملا ہے۔ سب سے پہلے ضروری تھا کہ ہم اس نظام تعلیم کو بدل دیتے اور اس کی بجائے ہم اسلامی تعلیمات کو رائج کر دیتے۔ گذشتہ حکومتوں نے اگرچہ اس پر توجہ نہیں کی لیکن یہ تو عوامی، جمہوری اور اسلامی حکومت کہلاتی ہے اس سے ہمیں توقعات تھیں کہ اسلامی تعلیمات کے لئے ایسے مراکز قائم کرے گی جن سے علماء کو ہم تبلیغ کے لئے یورپ بھی بھیجیں گے افریقہ بھیجیں گے تاکہ اسلام کی روشنی وہاں منور کریں۔ لیکن اس بجٹ کو دیکھ کر بہت ہی افسوس ہوا۔ اس میں آثار قدیمہ، جاہلیت کے آثار کے تحفظ کے لیے ۲۳ لاکھ روپے رکھے گئے ہیں۔ بدھ مت کے لئے رکھے گئے ہیں۔ اس طریقے سے کلچر کے نام سے ثقافت کے نام سے

آرٹس کونسل کے نام سے جس کا مطلب رقص و سرود ہے اس نام سے تو لاکھوں روپے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ اس ملک کی تہذیب کو یورپ میں پیش کرنے کے لئے جو ثقافتی طائفے (جماعتیں) جائیں گی ان کے اخراجات کیا ہوں گے۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ جب ہمارے یہاں اسلام کی تعلیم ہی نہیں، اسلامی تہذیب ہی نہیں، اسلامی معاشرہ ہی نہیں تو وہ وہاں کیا چیز پیش کریں گے تو گذارش یہ ہے کہ ایسی مختلف مدات کے لئے تو رقومات ہمارے پاس ہیں۔ اگر آپ کی وساطت سے میں یہ عرض کر دوں کہ ہمارے ڈاکٹر مبشر حسن صاحب وزیر خزانہ اس مد میں بھی ضرور بالضرور اسلامی تعلیمات کے لئے، کیونکہ ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہے اور یہ ایک نظریاتی مملکت ہے ہم نئی نسل کو اسلام کے رنگ میں رنگیں، اور یہ رنگنا تب ہی ہوگا کہ ہمارے کالجوں میں ہمارے اسکولوں میں اسلامی تعلیمات لازمی ہوں۔ یہ بھی گذارش کرتا ہوں کہ بعض جگہ جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید پڑھایا جائے گا اس کا لفظی ترجمہ بھی سکھایا جائے گا۔ یقیناً یہ حقیقت ہے کہ یونیورسٹیوں میں، اسکولوں میں، کالجوں میں اسلامی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ نہ یہ کوئی لازمی مضمون ہے۔ نہ اس کے پڑھنے والے کو اور نہ اس کے پڑھانے والے کو وہ مراعات حاصل ہیں جو انگریزی والے کو ہیں۔ وہ دوسری چیزوں پر تو خرچ کر سکتے ہیں لیکن جو ہمارا بنیادی نظریہ ہے اس بنیادی نظریہ کے لئے میرے خیال میں جہاں تک میں نے دیکھا ہے اس بجٹ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم اگر بجٹ کے نصف حصہ کو بھی اسلامی تعلیمات پر خرچ کر دیں تو خدا کی قسم پھر نہ یہ عصبیت کے نعرے ہوں گے اور نہ یہ قومیتوں کا نعرہ ہوگا، نہ مسلمانوں کا آپس میں اختلاف ہوگا۔ ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر ہوں گے۔ حکومت رعایا کی وفادار ہوگی اور رعایا حکومت کی وفادار ہوگی۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ وزارتِ تعلیم جو رقم مانگ رہی ہے اس میں سے ملک میں اسلامی تعلیم کے فروغ اور تبلیغ و تربیت کے لئے بھی اور بیرونِ ملک کیلئے بھی کوئی انتظام کرے۔ کیونکہ بیرونِ ملک ایسا کوئی انتظام نہیں ہے۔ (رپورٹنگ نیشنل اسمبلی)

باب ۸

قومی اور ملی مسائل پر

سوالات اور جوابات

اگست ۱۹۷۲ء ـــــ ستمبر ۱۹۷۲ء

قومی لباس

سوال[1] ۱۱۸ مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۷۲ء

کیا وزیر شعبہ علم براہِ کرم بتائیں گے۔

(الف) کیا قوم میں سادگی پیدا کرنے کے لئے حکومت کا سرکاری افسروں کے لباس تبدیل کرنے کا پروگرام ہے؟ (ب) آیا ایسی کوئی تجویز زیرِ غور ہے؟

جواب:۔ منتقل ہو گیا۔ دوسرے نمبر کے تحت آ رہا ہے۔

اردو قومی زبان

سوال ۱۴۸ مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۷۲ء

کیا وزیر تعلیم یہ بیان فرمائیں گے کہ اگر اردو پاکستان کی قومی زبان قرار دی جا چکی ہے اور قومی سطح پر حکومت اس فیصلے پر عملدر آمد کے لئے کیا اقدامات کر رہی ہے؟

جواب عبدالحفیظ پیرزادہ:۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے عبوری آئین بابت ۱۹۷۲ء کی دفعہ ۲۶۷(۱) اردو کو ایک قومی زبان کا مرتبہ عطا کرتی ہے۔ اردو کو ترتیب کے ساتھ اور سہل طور پر بالآخر سرکاری ذریعۂ اظہار میں بدلنے کے کام کو آسان کرنے کے لئے جو اقدامات کئے گئے ہیں۔ ان میں کراچی میں ترقی اردو بورڈ قائم کرنے اور لاہور میں مرکزی ترقی اردو بورڈ بنانے کا خاص طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اردو میں سائنسی اور فنی و تکنیکی کتابیں شائع کرنے، نیز اردو اور دوسری پاکستانی زبانوں میں دولسانی لغات تیار کرنے کا بنیادی فریضہ انجام دینے کے علاوہ مؤخر الذکر نے اردو کی ٹائپ مشینوں کے لئے ایک جامع کلیدی تختہ ترتیب دینے کا بنیادی کام بھی پورا کیا ہے۔ بورڈ کے انتظام کے تحت چلائی جانے والی اردو مختصر نویسی اور ٹائپ کرنے کی کلاسوں میں اب تک ۸۰۰ اردو مختصر نویس اور ٹائپ کنندگان تربیت حاصل کر چکے ہیں اور حال ہی میں طلباء کے داخلے کی گنجائش دگنی کر دی گئی ہے۔ وزارتِ قانون نے

---

[1] مباحث ۴ ستمبر ۱۹۷۲ء ج اش ۱۸ ص ۹۱۸

حال ہی میں ان تمام سرکاری بلوں کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ جو قومی اسمبلی میں پیش کئے جاتے ہیں۔ نیز عبوری آئین کا اردو ترجمہ پہلے ہی بازار میں دستیاب ہے۔

قادیانیت ۔۔۔ ربوہ

سوال ۱۴۹ ۔ ۳۰ / اگست ۱۹۷۲ء

کیا وزیر تعلیم یہ بیان فرمائیں گے کہ عوام میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ نئی تعلیمی پالیسی کے باوجود ربوہ میں سکول اور کالج کو حکومت اپنی تحویل میں نہیں لے رہی ہے۔ اور انہیں اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے؟

جواب، عبدالحفیظ پیرزادہ :۔ جی نہیں!

ٹی وی

سوال ۱۸۵ ۔ ۳۱ / اگست ۱۹۷۲ء

کیا وزیر اطلاعات و نشریات ازراہ کرم یہ ارشاد فرمائیں گے کہ آیا یہ حقیقت ہے کہ غیر ملکی عریاں تصویریں ٹیلیویژن پر پیش کی جاتی ہیں۔؟

جواب، کوثر نیازی :۔ جی نہیں!

ریڈیو

سوال ۱۸۶ ۔ ۳۱ / اگست ۱۹۷۲ء

کیا وزیر اطلاعات و نشریات ازراہ کرم یہ ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

(الف) ہفتے میں کل کتنے گھنٹے ریڈیو سے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں؟

(ب) اسلامی فکر اور تعلیمات کی تبلیغ کے لئے ہفتہ میں کل کتنے گھنٹے مخصوص کئے گئے ہیں۔

جواب، کوثر نیازی: (الف) داخلی نشریات : ہفتہ وار ۸۰۱ گھنٹے ۲۰ منٹ

بیرونی نشریات :۔ ہفتہ وار ۸۶ گھنٹے ۲۰ منٹ

(ب) مذہبی نشریات ۱۰۵ گھنٹے اوسط کے لحاظ سے ہر ہفتے بشمول ۴ گھنٹے ۵ منٹ بیرونی نشریات

ضمنی سوال :۔ اس موضوع پر کئی ضمنی سوالات کئے گئے، ایک سوال مولانا نے یہ کیا کہ گھر گھر میں ٹی وی کی نمائش لہو و لعب میں شامل نہیں تو جواب یہ دیا گیا کہ اسکا فتویٰ وہ علماء دے سکتے ہیں جو ٹی وی پروگرام پیش کرتے ہیں۔ (نوائے وقت)

قادیانی اوقاف

سوال ۱۸۷ - ۳۱ اگست ۱۹۷۲ء

کیا وزیر حج و اوقاف ازراہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) کیا اوقاف اور حج کے شعبہ کے دائرہ کار میں قادیانی جماعت کے اوقاف نہیں آتے ؟ اگر ایسا ہے تو اس کی وجوہات کیا ہیں ؟

(ب) کیا حکومت کے پاس اس سلسلے میں کوئی اقدامات کرنے کی تجویز ہے ؟

جواب : کوثر نیازی :- (الف) مرکزی وزارت اوقاف کے پاس کوئی وقف نہیں ہے۔ تمام اوقاف صوبائی حکومتوں کے دائرہ اختیار میں ہیں (ب) مندرجہ بالا جواب کی روشنی میں یہ سوال مرکزی حکومت سے غیر متعلق ہے۔

سُود

سوال ۲۱۹ ۲ ستمبر ۱۹۷۲ء

کیا وزیر مالیات ازراہِ کرم بیان فرمائیں گے کہ :-

(الف) آیا شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کی طرح وفاقی حکومت بھی مرکزی قرضوں کو کل و جزوی طور پر بلا سود کرنے کی کسی تجویز پر غور کر رہی ؟

(ب) آیا حکومت کے پاس ملک کو سودی معاشرہ سے نجات دلانے کا کوئی منصوبہ ہے ؟

جواب :- ڈاکٹر مبشر حسن :- (الف) جی نہیں۔ (ب) جی ہاں۔

تعطیلِ جمعہ

سوال ۲۴۹ ۔ ۴ ستمبر ۱۹۷۲ء

کیا وزیر داخلہ ازراہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ کیا شمال مغربی سرحدی صوبے کی حکومت نے اتوار کی بجائے جمعہ کو چھٹی کرنے کی کوئی تجویز پیش کی ہے ؟

جواب :- عبدالقیوم خان وزیر داخلہ :- جی ہاں !

ضمنی سوال : مولانا عبدالحق ــــ صاف الفاظ میں یہ بتایا جائے کہ مرکزی حکومت اس تجویز کو منظور کر رہی ہے یا نا منظور ؟

وزیر داخلہ : مولانا صاحب ! یہ بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ دو تین ہفتوں سے ایوان میں زیر بحث

ہے تو جب تک معزز ایوان کی رائے سامنے نہ آئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مولانا عبدالحق ــــ کیا یہ یقین رکھا جائے کہ یہ بحث پایۂ تکمیل تک پہنچ بھی سکے گی؟

وزیرِ داخلہ ــــ معزز ایوان کو یقین کرنا چاہیئے کہ ایسے اچھے کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا سکے گا۔

قومی لباس

سوال[1] ۲۶۴، ۴ ستمبر ۱۹۶۲ء

کیا وزیرِ داخلہ از راہِ کرم بیان فرمائیں گے کہ (الف) آیا حکومت کے پاس سرکاری افسروں کے لباس کو بدلنے کا کوئی پروگرام ہے تاکہ قوم کو سادگی کی طرف مائل کیا جا سکے؟ (ب) آیا ایسی کسی تجویز پر غور ہو رہا ہے؟

جواب، عبدالقیوم خان وزیرِ داخلہ:۔ (الف، ب) جی نہیں۔ سرکاری ملازمین کے لئے سادہ زندگی بسر کرنے کے بارے میں موجودہ ہدایات کافی تصور کی جاتی ہیں۔

اساتذہ کے مسائل

سوال[2] ۳۲۴، ۷ ستمبر ۱۹۶۲ء

کیا وزیرِ تعلیم و صوبائی رابطہ از راہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

(الف) آیا وہ اس بات سے باخبر ہیں کہ ملک بھر کے اساتذہ اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں؟ (ب) آیا حکومت اسکول اور کالج کے اساتذہ کو تنخواہوں کے لئے اسکیل دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ نیز (پ) ان مراعات کی تفصیل بیان کی جائے جو تعلیمی اصلاحات کی رو سے اساتذہ کو دی جائیں گی اور جو حکومت کے زیرِ غور ہیں؟

جواب، عبدالحفیظ پیرزادہ:۔

(الف) جی ہاں، حکومت کو اساتذہ کے مسائل کا علم ہے۔ (ب) اب کم و بیش اساتذہ کی تنخواہوں کے پیمانے ان کے بالمقابل سرکاری کیڈروں کی تنخواہوں کے برابر ہیں۔ بہر حال اس

---

[1] مباحث ۴ ستمبر ۱۹۶۲ء ج ۱ ش ۱۸ ص ۹۱۸ [2] مباحث ۷ ستمبر ۱۹۶۲ء ج ۱ ش ۲۱ ص ۱۱۵۶/۱۱۵۷

سلسلہ میں حکومت کے اعلان کردہ قومی تنخواہ کے پیمانوں کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ اگر اساتذہ کے لئے نقصان دہ کوئی سنگین تضادات یا عدم یکسانیت پائی گئی تو صورتِ حال کی اصلاح کے لئے مناسب ہم آہنگی پیدا کی جائے گی (پ) تعلیمی پالیسی کے تحت اساتذہ کے لئے حسبِ ذیل سہولتیں رکھی گئی ہیں۔

(۱) اساتذہ کے تعلیمی پروگرام کی از سرِ نو تنظیم کے ذریعہ تعلیم اساتذہ کو وسیع کیا جائے گا۔

(۲) تعلیمِ اساتذہ کے نظام کو اس طرح مرتب کیا جائے گا کہ اداروں میں مطالعہ تعلیم کو ایک مضمون کی حیثیت سے رائج کر کے تربیت یافتہ اساتذہ کی افرادی قوت کی اضافی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔

(۳) خواتین اساتذہ کی تعداد کو ہر سطح پر بالخصوص ابتدائی سطح پر بڑی حد تک بڑھایا جائے گا۔

(۴) نجی سکولوں اور کالجوں کے قومیائے جانے کے بعد ان کے اساتذہ کی تنخواہوں اور دیگر شرائطِ ملازمت میں بالآخر سرکاری اداروں میں اپنے بالمقابل لوگوں کے برابر ہو جائیں گے۔

(۵) نجی سکولوں اور کالجوں کے قومیائے جانے کے موقع پر ان کے ایسے عملہ کو جو پوری طرح تعلیمی قابلیت کا حامل نہیں ہے ایک معقول عرصے کے اندر اندر مطلوبہ تعلیمی قابلیت حاصل کرنے کا موقع دیا جائے گا۔

(۶) اساتذہ کو ملک کے اندر مزید تعلیم جاری رکھنے کے لئے چھٹی فراخدلی سے دی جائے گی۔

(۷) اساتذہ کو رہائشی سہولتیں دینے کے لئے بڑے پیمانے پر بلا کرایہ مکانات کی تعمیر شروع کی جائے گی۔

(۸) اساتذہ کی بھرتی کے قواعد کو آسان بنایا جائے گا۔

(۹) سول سروس اور فنانس سروس کی موجودہ اکیڈمیوں کے طرز پر اساتذہ اور تعلیمی منصوبہ بندوں، منتظموں کے لئے اکیڈمی قائم کی جائے گی۔

(۱۰) موزوں پس منظر، تجربہ اور صلاحیت رکھنے والے کو مختلف انتظامی اور مشاورتی سرکاری کیڈرول میں ملازمت کا موقعہ دیا جائے گا۔

ضمنی سوال:۔ مولانا عبدالحق ـــــ خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں ایک ضمنی سوال پر مولانا عبدالحق صاحب نے دریافت کیا:۔

جناب سپیکر صاحب! قدرت نے مشرقی پاکستان کی شکل میں ساڑھے سات کروڑ افراد ہم سے جدا کر دیئے۔ کیا سات کروڑ افراد کم ہونے کے بعد اب کروڑوں روپے خرچ کر کے مزید آبادی کم کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ لاکھوں روپے لگا کر بھی دو چار بچے ہی کم کئے جا سکیں۔ کیا خدا ہمیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا۔ جب کہ اس کا ارشاد ہے لئن کفرتم ان عذابی لشدید۔ کیا خدا ہمیں اور کم نہیں کرے گا۔

اس کے بعد وزیر صحت اور علماء حضرات کے درمیان ظریفانہ نوک جھونک رہی۔ مولانا نے دوبارہ اٹھ کر فرمایا:

سپیکر صاحب! گذارش یہ ہے کہ کیا ۲۵ لاکھ روپے رقم اس مقصد پر خرچ کرنا اسلامی نقطہ نظر سے جائز ہے۔ حضور کا ارشاد تو یہ ہے کہ تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔

سپیکر ـــــــ ڈس الاؤڈ (DIS ALLOWED) اس کی اجازت نہیں۔

ثقافتی طائفے

سوال ۴۱۴[1]، ۲۳ ستمبر ۱۹۷۲ء

(الف) کیا وزیر مالیات از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ آیا ماریشس اور دوسرے ممالک کے دورہ پر ثقافتی طائفہ بھیجا گیا ہے۔ (ب) اس طائفہ کے لئے زر مبادلہ کی کتنی رقم منظور کی گئی ہے (پ) ملک کے اندرون طائفوں پر کتنی رقم خرچ کی جاتی ہے۔ (ت) یحییٰ خان کے دور حکومت کے آخری ایام میں ایک گلوکارہ کو ٹوکیو بھیجنے میں کتنی رقم صرف ہوئی۔ (ٹ) ان طائفوں سے ملک کو کیا فائدہ پہنچا ہے؟

جواب: عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) جی ہاں (ب) ۹۹,۰۰۰ روپے (پ) ۱۷,۰۰۰ روپے (ت) ۹۲۷۵,۰۰ روپے

(ٹ) اپنی خارجہ ثقافتی پالیسی کے حصے کے طور پر پاکستان دنیا کے دیگر ممالک کے ساتھ ثقافتی معاہدے کرتا رہا ہے نیز اس نے ان پر عمل بھی کیا ہے۔ ان معاہدوں کا مقصد تعلیم، سائنس،

---

[1] مباحث ۲۳ ستمبر ۱۹۷۲ء ج ۱ ش ۳۱ ص ۲۰۱۱

کھیل کود اور ثقافت کے میدانوں میں باہمی تبادلہ ہوتا ہے۔ تاحال ہم ۲۷ ثقافتی معاہدات طے کر چکا ہیں اور متعدد دیگر معاہدات پر اس وقت بات چیت ہو رہی ہے۔ بیشتر ثقافتی معاہدوں میں ایک دفعہ مشترک اور یہ ثقافتی وفود طائفوں کے باہمی تبادلوں کے بارے میں ہے۔ طائفوں کے باہمی تبادلوں کا زیادہ تر مقصد متعلقہ عوام کی طرز زندگی اور دلی امنگوں و آرزوؤں کے براہ راست علم کے ذریعے مختلف ممالک کے مابین بہتر مفاہمت و واقفیت پیدا کرنا اور تعلقات کو مستحکم کرنا ہوتا ہے۔

اسلام کی تبلیغ

سوال ۴۴۸ [۱] ۱۲ ستمبر ۱۹۷۲ء

(الف) کیا وزیر قانون از راہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ کیا ملک و بیرون ملک میں اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لئے کچھ کیا گیا ہے اگر کیا گیا ہے تو اس کی تفصیل۔؟

جواب ۔ محمود علی قصوری :۔ جی ہاں! موجودہ مالی سال کے دوران مبلغ ۷۰۰۰۰ روپے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کو کتب و رسائل کی اشاعت کے لئے تعین کئے جا چکے ہیں۔ یہ رقم ابھی تک خرچ نہیں کی گئی۔ مندرجہ بالا رقم کے علاوہ مبلغ ۳۰۲۷۰۰ روپے کی رقم اسلام کی تبلیغ اور دیگر اسلامی مقاصد کے لئے تعین کی جا چکی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱)	برسیلز میں اسلامی مرکز کے لئے امدادی رقم	۴۰۰۰ روپے
(۲)	لندن میں مسلمانوں کے قبرستان کے لئے امدادی رقم	۴۶۰۰۰ 〃
(۳)	روم، اٹلی میں اسلامی مرکز کے لئے امدادی رقم	۳۹۰۰ 〃
(۴)	واشنگٹن کی مسجد کے لئے امدادی رقم	۶۹۳۰۰ 〃
(۵)	نیویارک میں اسلامی مرکز کے لئے امدادی رقم	۱۱۶۰۰ 〃
(۶)	لندن کی واکنگ مسجد کے امام کی تنخواہ اور مسجد کی نگہداشت کے لئے	۴۶۲۰۰ 〃
(۷)	برمنگھم کی مسجد کی تعمیر کے لئے امدادی رقم	۱۳۸۶۰۰ 〃
(۸)	آسٹریلیا میں کینبرا کی مسجد کے لئے سالانہ امدادی رقم	۱۳۹۰۰

[۱] مباحث ۱۲ ستمبر ۱۹۷۲ء ج ۱ ش ۲۲ ص ۱۲۳۹ تا ۱۲۴۰

طبِ مشرق

سوال ۴۷۴[۵] ۱۳ ستمبر ۱۹۷۲ء

کیا وزیرِ صحت و سماجی بہبود بیان فرمائیں گے کہ :-

(الف) کیا یہ حقیقت ہے کہ دیسی طب کے مسائل پر پیشہ وارانہ مشورہ دینے کے لئے وزارتِ صحت میں کوئی ماہر نہیں ہے ؟ (ب) کیا وزیرِ صحت اس بات کے لئے تیار ہیں کہ طبیبوں کی ایک مستقل کمیٹی بنائی جائے، جو حکومت کو پیشہ وارانہ مشورہ دے۔ ؟

جواب، شیخ محمد رشید :- جی نہیں ! یہ وزارتِ صحت و سماجی بہبود میں ایک الگ اکائی ہے جو کلیتاً یونانی، آیورویدک اور ہومیو پیتھک طریقہ علاج سے تعلق رکھنے والے معاملات سے نمٹتی ہے، یونانی اور آیورویدک طریقہ علاج کا ایک بورڈ بھی ہے۔ اور جب اور جیسے ضرورت پڑے، ان پیشوں سے متعلق مسائل پر ان کا مشورہ لیا جاتا ہے۔ (ب) یونانی اور آیورویدک طریقہ علاج کا ایسا کوئی بورڈ موجود نہیں جس کا مشورہ تمام تکنیکی مسائل پر لیا جائے۔ یہ ممتاز طبیبوں اور ویدوں پر مشتمل ہے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ حکومت کو پیشہ وارانہ مشورہ دینے کے لئے طبیبوں کی ایک مستقل کمیٹی تشکیل دی جائے۔

سوال ۴۷۵، ۱۳ ستمبر ۱۹۷۲ء

کیا وزیرِ صحت و سماجی بہبود بیان فرمائیں گے کہ حکومت مختلف طریقہ ہائے علاج جیسے ایلوپیتھی، طب، ویدک وغیرہ پر کس قدر رقم خرچ کی جاتی ہے اور ہر طریقہ پر الگ الگ مصارف کی تفصیل کیا ہے ؟

جواب، شیخ محمد رشید :-

ایلوپیتھی اور دیگر طریقہ ہائے علاج پر وفاقی حکومت ۵۸۵۳۵۰۰۰ روپے خرچ کر رہی ہے۔ ۷۳ - ۱۹۷۲ء کے میزانیہ کے مطابق ہر طریقہ علاج پر مصارف کی تفصیل درج ذیل ہے :-

---

[۵] مباحث ۱۳ ستمبر ۱۹۷۲ء ج ا ش ۲ ص ۱۳۲۴ تا ۱۳۲۵

طریقہ علاج	مصارف (ہزاروں میں)
(۱) ایلوپیتھی	
(۲) طب	۵۸۳۹۸٫۷ روپے
(۳) آیورویدک	
(۴) ہومیوپیتھی	۱۳۶٫۳ روپے

شراب

سوال ۵۳۸، ۱۴ ستمبر ۱۹۷۲ء

کیا وزیر تجارت ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ آیا غیر ممالک سے شراب درآمد کی جا رہی ہے۔ اگر کی جا رہی ہے تو ۱۹۴۷ء سے اب تک ہر سال زرمبادلہ کی صورت میں کتنا خرچ آیا۔

جواب:۔ جے۔ اے رحیم: درآمد کا ایک گوشوارہ ایوان کی میز پر پیش کیا جاتا ہے۔

پاکستان کے اپنے وسائل سے ۱۹۵۳ء سے ۱۱ مئی ۱۹۷۲ء تک شراب کے لئے جاری کئے جانے والے لائسنسوں کا گوشوارہ:۔

	سال	روپے (لاکھوں میں)		سال	روپے (لاکھوں میں)
۵۳	۱۹۵۴-۵۳ء	۱۴٫۴۸	۶۲	۱۹۶۳ء	۲۳٫۵۳
۵۴	۱۹۵۵ء	۱۴٫۰۶	۶۳	۱۹۶۴ء	۳۷٫۰۶
۵۵	۱۹۵۶ء	۱۹٫۸۱	۶۴	۱۹۶۵ء	۳۱٫۴۰
۵۶	۱۹۵۷ء	۲۰٫۳۸	۶۵	۱۹۶۶ء	۱۴٫۱۴
۵۷	۱۹۵۸ء	۲۰٫۰۳	۶۶	۱۹۶۷ء	۱۴٫۹۴
۵۸	۱۹۵۹ء	۲۰٫۱۵	۶۷	۱۹۶۸ء	۱۱٫۱۵
۵۹	۱۹۶۰ء	۲۵٫۴۳	۶۸	۱۹۶۹ء	۱۳٫۰۲
۶۰	۱۹۶۱ء	۲۵٫۴۸	۶۹	۱۹۷۰ء	۱۳٫۴۵
۶۱	۱۹۶۲ء	۲۵٫۵۳	۷۰	۱۹۷۱ء	٫۰۳

سال ۱۹۷۲-۷۱ (۱۱ مئی ۱۹۷۲ء تک) روپے (لاکھوں میں) ۴۰٫۲۷

نوٹ:۔ ۱۹۵۳ء تک شراب کی درآمد کے علیحدہ اعداد و شمار نہیں رکھے جاتے تھے۔

عربی مدارس اور دارالعلوموں کے فارغ التحصیل

سوال[1] ۵۴۹، ستمبر ۱۹۷۲ء

کیا وزیر تعلیم ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ آیا حکومت ان سندوں کو قبول کرنے کی تجویز رکھتی ہے۔ جو شہرت یافتہ عربی سکولوں اور دارالعلوم کے تعلیم یافتہ طلباء کو دی گئی ہیں، اگر نہیں تو اس کی وجوہات ؟

جواب، عبدالحفیظ پیرزادہ:۔

ان مدارس کے سرٹیفکیٹ تسلیم شدہ ہیں جنہیں ثانوی تعلیمی بورڈ یا یونیورسٹیوں نے منظوری دی ہے۔ ان سرٹیفکیٹوں کو عام طور پر فاضل عربی یا فاضل فارسی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ باقی سندات جو کہ منظور شدہ نہ ہوں، حکومت نے انہیں تسلیم نہیں کیا ہے۔ کیونکہ تسلیم کرنے کے لئے ان اداروں کو چند ضروری شرائط کو پورا کرنا چاہیئے جو کہ بورڈ یا یونیورسٹی کی طرف سے عائد ہوں۔

فری میسن تحریک

سوال[2] ۵۹۳ - ۲۰ ستمبر ۱۹۷۲ء

(الف) کیا وزیر داخلہ ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ آیا یہ امر واقع ہے کہ فری میسن تحریک ایک غیر اسلامی اور صیہونی تحریک ہے (ب) آیا یہ امر واقع ہے کہ یہ ادارے پاکستان میں موجود ہیں اور اگر یہ صحیح ہے تو ان اداروں نیز ان کے ساتھ منسلک افراد کی تعداد بیان کی جائے ؟ (پ) کیا یہ امر واقع ہے کہ فری میسن تحریک پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا مرکز ہے ؟ (ت) آیا حکومت ان اداروں کی سرگرمیوں سے باخبر ہے ؟

جواب، خان عبدالقیوم خان:۔

(الف) یہ اپنے اپنے خیال کی بات ہے۔ تاہم حکومت کے پاس اس الزام کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں۔ (ب) جی ہاں! مغربی پاکستان میں تقریباً ۳۰ میسانک لاج ہیں۔ اور ان کے ۷۰۰ اراکین ہیں۔ (پ) اس بابتہ حقیقت کا حکومت کو علم نہیں۔ (ت) جی ہاں! اگر حکومت کو معقول ثبوت کے ساتھ فری میسن کی کوئی متعصبانہ حرکت نظر آئی۔ تو اس کے خلاف یقیناً مناسب کارروائی کرے گی۔

۱؎ مباحث اسمبلی ۱۹۷۲ء ج ۱ ش ۱۳ ص ۱۹۹۶ ۲؎ مباحث اسمبلی ۲۰ ستمبر ۱۹۷۲ء ج ۱ ش ۲۸ ص ۱۷۴۲

میرا حلف مستقل آئین بننے تک ہے

ضمنی سوال [1]، ۱۴ اگست ۱۹۷۲ء (حلف وفاداری کے بعد دستخط کرتے وقت)

مولانا عبدالحق :۔ جناب جب تک مستقل آئین نہیں بنتا ہے کیا یہ حلف اس وقت تک کے لئے ہے جو میں نے ابھی اٹھایا ہے ؟

مسٹر چیئرمین :۔ اب تو آپ دستخط کریں۔

ضمنی سوال : مولانا عبدالحق :۔ اگر ایک پانی کا گندہ قطرہ کسی کنوئیں میں پڑ جائے تو سارا کنواں گندہ ہو جاتا ہے ۔ اگر ٹی وی اسٹیشن سے تھوڑے وقت کے لئے درس قرآن ہو جاتا ہے اور زیادہ حصہ وقت کا لہو ولعب میں صرف ہوتا ہے تو میرے خیال میں اس سے تلاوت قرآن مجید کا فائدہ ختم ہو جاتا ہے ۔

مسٹر سپیکر : مولانا ! اس سوال کی اجازت نہیں دی جا سکتی ۔

سوال ۲۰۵ پر ضمنی سوال ۷ ستمبر ۱۹۷۲ء

مولانا عبدالحق ـــــ کیا وزیر موصوف یہ ارشاد فرمائیں گے کہ پاکستان کی ۸۵ فیصد آبادی دیہات کی ہے، چینی کی تقسیم جو ہو رہی ہے اس میں دیہات اور شہروں میں کوئی فرق تو نہیں ۔ اگر ہے تو اسلامی نقطہ نظر سے کیا یہ امتیاز غلط تو نہیں ؟

ڈپٹی سپیکر :۔ یہ صوبائی حکومتوں کا معاملہ ہے ۔

مسٹر عبدالقیوم خان وزیر داخلہ :۔ صوبائی حکومتوں کا معاملہ ہے ۔ وہ چاہیں تو بڑھا سکتی ہیں۔

جبری ریٹائرڈ شدہ ملازمین

مولانا عبدالحق :ـــ جن لوگوں نے ریٹائرڈ شدہ افسروں کی فہرست بنائی اور جن کے کہنے سے ان پر مارشل لاء کا ضابطہ نافذ کیا گیا ۔ کیا فہرست دینے والوں سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی ؟

سپیکر :۔ یہ تو آپ دلیل دے رہے ہیں ۔

---

[1] مباحث ۱۴ ۔ اگست ۱۹۷۲ء ج اش ، صـ

مُستردشدہ سوالات

سوالات ـــــ جن کا جواب نہ دینا بھی منہ بولتا جواب ہے

قومی اسمبلی کے وقفہ سوالات کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے کئی ایک اہم دینی، ملی، سماجی اور اخلاقی امور سے متعلق سوالات داخل دفتر کئے ان میں سے چند اہم ترین سوالات کو جناب سپیکر یا ڈپٹی سپیکر نے اسمبلی کے قواعد و ضوابط کے نام سے مسترد کر دیا اور انہیں جوابات دینے کی فہرست سے نکالا گیا۔ ان میں سے کئی سوالات خود اپنی زبانی زندہ جوابات ہیں اور پوری ملت کے لئے ایک سوالیہ نشان ـــــ اسمبلی کے قواعد نے ان سوالات کو خاموش کرانا چاہا مگر ملک کے در و دیوار تو ان سوالات کے جوابات کے لئے سراپا سوال ہیں۔ کیا مملکتِ اسلامیہ پاکستان کے شہریوں کے پاس بھی ان سوالات کا جواب نہیں۔ (ادارہ)

ربوہ ایک مرزائی سٹیٹ

بنام وزیر داخلہ پاکستان۔ مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۷۲ء۔ ایس کیو ڈی ۱۷

(۱) کیا وزیر داخلہ صاحب وضاحت فرمائیں گے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ ربوہ کا پولیس اسٹیشن اور پوسٹ آفس وغیرہ قادیانیوں کے خطرناک تنظیم محکمہ امور عامہ کے کنٹرول میں ہے؟

(۲) کیا متعلقہ وزیر صاحب بتائیں گے کہ کیا یہ اطلاعات صحیح کہ خلیفہ ربوہ اپنی پرائیویٹ مجالس میں یہ تاثر دے رہا ہے کہ موجودہ حکومت میرے زیر اثر ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو اس کے محرکات کیا ہیں؟

چینی سفیر کا دورۂ ربوہ

بنام وزیر داخلہ۔ ۱۴ ستمبر ۷۲ ۱۹ء ایس کیو ڈی ۱۷

(۱) کیا وزیر داخلہ ارشاد فرمائیں گے کہ چینی سفیر متعینہ پاکستان کے دورۂ ربوہ اور وہاں پر دو دن قیام کی مبہم خبروں سے ملک میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ کیا وزیر داخلہ اس دورہ کی تفصیلات بتاسکیں گے

اور اس دورہ کے عوامل پر روشنی ڈالیں گے؟

مرزائیت اور اسرائیل

بنام وزیر داخلہ - ۵ ستمبر ۱۹۷۲ء

(۱) کیا یہ صحیح ہے کہ پاکستان کی قادیانی جماعت مسلم دشمن نام نہاد ریاست اسرائیل میں اپنے سنٹر قائم کر چکی ہے؟

(۲) کیا یہ صحیح ہے کہ اسرائیل کے علاقوں، مونٹ کرمل، کبابیر میں قادیانیوں نے مضبوط سیاسی اڈے قائم کئے ہیں؟

(۳) کیا یہ صحیح ہے کہ ایسے اڈے تبلیغی مقاصد کے ساتھ ساتھ مسلمان ممالک کے خلاف سازشوں کے مراکز بن گئے ہیں؟

(۴) کیا یہ صحیح ہے کہ افریقہ سمیت پوری اسلامی دنیا اور یورپ میں مرزائیت کے سنٹر قائم ہیں؟

(۵) کیا حکومت ایک پاکستانی جماعت کے ایسے مراکز اور سنٹروں کی تفصیل اور تعداد بتلا سکتی ہے؟

(۶) کیا یہ صحیح ہے کہ ایسے مرزائی اڈوں نے یہودیوں سے مل کر سقوطِ مشرقی پاکستان میں اہم کردار ادا کیا؟

شیعہ فرقہ اور نصابِ دینیات

بنام وزیر تعلیم، نوٹس ۳۰ اگست ۔ ایس رکیو رڈی ۷۲ء

(۱) کیا وزیر تعلیم وضاحت فرمائیں گے کہ شیعہ فرقہ کے لئے دینیات کے الگ نصاب سے قومی یکجہتی اور اتحاد پارہ پارہ نہیں ہو سکتا؟

(۲) کیا اس طرح آبادی کے تناسب اور شرح کے مطابق اکثریتی طبقہ (اہلسنت) ملازمتوں وغیرہ میں اس تناسب سے حصہ دینے کا مطالبہ نہیں کر سکتے؟

(۳) اور کیا اس طرح ۹۵ فیصد آبادی پر شیعہ فرقہ مسلّط کرنے کی کوشش نہیں کرے گی؟

عیسائیوں کے مشنری ادارے

بنام وزیر تعلیم ۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۷۲ء ایس رکیوڈی ۷۲ء

(۱) کیا یہ صحیح ہے کہ پاکستان میں عیسائیوں کے مشنری ادارے منظم شکل میں مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں سرگرم کار ہیں؟

(۲) کیا یہ صحیح ہے کہ اس کھلے بندوں ارتداد کی تبلیغ سے ہر سال عیسائی ہونے والے مسلمانوں کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے ؟

(۳) کیا یہ صحیح ہے کہ مشنری سکول، کالج، چرچ اور تمام ادارے مسلمانوں کو مال و دولت، ملازمت وغیرہ کا لالچ دے کر عیسائیت میں پھنسا رہے ہیں ؟

(۴) کیا یہ صحیح ہے کہ مسیحی مشن گرجہ بیوٹ بے روزگار نوجوانوں کو مسیحی سالوشن ٹریننگ کالج میں داخلہ کی پیشکش کی جاتی ہے۔ جہاں انہیں بائیبل پڑھا کر عیسائیت تبلیغ تربیت دی جاتی ہے اور کورس پورا ہونے پر معقول تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ ؟

(۵) کیا یہ صحیح ہے کہ ۱۹۶۵ء پاک بھارت جنگ کے بعد چونڈہ کے محاذ پر ایک دوسرا نیا گرجا گھر تعمیر کیا گیا۔ جبکہ ایک پہلے سے موجود تھا ؟

(۶) کیا یہ صحیح ہے کہ بہاولپور میں ایک بہت بڑا گرجا گھر تعمیر ہوا۔ اور وہاں مشنری بارہ[۱۲] مستقل مراکز کام کر رہے ہیں جبکہ نواب آف بہاولپور کے زمانہ میں ایسا نہیں ہونے دیا جاتا تھا ؟

(۷) کیا آپ کے علم میں ہے آج سے چودہ سال قبل کینیڈا کے رومن کیتھولک کے آرگن پراسپکٹس نے اپنی اشاعت اکتوبر ۱۹۵۸ء میں لکھا تھا کہ پاکستان میں چرچ کو اپنے تبلیغی مشن میں عظیم ترین کامیابی ہوئی۔ اور یہ کہ گذشتہ ایک سال ۱۹۵۷ء میں آٹھ ہزار مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا ؟

(۸) پاکستان میں مسیحی مشنری اداروں کی تعداد کتنی ہے اور کتنے مسلمان اس کی لپیٹ میں آ چکے ہیں ؟ ایک اسلامی مملکت میں اقلیت کو نئے گرجے اور عبادت خانے بنانے کی آزادی ہوتی ہے ؟

حکومت اور طوائف ٹیکس

بنام وزیر مالیات، ۱۲ ستمبر ۱۹۷۲ء ایس کیو ڈی ۲۵

کیا وزیر مالیات ارشاد فرمائیں گے کہ کیا یہ درست ہے کہ حکومت طوائف اور ناچ گانے والیوں سے کوئی پیشہ ٹیکس وصول کر رہی ہے۔ ایسی پیشہ ور اور ٹیکس دینے والی طوائفوں کی کل تعداد کتنی ہے۔ کیا حکومت آمدنی کے اس ذریعہ کو بند کرنے کے متعلق سوچ رہی ہے ؟

❖

۲ جون ۱۹۷۳ء ——— ۳ جولائی ۱۹۷۳ء

بیرونِ ملک اعلیٰ تعلیم کے وظائف اور اسلامی تعلیم

سوال ۹۳ ۲ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیرِ تعلیم از راہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:-

(الف) پچھلے دو سال کے دوران اعلیٰ تعلیم کے وظائف پر کتنے طلباء کو غیر ممالک بھیجا گیا نیز وظائف کی تعداد کیا ہے؟ (ب) ان طلباء میں اسلامی تعلیم و تحقیق کے لئے بھیجے جانے والے طلباء کی تعداد کیا ہے اور ان ممالک کے نام بتائیں جہاں انہیں بھیجا گیا ہے۔

جواب: عبدالحفیظ پیرزادہ

طلباء اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مرکزی و صوبائی حکومتوں اور یونیورسٹیوں کی طرف سے مہیا کردہ وظائف کے مختلف پروگراموں پر بیرونِ ملک جاتے ہیں۔ جہاں تک وزارتِ تعلیم کا تعلق ہے وہ طلباء کو وظائف دے کر اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرونِ ملک بھیجتی ہے اور ان کے لئے رقوم بھی خود ادا کرتی ہے۔ نیز دو طرفہ پروگراموں کے تحت اور وقتی بنیادوں پر غیر ملکی حکومتوں و اداروں کی طرف سے پیش کردہ وظائف پر بھی طلباء کو اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ وزارتِ تعلیم کے اپنے پروگراموں کے تحت نیز غیر ملکی حکومتوں و اداروں کی طرف سے دیئے گئے وظائف سے متعلقہ اعداد و شمار درج ذیل ہیں:-

(۱) بیرونِ ملک بھیجے گئے طلباء کی تعداد: ۱۹۰ (۳۲ کا جائزہ لیا جا رہا ہے) (۲) وظائف کی تعداد: ۲۴۳

(الف) وزارتِ تعلیم کی اپنی اسکیم کے تحت ۴۶ (ب) غیر ملکی حکومتوں و اداروں کی طرف سے پیشکش-۱۹۷

کل ۲۴۳ وظائف میں سے بالآخر ۲۱ وظائف سے حسب ذیل وجوہ کی بناء پر استفادہ نہیں کیا گیا تھا۔

(۱) منتخبہ طلباء نے عین آخر وقت پر وظیفہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت تک بیرونی ممالک میں داخلہ کی تاریخوں کے باعث نئے امیدواروں کو منتخب کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان طلباء کے خلاف مناسب کارروائی کی جا رہی ہے جو ان وظائف سے آخری لمحہ پر استفادہ نہ کر کے ان کے سوخت ہو جانے کے باعث بنے تھے۔

(ب) بیرونی ممالک میں جانے والے ۱۹۰ طلباء میں سے ۴ طلباء کو اسلامی تعلیم و تحقیق کے لئے

بھیجا گیا تھا۔ ان میں سے دو طلباء سعودی عرب اور اردن گئے ہیں۔ مناسب وقت پر دو مزید طلباء کو اسلامی علوم میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خاطر بیرونی ممالک میں بھیجا جائے گا اور انہیں وظائف وزارت تعلیم دے گی۔ یاد رہے کہ غیر ممالک کی طرف سے جن وظائف کی پیشکش کی جاتی ہے۔ ان میں سے بیشتر وظائف سائنسی اور فنی مضامین کی اعلیٰ تعلیم کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔

ثقافتی طائفے اور زرمبادلہ

سوال ۶۴ ۲ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر تعلیم از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ۔

(الف) موجودہ حکومت نے بیرون ملک کتنے ثقافتی طائفے بھیجے ہیں؟ (ب) ان طائفوں نے ہماری ثقافتی زندگی کی کس حد تک عکاسی کی ہے؟ (پ) ان مشنوں کی تفصیل اور ان ممالک کے نام جہاں یہ مشن بھیجے گئے تھے۔؟ (ت) ان ثقافتی مشنوں پر کتنا زرمبادلہ خرچ ہوا۔؟ (ٹ) کیا ہماری ثقافتی زندگی صرف۔۔۔۔ ناچ گانے اور طاؤس و رباب کی عکاسی کرتی ہے؟ (ث) اندرون ملک ان ثقافتی طائفوں پر کتنا خرچ ہوتا ہے؟ (ج) اب تک بیرونی ممالک سے کتنے ثقافتی طائفے پاکستان آئے ہیں۔ اور ان ثقافتی طائفوں پر پاکستان کا کتنا روپیہ خرچ ہوا۔؟

جواب: عبدالحفیظ پیرزادہ :۔

(الف) موجودہ حکومت نے بیرونی ممالک میں چار ثقافتی وفود بھیجے تھے۔ جن میں عوامی جمہوریہ کوریا جانے والا ماہرین تعلیم کا ایک وفد شامل ہے۔ اس کے علاوہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر ایک مشہور فنکار کی موسیقی کے مظاہرے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ (ب) ان وفود نے جن ممالک کا دورہ کیا تھا۔ وہاں کے سفارت خانوں کی طرف سے موصولہ اخباری تراشوں اور رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ثقافتی طائفوں نے جس کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا، وہاں پریس کی بہت ہی تعریف و توصیف کی گئی تھی بالخصوص ماریشس، کینیا اور تنزانیہ میں ہمارے طائفہ کی کارکردگی سے بھارتی پراپیگنڈہ کا توڑ کرنے میں بہت ہی کامیابی ہوئی تھی۔ (پ) ملک کے مختلف حصوں کے عوامی اور نیم کلاسیکل فنکاروں پر مشتمل ایک چودہ رکنی ثقافتی طائفے نے ۱۴ اگست سے ۲۲ ستمبر ۱۹۷۲ء تک ماریشس، کینیا اور تنزانیہ کا دورہ کیا تھا۔ قیادت پی۔ آئی۔ اے آرٹ اکادمی

کے ایک ۱۵ رکنی ثقافتی طائفے نے ۴ اپریل سے ۱۳ اپریل ۱۹۷۳ء تک ایران کا دورہ کیا تھا۔ (ٹ) پی۔ آئی۔ اے۔ اکادمی کے ایک ۱۵ رکنی ثقافتی طائفے نے ۱۹ اپریل سے ۷ مئی ۱۹۷۳ء تک عوامی جمہوریہ کوریا اور عوامی جمہوریہ چین کا دورہ کیا تھا۔ (ث) چار ماہرین تعلیم نے نومبر ۱۹۷۲ء میں عوامی جمہوریہ کوریا کا دس دن کا دورہ کیا تھا (ج) نیو یارک میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں وائلن بجانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وائلن بجانے کا یہ مظاہرہ ایک مشہور پاکستانی فنکار نے کیا تھا جو امریکہ میں آباد ہو چکا ہے۔

قائد اعظمؒ کی جائداد اور اسلامیہ کالج

سوال ۵۵، مورخہ ۲ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر تعلیم ازراہ کرم یہ بتائیں گے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ قائد اعظمؒ نے اپنی جائداد کا کچھ حصہ اسلامیہ کالج پشاور کے نام وقف کیا ہے؟ اگر یہ درست ہے تو اس کی مقدار کتنی ہے۔؟ اور کیا اس وقف کو جلد از جلد اسلامیہ کالج کے کنٹرول میں دیا جائے گا؟

جواب، عبدالحفیظ پیرزادہ:۔

جی ہاں! قائد اعظمؒ کی بقیہ جائداد کا ایک تہائی عدالت عالیہ کی طرف سے فیصلہ ہوتے ہی یہ جائداد اسلامیہ کالج پشاور کی تحویل میں دے دی جائے گی۔

خاندانی منصوبہ بندی

سوال ۵۷ مورخہ ۴ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر منصوبہ بندی ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

(الف) کیا حکومت کو خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے پیدائش کی شرح مناسب گھٹانے میں کامیاب ہوئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ کامیابی کس حد تک ہوئی ہے؟ (ب) کیا آبادی کو گھٹانے کا تصور ملک کے اسلامی مزاج اور آئین کے مطابق ہے؟ (پ) پچھلے ڈیڑھ سال میں خاندانی منصوبہ بندی پر کتنی رقم خرچ ہوئی؟ (ت) کیا خاندانی منصوبہ بندی کے وسائل کافی حد تک حرامکاری اور فحاشی کو فروغ نہیں دے رہے ہیں؟

جواب، شیخ محمد رشید:۔

تصحیح کردہ مردم شماری ۱۹۶۱ء عارضی مردم شماری ۱۹۷۲ء کے گوشواروں اور مرکزی شعبہ تجربات

کی اندازاً شرح اموات کے مطابق ۱۹۷۲ء میں قبل از وقت پیدائش کی شرح ۱۴۱ فی ہزار تھی۔ جبکہ ۱۹۶۵ء میں اس کا اندازہ ۵۰ فی ہزار تھا تاہم یہ قابلِ افسوس ہے کہ سماجی اقتصادی نظام کے دوسرے علاقوں کی مانند سابقہ حکومت نے شعبہ خاندانی منصوبہ بندی میں کوئی ترقی نہیں کی موجودہ حکومت خاندانی منصوبہ بندی کی اہمیت کا پورا پورا احساس رکھتے ہوئے اس کو کامیاب بنانے کے لئے سنجیدہ کوشش کر رہی ہے۔ (ب) جی ہاں۔ (پ) گذشتہ ڈیڑھ سال کے دوران بجٹ میں شامل اعداد و شمار کے مطابق منصوبہ بندی پروگرام پر مجموعی مصارف ۷۷،۹۷،۴ لاکھ روپے تھے۔ (ت) جی نہیں!

مشرقی پاکستانیوں کی خالی آسامیوں کا مسئلہ

سوال ۹۲ مورخہ ۵ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر عملہ ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

(الف) مشرقی پاکستانی ملازمین کی خالی ہونے والی ملازمتیں تمام کی تمام پُر کی جائیں گی یا اس میں تخفیف ہوگی؟ (ب) اگر ان کو پُر کیا جا رہا ہے تو کیا اس میں صوبائی کوٹوں کا لحاظ رکھا جا رہا ہے؟ اگر ہے تو سرحد و بلوچستان کا کوٹہ کتنا ہے؟

جواب :۔ خورشید حسن میر :۔

(الف) مشرقی پاکستان کے ملازمین کی ملازمتوں کو ختم کرنے سے پیدا ہونے والی تمام آسامیاں پُر نہیں کی گئی ہیں۔ مختلف زمروں کی متعدد آسامیاں جن کی ضرورت اب نہیں تھی کم کر دی گئی ہیں۔ (ب) جہاں پر باہر سے براہِ راست بھرتی کے ذریعے اسامیاں پُر کی گئی تھیں۔ صوبائی کوٹے کا خیال رکھا گیا تھا۔ موجودہ بھرتی کی پالیسی میں صوبہ سرحد اور بلوچستان کے لئے علیحدہ کوٹے کا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔

فلم اور جمعہ کا دن[1]

سوال ۱۲۲ مورخہ ۷ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر اطلاعات ونشریات اوقاف و حج از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

(الف) پاکستان کے سینماؤں میں جمعہ کے مقدس دن سے نئی فلموں کی نمائش شروع ہوتی ہے؟

---

[1] ضمنی سوالات کے لئے مباحث اسمبلی ۷ جون ۱۹۷۳ء صہ ۶۹۲ تا ۶۹۴

(ب) اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا اس طرح سے جمعہ کے دن کی توہین تو نہیں ہوتی اور کیا اس میں کوئی تبدیلی زیرِ غور ہے؟

جواب: مولانا کوثر نیازی:۔

(الف) سینما گھروں میں فلموں کی نمائش وغیرہ کے معاملات صوبائی حکومتوں سے متعلق ہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ عام طور پر فلموں کا افتتاح جمعہ ہی کے دن ہوتا ہے (ب) اگرچہ یہ صوبائی معاملہ ہے اس کے باوجود سینما گھروں کے مالکان کو کئی دفعہ مرکزی حکومت کی طرف سے اپیل کی جاچکی ہے کہ وہ جمعہ کے علاوہ کوئی اور دن فلموں کی نمائش کی افتتاح کے لئے مقرر کریں۔

ٹیلیویژن اور عریاں فلمیں

سوال[له] ۱۲۴، ۷ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیرِ اطلاعات ونشریات، حج و اوقاف ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

(الف) آیا ٹیلیویژن پر پیش کی جانے والی ہفتہ وار فلموں کی تعداد بڑھا دی گئی ہے؟

(ب) آیا ٹی وی پر غیر ملکی انگریزی عریاں فلموں کی نمائش بھی ہو رہی ہے؟

جواب: مولانا کوثر نیازی

(الف) جی نہیں۔ (ب) یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے بعض لوگ ان فلموں کو فحش سمجھتے ہیں۔ بعض ایسا نہیں سمجھتے۔ لیکن مزید احتیاط کے لئے ٹی وی کا سنسر بورڈ تشکیل کیا گیا ہے جو ٹی وی پر دکھانے سے پہلے ہر انگریزی فلم کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔

اس مقصد کے لئے ایک جامع سنسر شپ کوڈ تیار کیا گیا ہے تاکہ فحش فلموں کا سدِباب ہوسکے سنسر بورڈ کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس کوڈ کے قواعد وضوابط کی سختی سے پابندی کریں۔

تبلیغ کے نام پر زرِ مبادلہ

سوال نمبر ۱۴۰ مؤرخہ ۱۱ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیرِ مالیات ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

[له] مباحث اسمبلی، جون ۱۹۷۳ء ص ۶۹۳

(الف) غیر ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لئے کن تبلیغی جماعتوں کو زرمبادلہ مل رہا ہے۔؟
(ب) ہر جماعت کو دیئے گئے زرمبادلہ کی تفصیلات کیا ہیں؟ (پ) کیا حکومت نے کبھی ان تبلیغی جماعتوں کے حسابات اور سرگرمیوں کی جانچ پڑتال کی ہے؟ (ت) ان جماعتوں کو کس بنیاد پر زرمبادلہ دیا جاتا ہے؟

جواب: ڈاکٹر مبشر حسن

(الف) غیر ملکی زرمبادلہ میں کوئی گرانٹ نہیں دی جاتی (ب) سوال پیدا نہیں ہوتا (پ) سوال پیدا نہیں ہوتا (ت) سوال پیدا نہیں ہوتا۔

حکومت اور عربی تعلیم

سوال نمبر ۱۴۱ ۱۱، جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر تعلیم از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

(الف) موجودہ حکومت نے اقتدار سنبھالنے کے بعد عربی کی تعلیم کے لئے کتنی رقم مختص کی ہے؟
(ب) حکومت نے عربی کو فروغ دینے کے لئے اگر کوئی قدم اٹھایا ہے تو وہ کیا ہے۔؟
(پ) اگر (ب) بالا کا جواب نفی میں ہے تو مستقبل میں اگر کوئی اقدامات کئے جانے کی تجویز ہے تو انہیں بیان کیا جائے؟

جواب: عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) ماسوا قومی زبان کے صرف مخصوص زبانوں کے لئے امدادی رقوم نہیں دی جاتی۔ تاہم وزارت تعلیم، جامعات، دارالعلوم، صوبائی یونیورسٹیوں اور جدید زبانوں کے ادارے کو معقول رقم دیتی رہی ہے۔ جو یا تو عربی اور اسلامیات کی تعلیم میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں یا پھر عربی کے مکمل شعبے چلاتے ہیں۔

(ب) (۱) مڈل، ثانوی اور کالج کی تعلیم کے لئے مطالعوں کی سکیم میں عربی کی تعلیم شامل ہے۔ موجودہ نصاب کے مطابق جماعت ششم سے کالج کی سطح تک اس کو بطور اختیاری مضمون کے لیا جا سکتا ہے۔
(۲) نصاب اور درسی کتب کے قومی بیورو، وزارت تعلیم میں درجہ اول کی دو آسامیاں ایک عربی کے لئے اور دوسری اسلامیات کے لئے فراہم کی گئی ہیں تاکہ ہر دو مضامین میں بنیادی تحقیق کے لئے کام کیا جائے۔ (۳) جدید زبانوں کا ادارہ مرکزی حکومت نے قائم کیا ہے۔ جہاں پر عربی بھی بطور ایک مضمون کے پڑھائی جاتی ہے (پ) سوال پیدا نہیں ہوتا۔

تعلیمی ادارے اور اسلامی تعلیم

سوال ۱۴۲ مورخہ ۱۱ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر تعلیم از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:

(الف) حکومت نے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامی تعلیم کو اہم مقام دلانے کے لئے کیا خاص تدابیر اختیار کی ہیں۔ (ب) کیا ابتدائی تعلیم میں قرآن پاک کی لازمی تعلیم دی جاتی ہے؟

جواب: عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) اسکول کے نصاب میں اسلامیات کو ایک اہم مقام حاصل ہے اور یہ دسویں جماعت تک مسلمان طلباء کے لئے لازمی ہے ——— علوم انسانی گروپ کے لئے کالج کی سطح پر اسلامیات ایک اختیاری مضمون ہے۔ پنجاب، پشاور، کراچی اور حیدرآباد کی یونیورسٹیوں میں اسلامی مطالعوں کے لئے علیحدہ علیحدہ شعبے موجود ہیں۔ (ب) پرائمری کلاسوں کے لئے اسلامیات کے سلیبس میں قرآن پاک کی کئی ایک سورتیں لازمی ہیں۔

شراب کے اخراجات اور پابندی

سوال ۱۶۶ مورخہ ۱۲ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر صحت و معاشرتی بہبود از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:-

(الف) موجودہ حکومت نے غیر ملکی شراب درآمد کرنے پر کتنا زرمبادلہ خرچ کیا ہے۔؟ (ب) شراب کے استعمال کی حوصلہ شکنی کے لئے حکومت کن تازہ ترین تدابیر پر غور کر رہی ہے؟ (پ) کیا وفاقی سطح پر شراب نوشی پر پابندی عائد کرنے کے بارے میں کسی تجویز پر غور ہو رہا ہے۔؟

جواب: شیخ محمد رشید

(الف) ۱۷ء۴۴ لاکھ روپے۔ (ب) حسب ذیل تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔

(۱) شراب کی درآمدات میں بتدریج کمی کی جائے گی۔

(۲) موجودہ قوانین کا نفاذ صوبوں میں سختی سے کیا جا رہا ہے۔

(پ) جی نہیں! پاکستان میں رہائش پذیر غیر ملکیوں اور سیاحوں کے پیش نظر مکمل پابندی عائد کرنا ممکن نہیں ہے۔ جزوی پابندی پہلے سے موجود ہے۔ مکمل پابندی دس سال تک نہیں لگائی جا سکتی۔

پاکستان اور ہیپی ازم

سوال ۱۶۷ مورخہ ۱۲ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر داخلہ از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

(الف) کیا پاکستان میں غیر ملکی ہیپیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ان کی موجودہ تعداد کتنی ہے؟
(ب) کیا یہ درست ہے کہ ہیپی معاشرہ کو اخلاقی لحاظ سے خراب کر رہے ہیں؟ (پ) کیا حکومت ان کے پاکستان میں داخلہ پر پابندی عائد کرنے کی تجویز رکھتی ہے۔ اگر نہیں تو اس کی وجوہ کیا ہیں؟

جواب:۔ وزیر داخلہ جناب عبد القیوم

(الف) پاکستان میں غیر ملکی ہیپیوں میں اضافے یا ان کی تعداد کے متعلق صحیح صحیح معلومات بہم پہنچانا شائد ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ پاکستان میں داخل ہوتے وقت ان کا اندراج بحیثیت "ہیپی" نہیں کیا جاتا۔
(ب) جی نہیں (پ) جی نہیں۔ شعبۂ سیاحت کے مجوزہ نمونے کے سروے کا نتیجہ معلوم ہونے کے بعد اس سوال پر غور کیا جائے گا۔ اس مجوزہ سروے کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ کس قسم کے سیاح معاشرے پر خراب اثرات مرتب کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

گذشتہ سال کے حجاج کی صوبہ وار تعداد

سوال ۲۴۵ مورخہ ۱۶ جون ۱۹۷۳ء[1]

کیا وزیر اطلاعات و نشریات، اوقاف و حج بیان فرمائیں گے کہ:۔

(الف) امسال کل کتنے افراد کو فریضۂ حج ادا کرنے کا موقع دیا گیا؟ (ب) مجموعی تعداد میں ہر صوبے کی الگ تعداد کتنی تھی؟ (پ) صوبہ سرحد سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے کتنی درخواستیں دی گئی تھیں؟ (ت) کیا عازمین حج کے لئے صوبوں کی بنیاد پر کوئی کوٹہ مقرر کیا گیا ہے؟ (ٹ) اگر مذکورہ بالا (ت) کا جواب اثبات میں ہے تو یہ کوٹہ کس بنیاد پر ہے؟ (ث) اگر مذکورہ بالا (ت) کا جواب نفی میں ہے تو آئندہ کے لئے کوئی تجویز ہے؟

جواب:۔ مولانا کوثر نیازی

(الف) ۴۷۶۳۷ (سینتالیس ہزار چھ سو سینتیس) (ب) پنجاب ۴۲۰۰۳ (بیالیس ہزار تین)

[1] مباحث اسمبلی جون ۱۹۷۳ء ج ش ۱۹ ص ۱۲۴۵

سندھ ۲۱۲۷۴ (اکیس ہزار دو سو چوہتر) شمال مغربی سرحدی صوبہ ۸۱۵۲ (آٹھ ہزار ایک سو باون) بلوچستان ۲۰۷۲ (دو ہزار بہتر) آزاد کشمیر اور قبائلی علاقہ وغیرہ ۱۱۳۵ (ایک ہزار ایک سو پینتیس) میزان ۷۴۶۳۷ (چوہتر ہزار چھ سو سینتیس) ـــــ (ب) ۱۰۲۳۷ (دس ہزار دو سو سینتیس) (ت) جی نہیں۔ (ٹ) سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (ث) صوبہ وار کوٹہ مقرر کرنے کی کوئی تجویز نہیں ہے؟

میزانیہ اور اسلامی تعلیم و تبلیغ

سوال ۲۷۵، مورخہ ۱۸ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر قانون ازراہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) کیا ملک میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے لئے آئندہ سال کے میزانیہ میں کوئی رقم مختص کی گئی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو یہ رقم کتنی ہے، نیز مجوزہ مصارف کی مدات کی تفصیلات بیان کی جائیں (ب) کیا آئندہ سال کے بجٹ میں غیر مسلم ممالک بالخصوص افریقی ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لئے کوئی رقم رکھی گئی ہے اگر یہ صحیح ہے تو کتنی؟ (پ) کیا حکومت ایسے ممالک بالخصوص افریقی ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لئے کچھ رقم مخصوص کرنے کی ضرورت کو سمجھتی ہے؟

جواب :- عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) جی ہاں — ۲۴،۱۰،۴۰۰ روپے

(۱)	انجمن حمایتِ اسلام لاہور	۲۵،۰۰۰ روپے
(۲)	ادارۂ اسلامی ثقافت لاہور	۲۵،۰۰۰ "
(۳)	آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس لاہور	۴،۰۰۰ "
(۴)	تعلیمی، ثقافتی اور مذہبی ادارے	۳،۰۰،۰۰۰ "
(۵)	جامعات دارالعلوم	۱،۵۰،۰۰۰ "
(۶)	صدر کی جانب سے تعلیمی، ثقافتی اور مذہبی اداروں کے لئے عطیات	۵،۰۰،۰۰۰ "
(۷)	اسلامی نصب العین کی مشاورتی کونسل	۲،۷۳،۰۰۰ "
(۸)	مرکزی ادارہ اسلامی تحقیق کے لئے گرانٹس	۱۱،۲۴،۴۰۰ "

علاوہ ازیں پاکستان کی یونیورسٹیوں کو بھی گرانٹیں دی جاتی ہیں یہ یونیورسٹیاں اسلامی

مطالعوں کے لئے مکمل شعبے چلا رہی ہیں۔

(ب) جی ہاں ۰۰ ء۶ء۳۴،۳ء۱ روپے

مذکورہ بالا تحقیقات کے علاوہ دنیا کے مختلف اسلامی اداروں اور مراکز کو بھی مذہبی کتابیں مثلاً قرآن پاک، حدیث، فقہ بھی مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

(پ) جی ہاں! پاکستان انفرادی استعداد کے ساتھ دوسری اسلامی مملکتوں کے صلاح مشورے سے غیر مسلم ممالک خاص طور پر افریقی ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لئے اپنے محدود ذرائع کے اندر رہ کر جو کچھ کر سکتا ہے کر رہا ہے۔

اسلامی مشاورتی کونسل کے مصارف

سوال ۲۷۶، مورخہ ۱۸ر جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر قانون از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) کیا ۱۹۶۲ء کے دستور کے تحت اسلامی نظریات کی مشاورتی کونسل اب بھی قائم ہے؟ (ب) اس کونسل نے اپنے زمانہ قیام میں مرکزی وصوبائی حکومتوں کو کتنی سفارشات پیش کیں؟ (پ) اس کونسل کو کتنے مسائل ارسال کئے گئے ہیں؟ (ت) کونسل نے موصول شدہ مسائل پر اسمبلیوں کو یا صدر اور گورنر کو کتنے مشورے دیئے؟ (ٹ) ان مشوروں پر کہاں تک عملدرآمد ہوا۔ اور کونسل پر اس کے قیام سے اب تک کتنی رقم صرف ہوئی؟

جواب :- عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) جی ہاں (ب) ۴۸ (پ) ۱۹ (ت) ۱۹ کے ۱۹ مسائل پر مشورے دیئے گئے تھے۔ اور کوئی حوالہ زیر غور نہیں ہے (ٹ) (۱) صوبائی حکومتوں کے جوابوں کا انتظار ہے۔ (۲) ۳۰ر اپریل ۱۹۷۳ء تک ۲،۸۷۲،۷۵،۲۱ روپے

سفراء کی تقرری اور اہلیت

سوال[1] ۳۶۴، مورخہ ۲۰ جون ۱۹۷۳ء ——— کیا وزیر امور خارجہ از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) غیر ممالک میں سفراء کی تقرری کے وقت معیار اور دیگر شرائط کو ملحوظ رکھا جا رہا ہے؟

---

[1] مباحث اسمبلی ۱۹۷۳ء ج ۴، ش ۳ ص ۱۹۴۹

(ب) کیا ہمارے سفراء متعلقہ فرائض بخوبی انجام دے رہے ہیں؟

جواب :- عزیز احمد (وزارتِ خارجہ)

(الف) جی ہاں - (ب) جی ہاں

روزگار کے متلاشی انجنیئر اور ڈاکٹر

سوال ۴۵۴ ، مورخہ ۲۰ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر صنعت و بلدیات ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) آیا یہ حقیقت ہے کہ انجنیئر اور ڈاکٹروں جیسے اہل افراد روزگار کی تلاش میں بیرونِ ملک جا رہے ہیں - اور آیا حکومت اس معاملے میں کوئی اقدامات کر رہی ہے؟ (ب) آیا یہ حقیقت ہے کہ قابل افراد کے ملک سے باہر جانے کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں ملازمت کی شرائط پرکشش نہیں اور تنخواہیں کم ہیں؟ (پ) حکومت موجودہ منصوبہ کی مدت میں کتنے ہنرمند افراد اور انجنیئروں کو تربیت دے گی ، اور آیا ایسے افراد کی موجودہ تعداد ہمارے ملک کی ترقی پذیر معیشت کی ضروریات کے لئے کافی ہے؟

جواب :- چوہدری محمد حنیف

(الف) یہ صحیح ہے کہ انجنیئر اور ڈاکٹر جیسے پیشہ ور افراد روزگار کے لئے مختلف ممالک میں جا رہے ہیں لیکن یہ بات بذاتِ خود کوئی انہونی بات نہیں ہے - درحقیقت یہ امر سرکاری پالیسی کے مطابق ہے کہ باقاعدہ اور منظم بنیادوں پر بیرونی پاکستانیوں کے لئے غیر ممالک میں روزگار یا نقل وطن کے مواقع میں اضافہ ہو تاکہ ملک کے اندر بیروزگاری میں کمی واقع ہو اور غیر ممالک میں مقیم پاکستانیوں کی جانب سے فرستادہ رقوم کے باعث زرِ مبادلہ کی کمائی بڑھائی جا سکے - اور دوست ممالک کو فنی امداد دی جا سکے - ساتھ ہی ساتھ حکومت جوہر قابل افراد کو روکنے کے لئے تمام ضروری تدابیر اختیار کر رہی ہے - (ب) ملک سے جوہر قابل فرار نہیں ہو رہا بجز ڈاکٹروں کے جن پر پابندی عائد کر دی گئی ہے - ڈاکٹروں کے بیرونِ ملک روزگار کے حصول کی بلاشبہ ایک وجہ یہ ہی ہے کہ بیرونی ممالک میں ان کے لئے ملازمت کی زیادہ پرکشش شرائط موجود ہوتی ہیں - (پ) الفاظ "ہنرمند افراد اور انجنیئر" چونکہ مبہم ہیں - لہٰذا ایسے افراد کی صحیح تعداد بتانا ممکن نہیں ہے - جو موجودہ منصوبہ کی مدت میں دستیاب ہوں گے -

درحقیقت ہمارے پاس متعدد زمروں کے انجنیئراور ہنرمند افراد کی فاضل تعداد موجود ہے۔ لہٰذا ہم ان افراد کو ملک سے باہر جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ جب ملک کے لئے فنی افراد کی ضرورتیں مکمل طور پر پوری ہو جاتی ہیں۔

پاک بھارت اخبارات ورسائل کی ترسیل و تبادلہ

سوال ۴۵۵ مورخہ ۳۰ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر اطلاعات و نشریات، اوقاف و حج ارشاد فرمائیں گے کہ:-

(الف) آیا یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں اخبارات اور جرائد کا تبادلہ حالیہ جنگ سے بھی پہلے اس وقت بند کر دیا گیا تھا۔ جبکہ دونوں ملکوں میں تعلقات بحال تھے؟ (ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہے۔ تو اس کارروائی کے پس پردہ وجہ کیا تھی۔ اور کس ملک نے اس معاملے میں پہلے قدم اٹھایا؟ (ج) آیا یہ حقیقت ہے کہ اس کارروائی کی وجہ سے پاکستانی مسلمانوں اور ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کے درمیان تعلیمی اور ثقافتی تعلقات ٹوٹ گئے ہیں اور دیوبند، ندوۃ العلماء، علیگڑھ وغیرہ جیسے خالص تعلیمی، مذہبی اور ثقافتی، اشاعتی اداروں پر بہت برا اثر پڑا ہے؟ (د) آیا حکومت دونوں ممالک کے درمیان تعلقات بحال ہونے کے بعد ایسے اقدامات کی تجویز رکھتی ہے کہ مسلمانوں کے ایسے مذکورہ خصوصی تعلیمی اور اشاعتی اداروں کی مطبوعات اور رسائل کے تبادلہ پر سے پابندیاں ہٹ جائیں؟

جواب: مولانا کوثر نیازی

(الف) اس وزارت نے ۱۹۷۱ء کی لڑائی سے پہلے بھارت کے اخباروں اور رسالوں کے تبادلے کے کوئی انتظامات نہیں کئے ہوئے تھے۔ بھارتی اخبارات پریس اتاشی کی معرفت منگوائے جاتے تھے۔ اور ڈپلومیٹک تعلقات ختم ہونے کے ساتھ یہ انتظامات بھی ختم ہو گئے تھے۔

(ب) یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (ج) اور (د) الف بالا کے جواب کے پیش نظر یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔

شراب، مرکزی حکومت اور سرحد کی سابقہ حکومت

سوال ۴۵۶ ۳۰ جون ۱۹۷۳ء کیا وزیر سیاحت ارشاد فرمائیں گے کہ:-

(الف) آیا یہ حقیقت ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ میں پچھلی حکومت کی طرف سے شراب پر

پابندی لگنے کے بعد وفاقی حکومت نے سرکاری طور پر یہ سفارش کی تھی کہ کچھ شراب کی دوکانوں کو پشاور اور قرب وجوار میں کام کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ سیاحت کو فروغ ہو؟ (ب) آیا یہ حقیقت ہے کہ سیاحت کو شراب کے بغیر ترقی نہیں دی جاسکتی ؟

جواب :۔ راجہ تری دیو رائے

(الف) پشاور اور اس کے گردونواح میں شراب کی دوکانوں کے لئے ایسی کوئی سفارش نہیں کی گئی ہے ۔ تاہم صوبائی حکومت سے گذارش کی گئی تھی کہ وہ بعض ایسے کلبوں اور ہوٹلوں کو جہاں غیر ملکی افراد اکثر و بیشتر آتے جاتے ہیں یہ اجازت دے کہ وہ انہیں شراب دے سکیں ۔ (ب) عیاشی اور فحاشی نہایت ہی غیر پسندیدہ ہیں ۔ اور خواہ سیاحت ہو یا کوئی دیگر میدانِ عمل ان سے پرہیز کرنا چاہیئے ۔

جہاں تک شراب کا تعلق ہے صوبائی حکومتوں کی طرف سے اس پر پہلے سے پابندی عائد ہے ۔ تاہم یہ بتانا ضروری ہے کہ جہاں تک غیر ملکی سیاحوں کا تعلق ہے ان میں سے بیشتر کو یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ جن ممالک میں جائیں ، وہاں ان کی یہ عام ضرورت بھی دستیاب ہو ۔ کیونکہ شراب ان کی عام خوراک کا ایک حصہ ہے ۔

گزیٹڈ ملازمین کی تنخواہیں

سوال ۴۷۴ مورخہ ۳ جولائی ۱۹۷۳ء[۱]

کیا وزیر مالیات ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

(الف) آیا ضروریاتِ زندگی کے موجودہ بھاری مصارف کے پیشِ نظر حکومت فوری طور پر گزیٹڈ سرکاری ملازمین کے لئے قومی تنخواہ سکیل کا اعلان کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ؟ (ب) آیا مرکزی حکومت کے کالجوں میں لیکچراروں اور پروفیسروں کو بھی ان سکیلوں سے فائدہ پہنچنے کا امکان ہے ؟ اگر نہیں تو اس کی وجوہات کیا ہیں ؟

جواب :۔ ڈاکٹر مبشر حسن

(الف) جی ہاں ۔ (ب) معاملہ کا حتمی فیصلہ ہونے کے بعد تفصیلات کا پتہ چلے گا ۔

---

[۱] مباحث ۳ جولائی ۱۹۷۳ء ص ۲۴۰۹ ج ۱ ش ۳۳

سوات سے قانون قصاص کی منسوخی

سوال[1] نمبر ۴۷۵ مورخہ ۳ جولائی ۱۹۷۳ء

کیا وزیر قانون ازراہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

(الف) کیا یہ حقیقت ہے کہ ریاست سوات میں پاکستان میں مدغم ہونے سے پہلے قتل کے مجرم کے لیے اسلامی قانونِ قصاص نافذ تھا ؟

(ب) کیا یہ حقیقت ہے کہ ریاست سوات کے پاکستان میں ادغام کے بعد قانونِ قصاص منسوخ کر دیا گیا ؟

(پ) اور کیا یہ بھی حقیقت ہے کہ اس تبدیلی کے بعد سوات میں قتل کے جرائم میں اضافہ ہو گیا ہے ؟

(ت) کیا حکومت کو آگاہی ہے کہ وہاں قانونِ قصاص کی منسوخی سے اسلامی قوانین کی مخالفت نہیں ہو رہی ہے ؟

(ٹ) کیا حکومت ایسے قوانین کو ضلع سوات کے عوام کی خواہش کے پیش نظر دوبارہ نافذ کرنے پر غور کرے گی ؟

جواب :۔ عبدالحفیظ پیرزادہ

چونکہ سابق ریاست سوات شمال مغربی سرحدی صوبے میں مدغم ہو چکی ہے۔ لہٰذا معزز رکن کی جانب سے دریافت کردہ معلومات صرف متعلقہ صوبائی حکومت ہی دے سکتی ہے۔

کالج ، یونیورسٹی اور اسلامیات کی لازمی تعلیم

سوال[2] نمبر ۴۷۶ مورخہ ۳ جولائی ۱۹۷۳ء

کیا وزیر تعلیم ازراہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

آیا حکومت اسلامیات کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تمام جماعتوں کے لئے بطور لازمی اور اہم مضمون کے شامل کئے جانے کے بارے میں فوری اقدام کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ؟

جواب عبدالحفیظ پیرزادہ

اسلامیات دسویں جماعت تک لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے ۔ دسویں جماعت تک

---

[1] مباحث ۳ جولائی ۱۹۷۳ء ج ۳ ش ۲۳ ص ۲۴۱ [2] ایضاً

اسلامیات کی جو تعلیم دی جاتی ہے وہ انہیں اسلام کے مبادی سے روشناس کرنے کے لئے کافی خیال کی جاتی ہے۔ کالج کی سطح پر لازمی مضامین کی تعداد کم سے کم رہ جاتی ہوتی ہے تاکہ طلباء اپنے خصوصی رجحان اور دلچسپی کے مضامین اختیار کریں۔ طلباء اگر دین کا عمیق مطالعہ جاری رکھنا چاہتے ہوں تو ہر راستہ ان کے لئے کھلا ہے اور وہ اسلامیات کا مطالعہ اختیار کرنے کا آزادانہ انتخاب کر سکتے ہیں اسلامیات کو پیشے دی کئی پیشہ وارانہ اداروں جیسے پولی ٹیکنک اور کمرشل ادارہ جات میں لازمی کر دیا گیا ہے۔

روٹری کلب اور لائنز کلب

سوال ۴۸۹ مورخہ ۳ جولائی ۱۹۵۳ء

کیا وزیر داخلہ ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

(الف) آیا ملک میں روٹری کلب اور لائنز کلب جیسے ادارے موجود ہیں ؟

(ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہے تو ایسے کلبوں کی تعداد کتنی ہے ؟

(پ) ایسے کلبوں کے مقاصد، طریقہ کار اور رکنیت کی شرائط کیا ہیں ؟

(ت) آیا یہ درست ہے کہ یہ کلب بھی فری میسن تحریک کی طرح ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہیں جو ملک وملت کے مفادات کے خلاف ہیں ؟

(ٹ) کیا فری میسن قسم کے ایسے کلبوں پر پابندی عائد کرنے کی کوئی تجویز ہے ؟

جواب :۔ خان عبدالقیوم خان

(الف) جی ہاں۔

(ب) درست تعداد معلوم نہیں۔

(پ) ان کلبوں کا مقصد سماجی خدمت بتائی جاتی ہے۔ ان کلبوں کی رکنیت کا طریق کار اور شرائط کا علم نہیں۔

(ت) ان کلبوں کی طرف سے کوئی ضرر رساں سرگرمی حکومت کے علم میں نہیں آئی۔

(ٹ) جی نہیں۔

مباحث ۳ جولائی ۱۹۵۳ء ج ۲ ش ۲۳ ص ۲۳۸

جولائی ۱۹۷۳ء

غیر مسلم عیسائی سرگرمیاں

سوال ۵۴۶ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۷۳ء

کیا وزیرِ اقلیتی امور ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ پاکستان میں عیسائی مشنری ادارے مسلمانوں کو منظم طریقے سے عیسائی بنا رہے ہیں؟ (ب) آیا یہ امر واقع ہے کہ ان اداروں کے پرچار کی بدولت عیسائی بننے والے مسلمانوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہو رہا ہے؟ (پ) آیا یہ امر واقع ہے کہ مشنری سکول، کالج، گرجے اور تمام دیگر عیسائی ادارے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے روپے، جائیداد یا ملازمت کی پیشکش کر رہے ہیں۔؟ (ت) کیا حکومت ایسے ملکی یا غیر ملکی مشنری اداروں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہے۔

جواب :- وزیرِ اقلیتی امور و سیاحت

(الف) حکومت کو علم ہے کہ ہر عقیدے کے مشنری ادارے عام طور پر اپنے اپنے عقیدے کا پرچار کرتے ہیں حکومت کو تاہم یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مسلمانوں کے مرتد ہو کر عیسائی ہونے کے کافی واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں صوبائی حکومتوں سے معلومات کرنے پر پتہ چلا ہے کہ ایک عقیدہ کی بجائے دوسرا عقیدہ اختیار کرنے کے واقعات کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔ اور اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرنے کا کوئی واقعہ صوبائی حکومتوں کے علم میں نہیں آیا۔ بجز بلوچستان کے جہاں گذشتہ چار سال کے عرصہ میں ایسے چار واقعات ہونے کا علم ہوا ہے۔

(ب) حکومت کے علم کے مطابق ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ (پ) ایسا کوئی واقعہ حکومت کے علم میں نہیں آیا۔ (ت) چونکہ اپنے عقیدے کا پرچار کرنے کے حق کو آئین کے تحت تحفظ دیا گیا ہے۔ اس لئے حکومت مذہبی تبلیغ میں اس وقت تک دخل اندازی نہیں کرتی جب تک کہ یہ سرزمین کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرے۔

سوال ۵۵۱ ۷ جولائی ۱۹۷۳ء ——— کیا وزیرِ اقلیتی امور ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ شعبہ اقلیتی امور نے اسلام آباد میں حال ہی میں منعقدہ اقلیتوں کی

کانفرنس میں ۲۰ لاکھ روپے خرچ کئے ہیں؟ (ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہے تو اقلیتوں کی کانفرنس میں اتنی بڑی رقم خرچ کرنے کی وجوہات کیا ہیں؟

جواب، وزیر اقلیتی امور و سیاحت

(الف) جی نہیں۔ (ب) سوال پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اقلیتوں کی کانفرنس، تمام اقلیتوں کے لیڈروں کے مسلسل مطالبہ کے پیش نظر منعقد کی گئی تھی۔ نیز حکومت اور بالخصوص صدر مملکت اقلیتی نمائندوں سے ملاقات کرنے کے خود خواہشمند تھے تاکہ ان کے مسائل و مشکلات پر بحث کی جا سکے اور انہیں یہ یقین دلایا جا سکے کہ حکومت ان کی بہبود کی خواہشمند ہے یہ کانفرنس اقلیتوں کے لئے بہت ہی دلچسپی کا باعث ہوئی اور پاکستان میں ان کا اعتماد قوی تر ہو گیا ہے

مسترد شدہ سوالات

سر ظفر اللہ اور بنگلہ دیش

کیا متعلقہ وزیر ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

(۱) کیا یہ صحیح ہے کہ پاکستان نے سر ظفر اللہ کو عالمی عدالت میں بنگلہ دیش کے قیدیوں کے مسئلہ میں ایڈہاک جج مقرر کیا ہے؟

(۲) کیا سر ظفر اللہ پاکستان کے مسلمانوں کی غیر پسندیدہ شخصیت نہیں؟

(۳) بنگلہ دیش کے قیام میں سر ظفر اللہ کی جماعت کے کردار کے بارہ میں افواہوں اور چہ میگوئیوں کا حکومت کو علم ہے؟

(۴) کیا یہ صحیح ہے کہ مشرقی پاکستان کے عوام ظفر اللہ کی جماعت کو دونوں حصوں میں نفرت پیدا کرنے کا بنیادی سبب سمجھتے ہیں؟

(۵) کیا ظفر اللہ جیسی متنازعہ شخصیت کی متبادل کوئی معتمد شخصیت ایسے نازک مقدمہ کے لئے نہیں مل سکتی تھی؟

تعطیل جمعہ

(۱) کیا وزیر داخلہ ارشاد فرمائیں گے کہ قومی اسمبلی نے تعطیل جمعہ سے متعلق کوئی قرارداد ضمنی کمیٹی کے سپرد کی ہے

وزارت امور خارجہ

(۱) کیا سری لنکا کے پاکستانی سفارت خانے نے جشن آئین کی کوئی تقریب منائی تھی؟

(۲) کیا یہ صحیح ہے کہ اس میں شراب پیش کی گئی اور مسلمان شرکاء نے اس پر شدید احتجاج کیا؟ اور کیا یہ صحیح ہے کہ وہاں کے اخبارات میں ایک اسلامی ملک کے اسلامی آئین کے متعلق تقریب کے اس غیر اسلامی حرکت کی شدید مذمت کی گئی تھی؟

(۳) اگر ایسا ہے تو حکومت نے اس کے تدارک کے لیے کیا اقدامات کئے؟

نومبر، دسمبر ۱۹۶۳ء

وزارت سیاحت اور کراچی میں جوا خانہ

سوال ۳۸، ۲۸ نومبر ۱۹۶۳ء[1]

کیا وزیر سیاحت ازراہ کرم یہ بیان فرمائیں گے کہ:-

(الف) کیا یہ صحیح ہے کہ وزارت سیاحت کی سرپرستی میں کراچی میں ماڈی کا بلند کی سطح پر ایک گیمبلنگ ہاؤس (جوا خانہ) کی تعمیر ہو رہی ہے؟ (ب) کیا یہ صحیح ہے کہ اس میں دنیا کے اعلیٰ اسٹار اور بہترین رقاصاؤں کو تربیت دینے کا پروگرام ہے؟ (ج) کیا یہ صحیح ہے کہ اس مقصد کے لیے حکومت نے ۱۵ لاکھ روپے فراہم کیے ہیں تاکہ باہر کی رقاصائیں منگوا کر پاکستانی خواتین کو تربیت دی جا سکے؟

جواب: اے چوہدری ولی داد خاں

(الف، ب، ج) جی نہیں۔

پاکستان اور غیر ملکی ماہرین

سوال ۵۷، ۲۹ نومبر ۱۹۶۳ء[2]

کیا وزیر معاشی امور ازراہ کرم یہ بیان فرمائیں گے کہ آجکل پاکستان میں کتنے غیر ملکی ماہرین فنی کام کر رہے ہیں اور وہ بطور ماہانہ تنخواہ و الاؤنس کس قدر رقم حاصل کر رہے ہیں؟

جواب: ڈاکٹر ظفر حسن

غیر ملکی ماہرین جو فی الحال پاکستان میں کام کر رہے ہیں اور جن کی خدمات شعبہ اقتصادی امور نے

---

[1] مباحث اسمبلی ۲۸ نومبر ۱۹۶۲ء ج ۳ ش ۳ ص ۱۶۲ [2] ج ۳ ش ۴ ص ۲۲۷

مختلف ٹیکنیکی مدد پروگراموں کے تحت وفاقی وزارتوں/شعبوں اور صوبائی حکومتوں کے واسطے حاصل کی گئیں کی تعداد ۱۶۵۱ ہے۔ ملک وار/ایجنسی وار تفصیل ایوان کی میز پر رکھے گئے کیفیت نامہ میں دی گئی ہے۔ اس اعداد و شمار میں وہ غیر ملکی ماہرین شامل نہیں جو تربیلا جیسے منصوبوں اور ان منصوبوں میں جن میں خاص منصوبہ امداد سے سرمایہ لگتا ہے یا وہ جن سے غیر ملکی اور پاکستانی فریں خدمت لے رہی ہیں شامل نہیں ہیں۔ پاکستان میں ایسا کوئی ماہر کام نہیں کر رہا ہے۔ جسے حکومت پاکستان کی طرف سے مشاہیر ادا کئے جاتے ہیں۔ کیفیت نامہ جسے ایوان کی میز پر پیش کیا جاتا ہے۔

حکومت کی کئی وزارتوں/شعبوں/صوبائی حکومتوں کے واسطے شعبہ اقتصادی امور نے جن غیر ملکی ماہرین کی خدمات حاصل کی ہیں اور فی الحال جو پاکستان میں کام کر رہے ہیں ان کی کل تعداد ۱۶۵۱ ہے۔ ملک وار/ایجنسی وار تفصیل نیچے دکھائی گئی ہے۔ (گوشوارہ منسلک تھا)

لیبیا اور پاکستانی ماہرین کی فراہمی میں کوتاہی

سوال[۴] ، یکم دسمبر ۱۹۷۳ء

کیا وزیر امور خارجہ از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) آیا لیبیا کی حکومت نے اپنے تیل صاف کرنے والے کارخانوں کے منصوبوں کے لئے ماہرین کی خدمات کے لئے پاکستان سے درخواست کی تھی؟ (ب) اگر ایسا ہے تو پاکستان نے کس حد تک یہ مطالبہ پورا کرنے کی کوشش کی؟ (پ) اگر نہیں کی تو آیا اس سے ہندوستان کو لیبیا میں ایک مضبوط لابی بنانے میں مدد نہیں ملی ہے؟ (ت) اگر (پ) بالا کا جواب اثبات میں ہو تو آیا اس صورتحال کی اصلاح کے لئے کوئی تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو اس کی تفصیلات کیا ہیں۔

جواب : جناب عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) جی نہیں۔ (ب، پ، ت) سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

غیر ملکی فلمیں اور زر مبادلہ

سوال[۵] ، ۳ دسمبر ۱۹۷۳ء

کیا وزیر مالیات از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) غیر ملکی فلموں کی درآمد پر موجودہ حکومت کی طرف سے خرچ کئے گئے زر مبادلہ کی رقم کیا ہے؟

[۵] مباحث اسمبلی ۱۷ دسمبر ۷۳ء ۱۹ مارچ ۷۴ء ش ۹ صفحہ ۲۲۱

(ب) اس مدت میں بیرون ملک برآمد کی گئی پاکستانی فلموں سے کمایا گیا زرمبادلہ کتنا ہے؟

جواب:۔ جناب جے اے رحیم

(الف) یکم جنوری ۱۹۷۲ء سے ۳۰ ستمبر ۱۹۷۳ء تک کی مدت کے دوران غیر ملکی (ایکسپوزڈ) فلموں کے لئے جاری کئے جانے والے لائسنسوں کی مالیت ۸۷۵،۸۴۰/- ڈالر تھی۔ (ب) یکم جنوری ۱۹۷۲ء سے ۳۰ ستمبر ۱۹۷۳ء تک کی مدت کے دوران پاکستان سے (ایکسپوزڈ) فلموں کی برآمدات کی مالیت ۳۸۹،۰۰۰/- ڈالر تھی۔

ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی معزولی

سوال نمبر ۱۱۷، ۶ دسمبر ۱۹۷۳ء[1]

کیا وزیر قانون ازراہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

(الف) کیا یہ حقیقت ہے کہ اسلامی تحقیقاتی ادارے کے ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز سابقہ شخص کو اس کے عہدے سے برخاست کر دیا گیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کی وجوہات کیا ہیں؟ (ب) کیا یہ حقیقت ہے کہ مذکورہ ادارے میں بعض ملازمین کے بارے میں الزام یہ ہے کہ وہ سی۔ آئی۔ اے اور صیہونیت کے ایجنٹ ہیں؟ (پ) کیا یہ حقیقت ہے کہ اس ڈائریکٹر کو اس لئے سزا دی گئی ہے کیونکہ اس نے بعض اسلامی معاملات میں افسران کے احکام کی تعمیل نہیں کی تھی؟

جواب:۔ جناب عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) جی نہیں حقیقت میں وہ خود مستعفی ہو گیا تھا۔ اور بعد میں اسے اپنا استعفیٰ واپس لینے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ (ب، پ) جی نہیں۔

مولانا عبدالحق:۔ جناب والا! جواب انگریزی میں دیا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا۔

عبدالحفیظ پیرزادہ:۔ درحقیقت انہوں نے استعفیٰ دے دیا تھا اور بعد میں ان کو اپنا استعفیٰ واپس لینے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ (ب) کا جواب ہے "نہیں" اور (پ) کا جواب بھی "نہیں" ہے۔

مولانا عبدالحق:۔ جناب والا! کہا جاتا ہے کہ ارتداد کے متعلق ایک مقالہ اور کتاب جس میں مرتد کی شرعی سزا قتل کی تردید کی گئی تھی۔ جناب معصومی صاحب ڈائریکٹر سے کہا گیا کہ اس کی تائید کریں لیکن انہوں نے تائید نہیں کی اسی وجہ سے ان کو استعفےٰ دینے پر مجبور کیا گیا۔

---

[1] مباحث اسمبلی ۶ دسمبر ۱۹۷۳ء ج ۴ ش ۹ ص ۱۹۹

عبدالحفیظ پیرزادہ:- آپ کا الزام غلط ہے جہاں تک معصومی صاحب کا تعلق ہے انہوں نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ وہ پہلے ڈائریکٹر نہیں تھے بلکہ ان کا عہدہ پروفیسر کا تھا۔ وہ بطور ڈائریکٹر کام کر رہے تھے۔ استعفےٰ دینے کے بعد انہوں نے درخواست کی کہ ان کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنا استعفےٰ واپس لے لیں۔ پھر ان کو بطور پروفیسر بحال کر دیا گیا۔ کسی قسم کی انتقامی کارروائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم نے انکے ساتھ احسان کیا ہے کیونکہ جب ایک استعفیٰ دے دیتا ہے تو اس کی ملازمت ختم ہو جاتی ہے۔

افریقی ممالک میں تبلیغ اسلام

سوال نمبر ۱۸۳ ، ۱۷ دسمبر ۱۹۷۳ء[1]

کیا وزیر امور خارجہ ارشاد فرمائیں گے کہ

(الف) آیا ایسے افریقی ممالک میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے مراکز قائم کئے جا رہے ہیں جنہیں حال ہی میں آزادی ملی ہے؟ (ب) آیا ابھی کوئی تبلیغی جماعت وہاں بھیجی جائے گی؟

جواب دستیاب نہیں ہو سکا

اپریل ۱۹۷۴ء

عربی زبان کا فروغ اور حکومت

سوال [illegible] ، ۱۰ اپریل ۱۹۷۴ء

کیا وزیر تعلیم بیان فرمائیں گے کہ :-

(الف) کیا یہ درست ہے کہ عوام نے لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس کے انعقاد کے بعد عربی میں گہری دلچسپی لینی شروع کر دی ہے؟ (ب) اگر الف کا جواب اثبات میں ہو تو کیا حکومت نے عربی کے فروغ و تعلیم کے لئے کوئی اقدام کیا ہے؟ (ج) کیا حکومت تعلیمی اداروں کے نصابوں میں عربی کو لازمی مضمون کا درجہ دینے پر تیار ہے؟

جواب :- عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) جی ہاں حال ہی میں لاہور میں کامیابی کے ساتھ منعقد ہونے والی اسلامی سربراہ کانفرنس کے نتیجہ میں پاکستان کے عوام نے عربی زبان کے بارے میں نہایت جوش و خروش کا اظہار کیا ہے۔

---

[1] مباحث اسمبلی ۱۷ دسمبر ۱۹۷۳ء ج ۴ ش ۱۸ ص ۹۳۳

(ب) آیا حکومت ۵، ۱۲ ایکڑ زمین کی بجائے ۲۵ ایکڑ زرعی زمین کو ان اصلاحات کی وسعت سے نکالنے کو تیار ہے۔

جواب :- میجر جنرل (ریٹائرڈ) جمالدار

(الف) یہ سوال مبہم ہے۔ جن مشکلات کا حوالہ دیا گیا ہے ان کی تخصیص نہیں کی گئی معزز رکن سے درخواست ہے کہ ان کی تخصیص فرماویں۔ (ب) یہ سوال بھی مبہم ہے، ۵، ۱۲ ایکڑ کی ملکیت ضابطہ کے دائرہ سے باہر نہیں۔ ضابطہ کی تمام تصریحات کا مساوی طور پر ۵، ۱۲ ایکڑ اور ۲۵ ایکڑ پر اطلاق ہوتا ہے۔

ریڈیو، ٹی وی اور عربی زبان

سوال ۱۳۲، ۱۶ اپریل ۱۹۷۴ء

کیا وزیر اطلاعات و نشریات، اوقاف اور حج ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) کیا یہ حقیقت ہے کہ عربی میں پروگرام ریڈیو سے نشر اور ٹیلیویژن سے پیش کئے جاتے ہیں۔؟ (ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہے تو اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ (پ) آیا حکومت عرب ریاستوں کے ساتھ تعلقات بڑھانے اور عربی زبان کو فروغ دینے کے لئے لٹریچر، اخبارات یا رسائل عربی زبان میں شائع کرتی ہے؟ (ت) اگر پ بالا کا جواب اثبات میں ہے تو اس کی تفصیلات کیا ہیں۔ بصورت دیگر اس سلسلے میں آئندہ کیا اقدامات کرنے کی تجویز ہے؟

جواب :- مولانا کوثر نیازی

(الف) جی ہاں۔ (ب) ریڈیو سے نشریات کی تفصیلات :-

ملکی نشریات

(۱) ملک کے ساتوں اسٹیشنوں سے تلاوت کلام پاک روزانہ دس منٹ

(۲) ملک کے ساتوں اسٹیشنوں سے عربی کے اسباق دس منٹ روزانہ (یہ اسباق ۱۲ اپریل ۱۹۷۴ء سے شروع ہوں گے)

(۳) ملک کے تمام اسٹیشنوں سے خاص مواقع مثلاً رمضان المبارک اور ربیع الاول میں قرأت کے پروگرام۔

(۴) ملک کے تمام اسٹیشنوں سے عربی موسیقی روزانہ دس منٹ

بیرونی نشریات

روزانہ ساڑھے گیارہ بجے شب سے لے کر ایک بجے تک ڈیڑھ گھنٹہ کی عربی نشریات تمام عربی بولنے والے ممالک کے لئے اس میں تلاوت کلام پاک، خبریں، تقریریں، تبصرہ، پاکستانی اور عربی موسیقی پیش کی جاتی ہے۔

ٹیلیویژن پروگراموں کی تفصیل

(۱) پاکستان میں ٹیلیویژن کے تمام مراکز کی نشریات پروگرام بصیرت سے شروع ہوتی ہیں۔ یہ پروگرام آٹھ منٹ کا ہوتا ہے۔ اس پروگرام میں آیاتِ قرآنی کی تلاوت کی جاتی ہے اور ان کی تفسیر بھی دی جاتی ہے۔

(۲) مندرجہ ذیل موقعوں پر پاکستان ٹیلیویژن کارپوریشن کے تمام مراکز سے قرأت کے پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ (عید میلاد النبیؐ، عید الفطر، عید الاضحیٰ، حج، شبِ معراج، محرم الحرام اور رمضان المبارک)

(۳) حج کے موقع پر دوسرے اسلامی ممالک کے عربی پروگرام بھی نشر کئے جاتے ہیں۔

(۴) جب بھی بین الاقوامی قرأت کے مقابلے ہوتے ہیں اگر ان کا ریکارڈ دستیاب ہو تو پاکستانی ٹیلیویژن کارپوریشن کے تمام مراکز سے نشر کئے جاتے ہیں۔

(۵) اسلامی سربراہ کانفرنس سے پیشتر اور اس کے انعقاد کے دوران مسلم ممالک کے عربی پروگرام پاکستان ٹیلیویژن کارپوریشن کے تمام مراکز سے نشر کئے گئے۔ اور اس طرح لاہور کے ٹیلیویژن مرکز سے عربی میں خبریں باقاعدہ نشر کی جاتی رہیں۔

(۶) پاکستان ٹیلیویژن کارپوریشن کے تمام اسٹیشنوں سے عربی میں اسباق شروع کرنے کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ امید ہے مہینہ بھر کے اندر اندر ان پر عملدرآمد شروع ہو جائے گا۔

(ج) جی ہاں۔ تفصیلات

(۱) وزارتِ اطلاعات و نشریات کا ادارہ مطبوعات فلم سات زبانوں میں جن میں عربی بھی شامل ہے ایک دوماہی رسالہ پاکستان مصور شائع کر رہا ہے۔

(۲) اسلامی سربراہ کانفرنس کے دوران اس ادارے نے شریک ملکوں کی تاریخ اور وہاں کے رہنماؤں کے حالاتِ زندگی پر مشتمل عربی زبان میں رسالے شائع کئے۔ اس کے علاوہ دو اور رسالے ایک پاکستان کے متعلق اور دوسرے اسلامی ممالک سے اتحاد کو مستحکم کرنے کے لئے پاکستان نے جو کام کیا

ہے اس کے متعلق شائع کئے۔

(۳) وزارت کے اس ادارے کی کئی مطبوعات جو عرب ممالک کے لوگوں کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں عربی زبان میں شائع ہوتی رہتی ہیں اور ان ممالک میں ہمارے سفارتخانوں کے ذریعے تقسیم کی جاتی ہیں۔

عربی زبان کی باقاعدہ تدریس کے لئے اس ادارے کی طرف سے شائع ہونے والے ہفتہ وار رسالہ پاک جمہوریت میں ایک سیکشن عربی کی تعلیم کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یکم اپریل ۱۹۷۵ء سے جبکہ بیرونی ممالک میں نشر و اشاعت کا شعبہ وزارت امور خارجہ کی تحویل میں جا چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سمندر پار کے ملکوں جن میں عرب ممالک بھی شامل ہیں، کی نشر و اشاعت کا بجٹ بھی اس وزارت کو دے دیا گیا ہے۔ بہرحال وزارت اطلاعات اپنے مقدور بھر کوشش کر رہی ہے کہ عرب ممالک، ایران اور دیگر مسلم ممالک سے ہمارے تعلقات میں اضافہ ہوتا رہے۔

ملک میں بیروزگاری

سوال نمبر ۱۳۸، ۱۶ اپریل ۱۹۷۶ء

کیا وزیر افرادی قوت ارشاد فرمائیں گے کہ:-

(الف) آیا یہ حقیقت ہے کہ ملک کے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے بیروزگاری ایک سنگین مسئلہ بن گئی ہے؟ (ب) آیا وفاقی حکومت اس مسئلے کو حل کرنے میں صوبوں کی امداد کرنے کے کسی قسم کے اقدامات کر رہی ہے؟ (پ) آیا یہ حقیقت ہے کہ ہزاروں بیروزگار افراد نوکریوں کی تلاش میں ممالک غیر جاتے ہیں۔ (ت) آیا یہ درست ہے کہ ان لوگوں کو غیر ملکوں میں کئی ایک بے آرامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ (ٹ) کیا یہ بھی درست ہے کہ اس کا علاج یہ ہے کہ باہر جانے والے ملازمتوں کے متلاشیوں پر پابندی لگائی جائے۔ اور ملک کے اندر ہی ان کے لئے روزگار کے مواقع بہم پہنچائے جائیں؟

جواب:- چوہدری محمد حنیف

(الف) جی ہاں۔ (ب) اس مسئلے سے موثر طور پر نمٹنے کے لئے وفاقی حکومت صوبوں کی پوری مدد کر رہی ہے۔ ملک میں بے روزگاری سے نمٹنے کے لئے کئی پروگرام تشکیل کئے گئے ہیں۔ ان پروگراموں میں سے بعض کو حکومت براہ راست عمل جامہ پہنا رہی ہے۔ جیسا کہ قومی ترقیاتی رضاکار پروگرام

جبکہ دوسرے پروگراموں پر صوبائی حکومتیں وفاقی حکومت کی جانب سے دی جانے والی مالی امداد سے عملدرآمد کر رہی ہیں۔ جیسے عوامی تعمیراتی پروگرام، دیہی ترقیاتی پروگرام وغیرہ۔ (پ) جی نہیں متعدد حد سے زیادہ خیال نہیں کی جاتی۔ (ت) جی نہیں۔ ماسوائے ان لوگوں کے جو ناپسندیدہ طور پر بیرون ملک جاتے ہیں۔ (ٹ) جی نہیں۔ اس کا حل ناپسندیدہ روانگی کو روکنے میں ہے نہ کہ ان لوگوں کی بیرون ملک روانگی پر بندش لگانے میں جن کے پاس نوکری کی مناسب پیش کش موجود ہوں۔ اصل میں حکومت زرمبادلہ کمانے، بے روزگاری ختم کرنے اور دوست ممالک کو فنی تعاون مہیا کرنے کے خیال سے سوچی سمجھی اور منظم بنیاد پر افرادی قوت کی برآمد کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ (ث) بالا میں بیان کردہ اقدامات کے علاوہ حکومت سرکاری اور نجی شعبوں میں روزگار کے مزید مواقع پیدا کرنے کی سرتوڑ کوشش بھی کر رہی ہے۔

ربوہ کا سالانہ اجتماع اور سرکاری خرچ پر سوئی گیس

سوال نمبر ۱۴۴، ۱۶ اپریل ۱۹۷۴ء

کیا وزیر ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

آیا یہ حقیقت ہے کہ سوئی گیس کمپنی نے ہنگامی بنیاد پر احمدی فرقہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر ربوہ میں پانچ ہزار فٹ لمبی پائپ لائن بچھائی جس پر تقریباً چار لاکھ روپے لاگت آئی؟

جواب:۔ محمد حنیف

جی ہاں، لیکن صرف ۸۰ ہزار روپے خرچ ہوئے، چار لاکھ نہیں۔

قومی پے سکیل اور پرانے ملازمین کی حق تلفی

سوال نمبر ۱۴۷ (۱۷-۴-۷۴ء)

کیا وزیر مالیات بیان فرمائیں گے کہ:۔

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ نیشنل پے سکیل کے اجراء کے بعد پرانے ملازمین کو نئے بھرتی ہونے والے ملازمین کی نسبت نقصان اٹھانا پڑا ہے؟ (ب) کیا یہ درست ہے کہ وہ ملازمین جن کی تاریخ سالانہ ترقی یکم دسمبر تھی، نیشنل پے اسکیل کے بعد خسارہ میں نہیں رہے؟ (پ) کیا یہ صحیح ہے کہ ۷۰۰ روپے تک تنخواہ پانے والے ملازمین کو ۲۵/- روپے مہنگائی الاؤنس دیا گیا ہے۔ جبکہ ملٹری پنشنرز (ر) کو مجموعی امداد کے علاوہ مہنگائی الاؤنس بھی دیا جا رہا ہے جس کا مجموعہ ۶۰ روپے سے کم نہیں بنتا۔

(ت) اگر پ کا جواب اثبات میں ہو تو اس تفاوت کا جواز کیا ہے؟

جواب:- جناب جے۔ اے رحیم۔

(الف) سب معاملات میں نہیں۔ (ب) ان ملازموں کو کوئی نقصان نہیں ہوا (پ) ۰۰۰ روپے تک تنخواہ پانے والے سرکاری ملازمین کو ۳۵/- روپے ماہانہ مہنگائی الاؤنس دیا جاتا ہے۔ تمام پنشنروں کو جو مہنگائی الاؤنس اور عبوری امداد کی مجموعی رقم ۶۰/- روپے نہیں بنتی بعض معاملات میں یہ رقم کم ہے اور بعض میں زیادہ ہے۔ (ت) سرکاری پنشنر جنہیں مہنگائی الاؤنس اور عبوری امداد دی گئی۔ ان کے مقابلے میں سرکاری ملازمین کو مہنگائی الاؤنس اور قومی پے اسکیل اسکیم کے تحت تنخواہوں پر نظر ثانی سے فائدہ پہنچا ہے۔

ملازمین اور میڈیکل الاؤنس

سوال ۱۴۹، ۱۷ اپریل ۱۹۷۴ء

کیا وزیر مالیات بیان فرمائیں گے کہ:-

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ گریڈ ۲-۹ کے سرکاری ملازمین کو کسی قسم کا میڈیکل الاؤنس نہیں دیا جاتا؟ (ب) کیا حکومت ان سرکاری ملازمین کو میڈیکل الاؤنس دینے کا ارادہ رکھتی ہے؟

جواب:- جناب جے، اے، رحیم

(الف) جی ہاں کسی سرکاری ملازم کو یہ الاؤنس نہیں ملتا۔ بہرحال سرکاری ملازمین کا سرکاری ہسپتالوں میں مفت علاج کیا جاتا ہے۔ (ب) سرکاری ملازمین کے کسی زمرہ کو یہ الاؤنس دینے کا ارادہ نہیں ہے۔

چند مسترد شدہ سوالات

افواج کی ترقیاتی پالیسی

(الف) کیا وزیر دفاع بتا سکیں گے کہ افواج کی موجودہ پروموشن پالیسی سے اچھے تجربہ کار اور مستحق افسران کی حق تلفی ہو رہی ہے؟ (ب) کیا یہ صحیح ہے کہ بہت سے جونیئر افسران کو ترقی دی گئی اور جس سے سروسز میں بے اطمینانی پھیل گئی ہے۔ (ج) سروس ترقیوں میں بلوچستان اور سرحد سے کتنے لوگ لئے گئے

ہیں۔ ان کے نام عہدہ اور ترقیوں کی تفصیل کیا ہے؟ (د) کیا یہ درست ہے کہ سرحد سے نیوی کے دو لیفٹیننٹ کمانڈر جن کی کارکردگی کی رپورٹ اچھی تھی اور جو کمانڈر کی پوسٹ پر کام کر رہے تھے۔ پچھلے آٹھ ماہ سے دونوں کو کراس کر کے جونیئر افراد کو ترقی دی گئی؟

آرڈیننس ڈپو لاہور کے ملازمین سے نیادتی

یکم اپریل ۱۹۷۴ء ——— کیا وزیر محنت بتا سکیں گے کہ :۔

(الف) کیا یہ صحیح ہے کہ ریٹائرمنٹ پالیسی کے باوجود آرڈیننس ڈپو لاہور سے مزدوروں کا ۵۵ سال عمر یا ۲۵ سال سروس کے حساب سے اخراج ہوا ہے؟ (ب) کیا یہ صحیح ہے کہ ۵۵ سال یا ۲۵ سال سروس مکمل ہونے کے باوجود ایسے لوگوں کو کام پر بلایا گیا اور کام کر رہے ہیں جو پہلے ریٹائرمنٹ پر تھے؟ (ج) کیا یہ صحیح ہے کہ آرڈیننس ڈپو لاہور کے ملازمین کو مہنگائی الاؤنس نہیں دیا گیا؟

سرکاری ضیافتیں، شراب اور سؤر کا گوشت

سوال ۱، ۴ اپریل ۱۹۷۴ء ——— کیا یہ صحیح ہے کہ حکومت کے زیر اہتمام ملک کے اندر یا باہر دی جانے والی ضیافتوں میں شراب اور دیگر الکحل کے مشروبات، سؤر کا گوشت اور دیگر ایسے طعام جو اسلام کی رو سے حرام ہیں پیش کئے جاتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو کیا یہ اسلامی مملکت کے شایان شان ہے؟

سوال ۲، ۴ اپریل ۱۹۷۴ء ——— اگر نہیں تو اس کی روک تھام کے لئے کوئی اقدامات زیر غور ہیں؟

اضافہ تنخواہ میں تفاوت!

سوال ۳ ——— کیا وزیر خزانہ بتا سکیں گے کہ نئے پے سکیل میں جونیئر کلاس ون افسروں کی تنخواہ ۴۰۰/- سے ۵۰۰/- اور سینیئر کلاس ون افسروں کی تنخواہ ۵۰۰/- سے ۱۰۰۰/- تک مقرر ہوئی ہے یہ عظیم تفاوت اسلام کے نظام عدل اور مساوات سے جوڑ کھاتا ہے۔

سی ڈی اے کے ملازمین

سوال ۴، ۹ اپریل ۱۹۷۴ء ——— کیا وزیر موصوف بتا سکیں گے کہ محکمہ سی ڈی اے میں باہر سے آئے ہوئے ملازمین جو کہ اسی وجہ سے بلائے گئے تھے کہ اس محکمہ کا اپنا سٹاف نہیں تھا۔ اب اپنا سٹاف ہونے کے باوجود ان لوگوں کو سی ڈی اے میں رکھا گیا ہے؟ اور اپنے سٹاف سے زائد تنخواہ ان کو مل رہی ہے جو کہ مذکورہ محکمے کے اوپر ایک زائد بوجھ ہے۔

سوال ۵ ـــــ کیا وزیر موصوف یہ بتا سکیں گے کہ محکمہ سی ڈی اے میں ان باہر سے آئے ہوئے ملازمین کو جن کے دس سال پورے ہو چکے ہیں اور جن کے بارے میں فیصلہ بھی ہو چکا ہے کہ وہ اپنے محکموں کو واپس چلے جائیں۔ ان کی واپسی کی رفتار اتنی سست کیوں ہے ؟

سوال ۶ ـــــ کیا وزیر موصوف بتا سکیں گے کہ محکمہ سی ڈی اے سے ان باہر کے ملازمین میں چند یا کسی ایک کو دفعہ واپسی کے آرڈر کرنے کے بعد پھر تیسری مرتبہ کیوں اس محکمہ میں رکھا گیا۔ اور سابقہ آرڈروں کو التوا میں رکھنا پڑا اور یونین کے بار بار مطالبات کے باوجود ان کو کیوں زائد میعاد دی جا رہی ہے ؟

پٹرول ڈیلروں کے مسائل

سوال ۲۵ ۔ ۹ر اپریل ۱۹۷۴ء

کیا وزیر ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل ازراہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) آیا یہ حقیقت ہے کہ پٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں اضافہ سے پٹرول ڈیلروں کی کمیشن [illegible] اضافہ نہیں کیا گیا ہے ۔ (ب) آیا یہ امر واقعہ ہے کہ کمیشن کی موجودہ شرح وہی ہے۔ جب [illegible] بالترتیب ۲ر روپے اور ۲۵ر روپے فی گیلن کے نرخ پر فروخت ہوتے تھے۔ (پ) آیا موجودہ [illegible] کاؤ اور ملازمین کی تنخواہوں اور دیگر مراعات کے پیش نظر پٹرول کے بیوپاریوں کو فی الوقت [illegible] کمیشن دیا جاتا ہے وہ ان کے تمام اخراجات پورا کرنے کے لئے کافی ہے۔ (ت) کیا یہ امر واقعہ ہے کہ تیل کی کمپنیاں قبل ازیں پٹرول کے بیوپاریوں کو متعدد مراعات دیتی تھیں جو کہ اب واپس لی جا چکی ہیں۔ [illegible] ایک پٹرول پمپ کو تیل کی فروخت سے اوسطاً روزانہ کتنا منافع ہوتا ہے۔ اور کسی پٹرول پمپ کے اخراجات کتنے ہوتے ہیں ۔

جواب :- جناب محمد حنیف وزیر ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل

(الف) یکم مارچ ۱۹۷۴ء سے پٹرول پر کمیشن کی شرح ۱۹ پیسے سے بڑھا کر ۲۵ پیسے فی گیلن اور ہائی اسپیڈ ڈیزل پر ۸ پیسے سے بڑھا کر ۱۰ پیسے فی گیلن کر دی گئی ہے ۔ (ب) جی نہیں ۔

(پ) جی ہاں، مگر شرط یہ ہے کہ اخراجات معقول ہوں۔ (ت) تیل کمپنیاں دھماکہ خیز اشیاء کی فیس ادا کر رہی ہیں اور انہیں دیئے گئے ساز و سامان کی مرمت کراتی ہیں۔ ان کمپنیوں نے یہ سہولتیں واپس نہیں لی ہیں۔ صرف ایک کمپنی پہاڑی علاقوں میں اپنے پمپوں کو ایک فیصد کمی کا الاؤنس دیتی تھی جسے اب پی سے اپنے منافع کی حد میں کمی کے پیش نظر واپس لے لیا ہے۔ (ٹ) اس بات کا دار و مدار تجارت کی مقدار، پمپ کی کارکردگی نیز اس کے محل وقوع پر ہوتا ہے۔ طبعی نمونوں کی بنیاد پر لئے گئے جائزوں سے ظاہر ہوا ہے کہ پٹرول پمپ کا اوسط روزانہ منافع اندازاً ۵۲ روپے اور اوسط ماہانہ خرچ اندازاً ۵ ۷۶۰۳ روپے ہوگا۔

جون ۱۹۷۴ء

قومی پے اسکیل میں بے انصافی

سوال نمبر ۲۲، ۲۴ جون ۱۹۷۴ء

کیا وزیر مالیات ازراہ کرم بیان فرمائیں گے کہ :-

آیا قومی پے سکیل میں گریڈ ۱۶ (سابق جونیئر کلاس ون) کے افسروں کی تنخواہ بڑھا کر ۵۰/۴ روپے سے ۵۰۰/- روپے اور گریڈ ۱۷ (سابقہ سینیئر کلاس ون) کے افسروں کی تنخواہ ۷۵۰/- روپے سے ۱۰۰۰/- روپے کر دی گئی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ان کی تنخواہوں کے اسکیلوں کی ابتدائی رقم میں اتنا فرق کیوں ہے ؟

جواب :- ڈاکٹر مبشر حسن

سابق جونیئر کلاس ون کے افسران گریڈ ۱۷ میں ہیں۔ گریڈ ۱۶ میں نہیں ہیں۔ اسی طرح سابق سینیئر کلاس ون افسران گریڈ ۱۸ میں ہیں گریڈ ۱۷ میں نہیں۔ گریڈ ۱۸ کی ابتداء میں زیادہ اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ بہت سے اسکیلوں کو جو ۷۵۰/- روپے سے ۱۲۵۰/- روپے تک پھیلے ہوئے تھے انہیں ایک نیشنل (سینیئر) اسکیل سے تبدیل کرنا تھا۔

ایم ای ایس راولپنڈی صدر کی مسجد

سوال نمبر ۱۸۶، ۲۰ جون ۱۹۷۴ء ——— کیا وزیر دفاع بیان فرمائیں گے کہ :-

ایم ای ایس کینٹ بورڈ نزد مرنی لائینز ڈھیری حسن آباد راولپنڈی کی مرمت گذشتہ ۱۵ سال نہ

کرنے کی وجوہات کیا ہیں؟

جواب: عزیز احمد

ایم ای ایس شارع عام نہیں، کینٹونمنٹ بورڈ نے پہلے ہی مری لائنز کے قریب کینٹونمنٹ روڈ کی ضرورہ مرمت کردی ہے، یہ کہنا درست نہیں کہ پہلے ۱۵ سال میں مرمت نہیں کی گئی۔

سوال ۱۸۷، ۲۰ جون ۱۹۷۴ء

کیا وزیر دفاع از راہ کرم بیان فرمائیں گے کہ:-

آیا یہ امر واقع ہے کہ مری لائنز ڈھیری حسن آباد راولپنڈی چھاؤنی کی مسجد کو ان شہریوں کے لئے بند کر دیا گیا ہے جو اس کے قریب رہتے ہیں، اگر ایسا ہے تو اس کی وجوہات کیا ہیں؟

جواب:- مری لائنز ڈھیری حسن آباد میں مسجد یونٹ کی مسجد ہے جو صرف ان فوجی اور سول ملازمین کے لئے بنائی گئی تھی جو یونٹ لائنز میں رہائش پذیر تھے مسجد کے دو دروازے ہیں، ایک یونٹ کے صحن میں کھلتا ہے، دوسرا شارع عام پر۔ شارع عام پر کھلنے والا دروازہ سیکورٹی کے پیش نظر بند کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ غیر مجاز عملہ بھی مسجد کے راستے یونٹ لائنز میں داخل ہو جاتے ہیں۔

دسمبر ۱۹۷۴ء

پاکستان اور عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں

سوال ۴۸، ۹ دسمبر ۱۹۷۴ء

کیا وزیر اقلیتی بیان فرمائیں گے کہ:-

(الف) پاکستان میں عیسائی مشنری اداروں مثلاً اسکول و کالج و چرچ اور ہسپتال وغیرہ کی تعداد اور ان کی تفصیلات کیا ہیں؟ (ب) کیا یہ درست ہے کہ ان اداروں کی کوششوں سے عیسائی بننے والے مسلمانوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہو رہا ہے؟ (پ) نیز کیا حکومت کو ان کی سرگرمیوں کا علم ہے اگر یہ صحیح ہے تو ان پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے؟

جواب:- ملک محمد جعفر وزیر مملکت برائے اقلیتی امور و سیاحت

(الف) اعداد فراہم کئے جا رہے ہیں۔ (ب، پ) جواب نہیں دیا گیا۔

فحش اور قابل اعتراض لٹریچر کی اشاعت اور درآمد

سوال ۵۸ ، ۱۱۔دسمبر ۱۹۷۴ء

کیا وزیر داخلہ بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) کیا فحش و قابل اعتراض نیز نظریہ و سالمیت پاکستان کے خلاف لٹریچر کی اشاعت پر پابندی عائد ہے۔ (ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہے تو ۷۳-۱۹۷۴ء میں اس طرح کے قابل اعتراض جن کتابچوں، رسالوں اور لٹریچر پر پابندی عائد کی گئی ہے اس کی تفصیلات کیا ہیں۔ (پ) کیا فحش اور قابل اعتراض لٹریچر کی درآمد پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو گذشتہ ایک برس کے دوران اس طرح ضبط کئے جانے والے لٹریچر کی تفصیلات کیا ہیں ؟

جواب :۔ جناب عبدالقیوم خان وزیر داخلہ :۔

(الف) جی ہاں۔ (ب) ایک فہرست "منسلکہ ۱" کے طور پر منسلک ہے۔ لیکن پنجاب اور بلوچستان کی صورت میں یہ مکمل نہیں ہیں، جہاں سے تاحال مطلوبہ معلومات ملنے کا انتظار ہے (پ) ہاں ایک فہرست "منسلکہ ۲"، کے طور منسلک ہے۔

منسلکہ ۱ :۔ قابل اعتراض کتب کی فہرست جو ۷۴، ۱۹۷۳ء کے دوران صوبائی حکومتوں نے ممنوع قرار دیں۔

(۱) سندھی کتابچہ بعنوان چھ لاکھ سندھی مسلمان سان (حکومت سندھ) (۲) کتابچہ بعنوان تحریک پریس کانفرنس۔ (سندھ)۔ (۳) اردو کتابچہ بعنوان، پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کے پیچیدہ حالات میں ہمارا کردار (سندھ، سرحد بلوچستان)۔ (۴) ڈرامہ بعنوان، ۱۹۷۳ء کی دستوری حماقت کو سمجھنے کا دلچسپ طریقہ۔ (سندھ، سرحد بلوچستان)۔ (۵) کتاب العام، بچوں کا انسائیکلو پیڈیا (سندھ، سرحد بلوچستان)۔ (۶) عربی کتاب بعنوان القرآن عقیدہ و تعلیفقتہ۔ (سندھ، سرحد بلوچستان) (۷) کتاب بعنوان آزاد کشمیر کا بحران۔ (سندھ)۔ (۸) ٹائم، شمارہ ۵ نومبر ۱۹۷۳ء (سندھ، سرحد بلوچستان) (۹) جریدہ، پیپلز فرنٹ کا شمارہ مئی ۱۹۷۳ء (سندھ، سرحد بلوچستان، پنجاب) (۱۰) کتابچہ بعنوان، انجمن شہری آزادی، کراچی (سندھ) (۱۱) ماہنامہ جدوجہد کے جنوری، فروری ۱۹۷۴ء کے شمارے (سندھ، سرحد بلوچستان)۔ (۱۲) اردو ڈائجسٹ شمارہ جولائی ۱۹۷۴ء (سندھ) (۱۳) کتاب بعنوان، بھٹو میرا آقا۔

(سندھ، سرحد)۔ (۱۴) بلوچستان میں استحصال و ظلم و تشدد کے خلاف مسلح بغاوت پاپولر فرنٹ کی مرکزی کمانڈ کے سیاسی شعبے، ناقی تنظیم کے جاری کردہ مئی اور جون کی خبریں (سندھ)۔ (۱۵) سائیکلوسٹائل شدہ کتابچہ "بلوچ" (سندھ)۔ (۱۶) این اے پی کی مرکزی مجلس عاملہ کی قرارداد و کارروائی کے بارے میں اردو اور انگریزی میں چھپا ہوا خط۔ (سرحد)۔ (۱۷) سائیکلوسٹائل شدہ پوسٹر بعنوان پاکستان کی مسلح افواج میں پختون انقلاب (سرحد)۔ (۱۸) ترکی میں فسطائی معیشت کے خلاف نشانہ بنشانہ ایذارسانی کے واقعات نامی کتابچہ کا اپریل ۱۹۷۳ء کا شمارہ ۱۲۔ (سرحد، بلوچستان، پنجاب) (۱۹) کتابچہ عربوں کا لہو پکار رہا ہے (سرحد)۔ (۲۰) کتابچہ بعنوان بھٹو شاہی کے کارنامے۔ (سرحد) (۲۱) این اے پی کے شعبہ نشر و اشاعت کا شائع کردہ کتابچہ آئینہ (سرحد) (۲۲) کتابچہ بعنوان پختونوں اور بلوچوں کو سیاسی فتح پر مبارکباد (سرحد)۔ (۲۳) پبلیکیشنز لاہور کا شائع کردہ ماہوار جریدہ شالامار کا شمارہ ستمبر (سرحد) حکیم فیض عالم صدیقی کی کتاب بعنوان واقعہ کربلا (سرحد)۔ (۲۵) کتابچہ بعنوان ایئر مارشل اصغر خان صاحب کی ایک تاریخی پریس کانفرنس (بلوچستان)۔ (۲۶) مادر سندھ جمہوری نوجوانوں جمہوری انقلاب کے علمبرداروں کے نام نامی کتابچہ (بلوچستان)۔ (۲۷) بلوچی زبان کا ماہوار اخبار نپاک راہ (بلوچستان)۔ (۲۸) قیام پاکستان اور دو قومی نظریہ (بلوچستان)۔ (۲۹) قائد اعظم کی للکار (بلوچستان) (۳۰) قائد اعظم کا فرمان (بلوچستان)۔ (۳۱) آزاد کشمیر اسمبلی کی ایک قرارداد پر تبصرہ (بلوچستان) (۳۲) مقدمہ ختم نبوت یعنی مقام محمدیت کی تفسیر (بلوچستان)۔ (۳۳) پشتو کتابچہ بعنوان (بلوچستان)۔ (۳۴) پندرہ روزہ اخبار بعنوان ہمت (بلوچستان)۔ (۳۵) ہفت روزہ اخبار ہم لوگ۔ (۳۶) اردو کتابچہ بعنوان آزادی یا غلامی۔ (۳۷) اردو ہفت روزہ لاہور کے شمارہ ۲۷ مورخہ ۸ جولائی ۱۹۷۴ء (پنجاب) (۳۸) اردو جریدہ لائف کا شمارہ ۱۷، ۳ جنوری ۱۹۷۳ء (پنجاب)

۴۔ ۱۹۷۳-۷۴ء کے دوران کسٹم ایکٹ ۱۹۶۹ء کے تحت مرکزی ریویو بورڈ کی طرف سے روکے گئے اور ضبط کردہ فحش اور قابل اعتراض لٹریچر کی تعداد اور تفصیلات پر مشتمل فہرست)

(الف) تصنیفات جن کی پاکستان میں درآمد پر پابندی ہے۔

(۱) کتابچہ بعنوان ترکی کے متحدہ وطن دوست محاذ پوسٹ آفس باکس ۷ ڈیوڈلیچ لکسمبرگ

کی طرف سے شائع کردہ ترکی میں فسطائی دہشت کے خلاف نشانہ ایذا رسانی کے واقعات (۲) ۵ نومبر ۱۹۷۳ء کے رسالہ ٹائم کا یورپی شمارہ۔ (۳) اخبار "عوامی محاذ" لندن (۴) میجر جنرل ڈی کے پملٹ کی برق صفت مہم (۵) رسالہ بعنوان "جد وجہد" جو ۷۔ انپلشن روڈ لندن برطانیہ سے شائع ہوا تھا۔ (۶) ربو قرطبی افدا کی اپیل خلیج کمیٹی لندن کی معرفت اومان اور خلیج عرب کی آزادی کے لئے پاپولر فرنٹ کے ساتھ اتحاد عمل کی کشمیر کمیٹی کی طرف سے شائع کردہ کتابچہ۔ (۷) یہودیوں کی شاندار داستان جسے بلٹیجیٹ سمرسٹ قرائی ایف آر ایس اے نے لکھا اور پرنیلا لندھ نے شائع کیا (۸) لندن سے شائع کردہ رسالہ شعور۔

(ب) ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران مرکزی ریویو بورڈ کی طرف سے ضبط کردہ فحش تصنیفات۔

(۱) فحش کتابیں	۶۲۳	(۴) فحش تصاویر	۱۲۲
(۲) فحش رسالے	۶۲۳	(۵) فحش تاش	۱
(۳) فحش کلنڈر	۴۱۸	(۶) عریاں فلمیں	8

ضمنی سوال — مولانا عبدالحق — کیا وزیر صاحب کے ذہن میں فحش اور قابل اعتراض لٹریچر کا کوئی واضح مفہوم موجود ہے؟

جواب :۔ نہیں دیا گیا۔

مولانا عبدالحق :۔ کیا اخبارات اور رسائل میں عریاں اور نیم عریاں اور بوس و کنار والی تصاویر فحاشی کے ضمن میں آتے ہیں یا نہیں؟

جواب — ندارد

سمگلنگ اور غیر ملکی سیاح

سوال ۱۳ :۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۷۴ء (حصہ د) سمگلنگ کے الزامات کی بنا پر گرفتار کئے جانے والے غیر ملکیوں کی تعداد ہے؟

جواب — بلوچستان اور سندھ کی صوبائی حکومتوں کے بارے میں سال ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۴ء (تا مئی ۱۹۷۴ء) کے لئے حسب ذیل معلومات درج ہیں۔

بلوچستان : ۸۶ سندھ : ۵

وزارت صحت اور ڈرگ اسٹور

سوال ۳۱ء، ۴ر دسمبر ۱۹۷۴ء

کیا وزیر صحت و معاشرتی بہبود بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) ان مقامات کے نام کیا جہاں فیئر پرائس ڈرگ اسٹور کھولے گئے ہیں؟ (ب) کسی فیئر پرائس ڈرگ اسٹور کو اماداً کتنی رقم دی جاتی ہے؟ (پ) ان اسٹوروں کے منیجر مقرر کرنے کے لئے کیا معیار ہے؟ (ت) ان منیجروں کو کیا تنخواہ اور دیگر مراعات دی جاتی ہیں؟

جواب : خورشید حسن میر

(الف) فیئر پرائس ڈرگ اسٹور کراچی، راولپنڈی، ملتان، پشاور، ڈیرہ اسماعیل خاں اور کوئٹہ میں کھولے گئے ہیں۔ (ب) ان اسٹوروں کے لئے مہیا کی گئی رقوم کی مقدار تقریباً کم از کم ایک لاکھ اور زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین لاکھ ہے۔ (پ) چونکہ ابتدا میں چند ہی فیئر پرائس ڈرگ اسٹور کھولے گئے تھے۔ لہٰذا کوئی حتمی قابلیت مقرر نہیں کی گئی۔ (ت) منیجروں کو ماہوار ۵۵۰/- روپے مجموعی تنخواہ اور ۵۵/- روپے خصوصی مہنگائی الاؤنس ملتا ہے۔ لاہور، راولپنڈی، پشاور اور کوئٹہ میں منیجروں کو سواری کے لئے موٹر سائیکل بھی مہیا کئے گئے ہیں۔

ادویات اور جنرک سکیم

سوال ۳۲ء، ۴ر دسمبر ۱۹۷۴ء

کیا وزیر صحت و سماجی بہبود بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) کیا یہ درست ہے کہ جنرک نام کی اسکیم کے نفاذ کے بعد درآمد کردہ ادویات کی قیمتیں تین گنا بڑھ گئی ہیں؟ (ب) کیا یہ درست ہے کہ اسکیم کے نفاذ کے بعد غیر ملکی کمپنیوں نے کروڑوں روپے کا منافع کمایا ہے؟

جواب : خورشید حسن میر

تمام درآمدہ دواؤں کی قیمتیں اس وقت تقابل کے لئے دستیاب نہیں ہیں۔ درآمد شدہ یا مقامی طور پر تیار کردہ دواؤں کی قیمتیں مقرر کرنے کی تازہ ترکیب جسے ۸ مئی ۱۹۷۳ء سے اختیار کیا گیا درج ذیل ہے۔

اصل ناموں کی اسکیم کے بعد قیمتوں میں زیادتی	مستثنے دوائیں	اصل ناموں کی دوائیں	کل
	۴۶	۸	۵۴
۵۰ فیصد تک	۲۳	۳	۲۶
۵۱ فیصد سے ۱۰۰ فیصد تک	۱۴	۳	۱۷
۱۰۱ فیصد سے ۱۵۰ فیصد تک	۴	۱	۵
۱۵۱ فیصد سے ۲۰۰ فیصد تک	۱	-	۱
۲۰۱ فیصد اور اس سے زیادہ تین گنا	۴	۱	۵

اس کے علاوہ شعبہ صحت سے ادویات کے اصل ناموں کی اسکیم کے اجراء کے بعد مختلف ذرائع سے درآمد کردہ قومی نسخوں کے مجموعے میں شامل کے قریب ادویات کی قیمتیں مقرر کی ہیں لیکن اصل ناموں کی اسکیم کے اجراء سے پہلے کی قیمتیں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے تقابل ممکن نہیں۔

دینی رسائل، اخبارات اور اشتہارات کی تقسیم

سوال ۴۶، ۹ دسمبر ۱۹۷۴ء ـــــ کیا وزیر اطلاعات و نشریات بیان فرمائیں گے کہ :-

(الف) کیا یہ صحیح ہے کہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کو اس کے مطابق سرکاری اشتہارات نہیں ملتے حالانکہ اس کے حسابات کا باقاعدہ آڈٹ ہوتا ہے۔ ہر سال دو مرتبہ۔ دکیا یہ صحیح ہے کہ سرکاری اشتہارات شائع کرنے کے لئے ادائیگی میں بے حد تاخیر کی جاتی ہے؟ (ب) کیا حکومت ایسے دینی اور ادبی رسالوں کو ان کے جائز حقوق اور مراعات دے گی؟

جواب :- ملک محمد اختر صاحب

(الف) کوئی بھی اخبار یا رسالہ حق کے طور پر سرکاری اشتہارات کا دعویٰ نہیں کر سکتا انہیں سرپرست محکمے ضرورت کے مطابق جاری کرتے ہیں۔ ذریعے کا انتخاب کرتے وقت اخبار کی تعداد اشاعت اور علاقہ ہدف میں اس کے اثر و رسوخ پر مناسب غور کیا جاتا ہے۔ ایک اور عنصر جو سرپرست محکمے کو مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے وہ کسی خاص اشتہار کے لئے مختص کی ہوئی رقم ہے۔ (ب) اشتہارات کی تقسیم کے لئے ذریعہ اظہار کا انتخاب کرتے وقت ہر قسم کے اخبارات و رسائل مدِ نظر رکھنا ہے۔

(پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ)

فروری ۱۹۷۵ء

عیسائی مشنری ادارے

سوال ۸۷، مورخہ ۵ فروری ۱۹۷۵ء

کیا وزیر اقلیتی امور ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

عیسائی مشنری اداروں مثلاً سکول، کالج، چرچ، ہسپتال وغیرہ کی تعداد کتنی ہے۔ نیز ان کی تفصیلات بیان کی جائیں ؟

جواب :۔ ملک محمد اختر، وزیر مملکت برائے سیاحت و اقلیتی امور

عیسائیوں کے مذہبی اداروں کی تعداد ۳۹۹

اسکول	کالج	چرچ	ہسپتال	مراکز بہبود
۲۲۸	۳	۱۰۱	۳۹	۲۸

تفصیلات	سکول	کالج	چرچ	ہسپتال	مراکز بہبود
پنجاب	۱۷۴	۱	۶۹	۲۳	۶
سندھ	۳۴	۱	۱۶	۹	۲۲
سرحد	۱۳	۱	۱۱	۵	-
بلوچستان	۷	۱	۵	۲	-
میزان	۲۲۸	۳	۱۰۱	۳۹	۲۸

فروغ عربی اور عربی ممالک سے رابطہ

سوال ۸۹، مورخہ ۵ فروری ۱۹۷۵ء

کیا وزیر اطلاعات و نشریات بیان فرمائیں گے کہ :۔

آیا عربی کے فروغ یا عرب ممالک سے رابطہ کے لئے حکومت کی طرف سے کوئی لٹریچر، اخبارات یا رسالے شائع کئے جاتے ہیں اگر ایسا ہے تو اس کی تفصیلات کیا ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو حکومت اس ضمن میں کیا اقدامات کرے گی ۔؟

مقامی طور پر تیار کردہ دواؤں کی قیمتیں مقرر کرنے کی تازہ ترکیب جسے ۸ مئی ۱۹۷۳ء سے اختیار کیا گیا درج ذیل ہے۔

جواب ملک محمد اختر

شعبہ اطلاعات ونشریات کا ریسرچ، ریفرنس و پبلیکیشن ڈائریکٹریٹ عربی بولنے والے ممالک میں اشاعت کے لئے عربی زبان میں ایک پندرہ روزہ رسالہ "پاکستان مصور" باقاعدگی سے شائع کرتا ہے۔ پاکستان کے اندر عربی زبان کے فروغ کے لئے یہ ڈائریکٹریٹ ہفت روزہ جریدہ "پاک جمہوریت" میں عربی زبان کے اسباق شائع کرتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ڈائریکٹریٹ پاک عرب یکجہتی کے فروغ کے لئے درج ذیل کتب شائع کر چکا ہے۔

(۱) اسلامک ورلڈ (دنیائے اسلام) (۲) پاکستان سالی ڈریٹی ود مسلم ورلڈ (دنیائے اسلام کے ساتھ پاکستان کی یکجہتی) (۳) پاکستان۔ (۴) قائداعظم۔ (۵) ذوالفقار علی بھٹو۔ (۶) ختم نبوت۔

محکمہ اطلاعات عامہ کی نظامت نیوز ریل و دستاویزی فلم نے عربی زبان میں درج ذیل سات دستاویزی فلمیں تیار کی ہیں جن میں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہونے والی ترقی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱) اسلامک سمٹ۔ (۲) قرآن مجید۔ (۳) شملہ کانفرنس۔ (۴) دوستی کا سفر۔ (۵) پیپلز فسٹیول (عوامی میلہ)۔ (۶) کنسٹیٹیوشن (دستور)۔ (۷) فلڈ اسپیشل (سیلاب)

مسترد شدہ سوالات

قادیانیوں کے اقلیتی فیصلہ پر عملدرآمد سے گریز

نمبر ایس کیو ڈی ۲۱/۵/۷۵ کیو اے پی (۲۹ جنوری ۱۹۷۵ء)

کیا وزیر قانون بتاسکیں گے کہ :۔ قادیانیوں کو آئین میں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد آئینی ترمیم کے تقاضے پورے کرنے کے لئے اب تک کیا اقدامات کئے گئے۔ اگر جواب نفی میں ہے تو کیا ایسے اقدامات زیر غور ہیں۔ اور کب تک انہیں عملی جامہ پہنایا جائے گا۔

کیا وزیر قانون بتاسکیں گے کہ انتخابی فہرستوں اور رجسٹریشن میں قادیانیوں کو غیر مسلم لکھنے پر عملدرآمد شروع ہو چکا ہے اگر نہیں تو کیوں؟

تعلیمی اداروں میں عربی تعلیم کی حق تلفی

نمبرایس کیوڈی ۲۸/۷۵/۲۸کیو اے پی (۲۹ جنوری ۱۹۷۵ء)

کیا وزیر تعلیم وضاحت فرماسکیں گے کہ:۔

(الف) کیا یہ صحیح ہے کہ کالجوں میں عربی اور انگریزی کے دو دو پرچے ہوتے ہیں مگر عربی پرچے نمبر ۱۰۰ اور انگریزی کے پچاس ۵۰ ہوتے ہیں اور یہ کہ عربی کی تدریس کے لئے ہر ہفتہ میں ۴ گھنٹے ہیں، مگر انگریزی سیکھنے کے لئے یہ تعداد آٹھ گھنٹے ہے، کیا یہ صحیح ہے کہ عربی کے مقابلہ میں سائنس کو ترجیح دینے سے دیگر طلبہ عربی چھوڑکر سائنس اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

نمبرایس کیوڈی ۸/۷۴ (۲۶ نومبر ۱۹۷۴ء)

نمبرایس کیوڈی ۴/۷۴، کیو اے پی (۸ دسمبر ۱۹۷۴ء)

کیا وزیر اطلاعات ازراہ کرم یہ ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

ریڈیو اور ٹی وی سے عربی پروگرام بھی نشر ہوتے ہیں اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کی تفصیل کیا ہے؟

شراب، جوا اور سود کی حوصلہ شکنی

نمبرایس کیوڈی ۱۹/۷۵ کیو اے پی (۲۹ جنوری ۱۹۷۵ء)

کیا وزیر قانون بتائیں گے کہ:۔

آئین کی رو سے حکومت نے شراب، جوا اور سود کی حوصلہ شکنی کا عہد کیا ہے تو اس سلسلہ میں اب تک کیا کچھ قانونی اقدامات کئے گئے ہیں۔

۱۲ نومبر ۱۹۷۵ء

مرزائیوں کے رجسٹریشن اور شناختی کارڈ کا مسئلہ

قومی اسمبلی کے اجلاس موسم سرما میں حزب اختلاف کے بائیکاٹ سے قبل ۱۲ نومبر ۱۹۷۵ء کے وقفۂ سوالات میں ۵ بج کر ۱۰ منٹ پر مرزائیوں کی رجسٹریشن کا مسئلہ زیر بحث آیا تو حضرت شیخ الحدیث نے اس ضمن میں مرزائیوں کی رجسٹریشن کے سلسلہ میں ایک اہم خامی پر ایوان کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

مولانا عبدالحق :۔ جناب والا! رجسٹریشن اس لئے کی گئی تھی تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، مگر شناختی کارڈ پر جب مذہب کا خانہ ہی نہیں تو کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ جن ممالک نے مثلاً سعودی عرب نے حج کے موقعہ پر قادیانیوں کے داخلہ پر پابندی لگائی ہے تو میرے خیال میں شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ہونا چاہیئے۔

جناب سپیکر نے وزیر داخلہ کو اس سوال کے بارہ میں توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ: خانصاحب! مولانا صاحب دریافت کرتے ہیں کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے۔

وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان نے انگریزی میں جواب دیا جس کا خلاصہ یہ تھا۔ "حلف نامے کو فارم اے میں شامل کر دیا گیا ہے۔ یہ نہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اب تک رجسٹرڈ نہیں بلکہ کارڈ حاصل کرنے والوں کو بھی بھیجا گیا ہے۔ ۷۰ لاکھ افراد کو بھیجا گیا تھا اور تقریباً ۲۰ ہزار کے فارم واپس آچکے ہیں۔ اس عمل پر کچھ وقت لگے گا۔"

اسی بحث میں ایک ضمنی سوال پر پوائنٹ آف آرڈر اٹھاتے ہوئے مولانا مفتی محمود صاحب نے مرزائیوں کے لئے احمدی لفظ استعمال کرنے پر بھی اعتراض کیا اور اپیل کی کہ آئندہ کے لئے یہ لفظ استعمال نہ کیا جائے، جس کے جواب میں سپیکر صاحب نے بھی کہا کہ آئندہ احتیاط کی جائے گی۔

فحش لٹریچر اور فحاشی کی قرارداد مسترد

اسی دن کے وقفۂ سوالات میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے ایک ضمنی سوال میں فحاشی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ:۔

جناب سپیکر صاحب! جب وزیر متعلقہ نے تسلیم کر لیا کہ فحش اور قابل اعتراض لٹریچر پر پابندی ہے تو یہ جو سینماؤں کے اشتہارات اخباروں میں شائع ہوتے ہیں اور ٹی وی پر بھی تشہیر کی جاتی ہے جس میں نسوانی حصوں کو خاص طور سے نمایاں کرایا جاتا ہے کیا ان پر پابندی لگانے کا کوئی ارادہ ہے یا نہیں۔ جواب ملک محمد اختر وزیر پارلیمانی امور کا وہی تھا کہ یہ ضمنی سوال قواعد کے مطابق درست نہیں ہے۔

قرارداد مسترد :۔ حسب معمول اس دفعہ بھی اسمبلی کو ایک قرارداد کا نوٹس دیا تھا جس میں قحبہ خانوں، ناچ گھروں، فحش فلموں وغیرہ پر پابندی کا کہا گیا تھا۔ اس قرارداد کو بھی اسمبلی کے سیکرٹریٹ سے اس مضمون کے ساتھ مسترد کر دیا گیا۔

نمبر ایف ۲۲/۱۰/۵ ایجیس / آر ڈی نمبر ۶ اسلام آباد ۱۲ نومبر ۱۹۷۵ء بخدمت مولانا عبدالحق رکن قومی [illegible]

موضوع: قحبہ خانوں، ناچ گھروں، فحش فلموں وغیرہ پر پابندی۔

محترمی حسبِ ہدایت اطلاعاً عرض ہے کہ قومی اسمبلی کے قواعد ضابطۂ کار و انصرام کارروائی ۱۹۷۳ء کے قاعدہ نمبر ۱۲۱ بملاحظہ قاعدہ نمبر ۱۲۶ (۲) جناب سپیکر نے آپ کی مذکورہ بالا قرارداد جس کا نوٹس آپ نے ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو دیا تھا مسترد کر دیا ہے۔ آپ کا مخلص عنایت علی اسسٹنٹ سیکرٹری۔

نومبر ۱۹۷۵ء

پی آئی اے کی پروازوں میں شراب

سوال نمبر ۸۸، ۱۷ نومبر ۱۹۷۵ء (مولانا عبدالحق مدظلہ)

کیا وزیر ہوابازی از راہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کی اندرون اور بیرونِ ملک پروازوں میں مسافروں کو نقد ادائیگی پر شراب فراہم کی جاتی ہے۔ (ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہو تو ۱۹۷۴-۷۵ء کے دوران پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز نے شراب کی خرید پر کتنی رقم خرچ کی، نیز مسافروں کو فروخت کے ذریعے کتنی رقم کمائی؟

جواب:۔ (جناب عزیز احمد)

(الف) جی ہاں، اندرونِ ملک پروازوں میں صرف اوّل درجے کے مسافروں کو شراب مہیا کی جاتی ہے۔

(ب) ۱۹۷۴-۷۵ء کے دوران پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز نے شراب کی خریداری پر ۱۰،۶۵،۶۰۰/- روپے اور اس کی فروخت سے ۱۸،۹۷،۵۰۰/- روپے کی آمدنی ہوئی۔

کراچی کے اے تا ایچ ٹائپ کوارٹروں کا مسئلہ

سوال نمبر ۹۰، ۱۷ نومبر ۱۹۷۵ء۔ (مولانا عبدالحق مدظلہ)

کیا وزیر تعمیرات و بحالیات از راہِ کرم اسٹیٹ آفس کراچی کے کنٹرول کے تحت اے تا ایچ ٹائپ کوارٹروں کے متعلق سالہائے ۱۹۷۱-۷۲ء تا ۱۹۷۴-۷۵ء کے بارے میں حسبِ ذیل اطلاعات فراہم کریں گے۔

(الف) پاک پی ڈبلیو ڈی کی جانب سے قابلِ مرمت قرار دیئے جانے والے ہر ٹائپ کے کوارٹروں کی تعداد، کس تاریخ سے وہ خالی پڑے ہوئے ہیں۔ نیز کرایہ کی عدم وصولی کی بنا پر حکومت کو کس قدر مالی نقصان

برداشت کرنا پڑا ہے ۔ (ب) ہر ٹائپ کے کوارٹروں کی تعداد جو ناجائز قبضہ میں ہیں مع مذکورہ قبضہ کی تاریخ کے ۔ (ج) ناجائز قابضین کی تعداد جو کرایہ ادا کر رہے ہیں بشمول ان کے جو بغیر ادائیگی کرایہ رہائش پذیر ہیں ۔ اس بنا پر حکومت کو کس قدر مالی نقصان برداشت کرنا پڑا ہے ؟

جواب :۔ جناب شیخ محمد رشید

(الف) صفر ۔ (ب) اے ٹائپ ۱ ۔ بی ٹائپ ۷ ۔ سی ٹائپ ۱۱ ۔ ڈی ٹائپ ۷۰ ، ای ٹائپ ۱۲۲ ایف ٹائپ ۲۱۴ ۔ جی ٹائپ ۱۸۳ ۔ ایچ ٹائپ ۱۴۹ ۔ کل میزان ۹۴۶ ـــــ مذکورہ کوارٹروں پر وقتاً فوقتاً مختلف تاریخوں کو قبضہ کیا گیا ۔ ان پر غیر قانونی طور پر قبضہ کرنے کی تاریخوں کی فہرست بنائی جا رہی ہے ۔ اور جس قدر جلدی ہو سکا ایوان کی میز پر پیش کر دی جائے گی ۔ (ج) غیر قانونی قابضوں کی تعداد جو کرایہ ادا کر رہے ہیں ۸۶۴ ہے ۔ جو کرایہ ادا نہیں کر رہے ہیں ۱۰۰ ہے ۔ اور ان کے ذمہ مکان کے کرایہ کے طور پر ۴،۸۲۸،۴۷ روپے کی رقم واجب الادا ہے ۔

تحصیل نوشہرہ کے بجلی اور ٹیوب ویل کے مسائل

سوال ۱۰۹ ، ۱۸ نومبر ۱۹۷۵ء (مولانا عبدالحق)

کیا وزیر ایندھن ، بجلی و قدرتی وسائل ازراہ کرم بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) کیا یہ امر واقع ہے کہ شمالی علاقہ (بیلا) کے گاؤں پیر پیائی اور تحصیل نوشہرہ کے دوسرے گاؤں میں مالکان زمین نے قرضہ لے کر ٹیوب ویل لگائے ہیں ۔ (ب) کیا یہ امر واقعہ ہے کہ بار بار کی درخواستوں کے باوجود ابھی تک متذکرہ بالا مالکان زمین کو بجلی کے کنکشن فراہم نہیں کئے گئے اگر ایسا ہی ہے تو اس کی وجوہات بتائی جائیں ، نیز کس تاریخ تک کنکشن فراہم کئے جانے کی امید ہے ۔ اور (ت) کیا حکومت متذکرہ علاقہ میں ٹیوب ویل لگانے کا ارادہ رکھتی ہے ؟

جواب :۔ محمد یوسف خٹک

(الف) یہ حقیقت ہے کہ اس رقبہ میں کئی مالکان زمین نے اپنی بچت سے یا قرضہ حاصل کر کے ٹیوب ویل لگائے ہیں ۔ (ب) نہیں یہ حقیقت نہیں ہے کہ اس علاقہ کے ٹیوب ویلز کو بجلی فراہم نہیں کی گئی ۔ جو درخواست دہندگان بجلی حاصل کرنے کے لئے تیار تھے انہیں سینیارٹی پوزیشن کے مطابق تحصیل نوشہرہ میں پچھلے چار ماہ کے دوران واپڈا نے ۳۵ ٹیوب ویلوں کے کنکشن دیئے ۔ واپڈا باقی درخواست دہندگان

کو سامان کی دستیابی کے مطابق اور سروس کنکشن کے واجبات، ضمانت کی رقوم اور درخواست دہندگان
کی طرف سے سٹیٹ رپورٹ بھیجنے کے بعد بجلی فراہم کرے گا۔ (ت) تحصیل نوشہرہ میں ہیتی سکارپ کے
تحت واپڈا ۴۰ ٹیوب ویل لگائے گا۔

اسلامی مشاورتی کونسل کی سرگرمیاں اور سفارشات

سوال نمبر ۱۱، ۱۸ر نومبر ۱۹۷۵ء ۔ (مولانا عبدالحق)

کیا وزیر مذہبی امور ازراہ کرم بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۴ء سے اب تک اسلامی مشاورتی کونسل کی سرگرمیاں بتائیں۔ (ب) ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۴ء
کے بعد سے کونسل کے حوالے کئے جانے والے معاملات کی تعداد کس قدر ہے اور کن مسائل و قوانین پر
کونسل نے اپنی رائے ترجیحی طور پر دی اور (ج) ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۴ء کے بعد کونسل کے کتنے اجلاس ہوئے ہیں؟

جواب :۔ مولانا کوثر نیازی

(الف) منسلکہ اول) میں شامل نوٹ میں ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۴ء سے ۸ر نومبر ۱۹۷۵ء تک اسلامی نظریاتی
کونسل کی سرگرمیاں مختصراً حسب ذیل ہیں۔ (ب) ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۴ء کے بعد کوئی معاملہ وفاقی حکومت نے
کونسل کے حوالے نہیں کیا لہٰذا کونسل کو کسی مسئلے یا قانون کو اولیت دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
(ج) ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۴ء کے بعد ۱۱ جنوری ۱۹۷۵ء، ۵ر اپریل ۱۹۷۵ء، ۲۴ر جولائی ۱۹۷۵ء اور ۸ر نومبر ۱۹۷۵ء
کو کونسل کے چار اجلاس منعقد ہوئے۔

منسلکہ اوّل ۔ ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۴ء سے ۸ر نومبر ۱۹۷۵ء تک اسلامی نظریاتی کونسل کی سرگرمیاں۔

مندرجہ بالا مدت کے دوران کونسل کے چار اجلاس منعقد ہوئے یہ اجلاس ۱۱ جنوری ۱۹۷۵ء
۵ر اپریل ۱۹۷۵ء، ۲۶ر جولائی ۱۹۷۵ء اور ۸ر نومبر ۱۹۷۵ء کو منعقد ہوئے تھے۔

۲۔ مذکورہ بالا مدت کے دوران کونسل کی اہم سرگرمیاں مختصر طور پر حسب ذیل ہیں :۔

(الف) آئین کی دفعہ ۲۳۰ کے تحت اپنے فرائض کے مطابق مجموعہ پاکستان کے ۸۰ ایکٹ ...

(ب) اسلامی سماجی نظام کے قیام کے طریقے اور ذرائع کے بارے میں کونسل نے سیر حاصل بحث کی
حسب ذیل مضامین کے ہر پہلو پر غور و خوض کیا گیا :۔

اسلامی سماجی نظام کے خدوخال، تعمیر کردار ۔ اسلامی طرز زندگی اور افکار کی دل نشینی

قانون اور اسلامی معاشرہ، عقیدہ و عمل ــــ اسلامی ثقافت میں خواتین کا مقام۔

(ج) کونسل نے ابتدائی اقدام کے طور پر حسب ذیل تو سفارشات پیش کیں۔

(۱) ہفتے کی تعطیل اتوار کی بجائے جمعہ کو کی جائے۔ (۲) ہجری کلنڈر اپنایا جائے (۳) سرکاری تقریبات کے دوران اوقاتِ نماز کی پابندی کی جائے (۴) سرکاری تقریبات میں حرام کھانوں کے پیش کرنے پر پابندی لگائی جائے۔ (۵) سادہ سرکاری اور قومی لباس مقرر کیا جائے (۶) سرکاری تقریبات میں سرکاری لباس پہنا جائے (۷) سینماؤں کے باہر اور دیگر پبلک مقامات پر فحش پوسٹر لگانے پر پابندی لگائی جائے (۸) اخباروں وغیرہ میں فحش اشتہارات پر پابندی لگائی جائے (۹) سرکاری تقریبات کے موقع پر رقص و سرود کی محفلوں پر پابندی لگائی جائے۔

(د) پارلیمانی اور صوبائی اسمبلیوں کو اپنی پہلی سالانہ عبوری رپورٹ پیش کی۔

(ہ) نماز ادا نہ کرنے والے مسلمانوں کو سزا دینے کے بارے میں جس کا ارادہ اس وقت کے سرحد کے وزیرِ اعلیٰ کر رہے تھے حکومتِ سرحد کے شعبۂ قانون کی طرف سے قانون سازی کے سلسلے میں موصولہ مراسلہ پر مشورہ دیا گیا تھا۔

(و) مدت ہٰذا کے دوران اب تک چار اجلاس منعقد کئے جا چکے ہیں جس میں کونسل نے زکوٰۃ قائم کرنے کے لئے قانون بنانے کے مسئلے پر تفصیلاً غور کیا۔ ملک کے ممتاز علماء اور دیگر اہلِ علم کی رائے معلوم کرنے کے لئے اس موضوع پر ایک سوالنامہ ترتیب دیا۔ اور اس کو ان میں تقسیم کیا۔ انکے جوابات جمع کئے گئے اور کونسل کے دفتر میں ان کو مختصر کیا گیا اور اراکین میں تقسیم کیا گیا۔ اس موضوع پر غور و خوض جاری ہے اور اب تک مکمل نہیں ہوا ہے۔

(ز) کونسل اسلامی سماجی نظام کے قیام کے مسئلے پر غور و خوض جاری رکھے ہوئے ہے اور مندرجہ بالا سفارشات کے علاوہ اس نے حسب ذیل اقدامات بھی کئے۔

اوّل:۔ اسلامی سماجی نظام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مذہبی تعلیم کے کردار پر تفصیلی غور کیا۔ اور قرار دیا کہ ملک میں اسلامی نظامِ تعلیم رائج کیا جائے۔ نیز اسکول اور مدرسے کی تعلیم کو پرائمری مرحلے کے دوران ملحق کر دیا جانا چاہیئے۔ مزید اس نے ایک کمیٹی مقرر کی جو تفصیلات معلوم کرے گی خصوصاً عربی کی لازمی تعلیم مذہبی مطالعہ کے لئے نصاب کی تیاری اور اسلامی تاریخ کی تعلیم کے سلسلے میں۔

دوم:۔ سفارش کی گئی ہے کہ سرکاری ملازمین کے اے۔سی۔آر وں میں ایک مد یہ رکھی جائے کہ آیا وہ لوگ اپنی روزانہ زندگی میں اسلامی شعائر کا خیال رکھتے ہیں۔

سوم:۔ سفارش کی گئی ہے کہ حکومت کو چاہیئے کہ وہ تبلیغ کی ذمہ داری قبول کرے اور اپنے ذرائع ابلاغ نیز خصوصی طور پر تشکیل شدہ اداروں کے ذریعہ اچھائیوں کی اشاعت کرے اور برائیوں کو معاشرہ سے دور کرنے کے لئے جدوجہد کرے۔

چہارم:۔ سفارش کی گئی ہے کہ ریڈیو اور ٹیلیویژن سے اذان نشر کی جائے۔

پنجم:۔ سفارش کی گئی ہے کہ حکومت عصمت فروشی کے اڈوں کی ممانعت قانون کے نفاذ کے لئے موثر اقدامات کرے۔

ششم:۔ سفارش کی گئی ہے کہ سماج دشمن جرائم کے ملزموں کو جسمانی سزائیں دی جائیں۔ نیز یہ سزائیں عوام کے سامنے دی جائیں۔

ہفتم:۔ گھوڑ دوڑ پر شرط لگانا ممنوع قرار دیا جائے۔

(ح) اصولی طور پر فیصلہ کیا گیا کہ ربا کو ختم کیا جائے اور زکوٰۃ کا نظام قائم کیا جائے۔

(ط) مجموعہ پاکستان کے ۸۰ ایکٹ کو نمٹایا۔

(ی) ربا کو ختم کرنے کے مسئلہ پر تفصیل بحث کی گئی اور فیصلہ کیا جائے کہ ربا پر ایک سوالنامہ مرتب کیا جائے۔

یونیورسٹیوں کی متضاد پالیسی

سوال نمبر ۱۳۰، ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء (مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ)

کیا وزیر تعلیم ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

(الف) کیا یہ حقیقت ہے کہ پشاور، پنجاب اور کراچی کی یونیورسٹیاں معاشیات پوسٹ گریجویٹ ڈگری کو ایم اے معاشیات تصور کرتی ہیں۔ (ب) کیا یہ بھی حقیقت ہے کہ مذکورہ ڈگری کو اسلام آباد یونیورسٹی ایم ایس سی تصور کرتی ہے۔ (ج) اگر مندرجہ بالا الف اور ب کا جواب مثبت میں ہو تو اس امتیاز کی وجوہات کیا ہیں۔ اور کیا اس سلسلے میں حکومت ملک کی یونیورسٹیوں میں یکساں پالیسی اختیار کرنے کا ارادہ رکھتی ہے؟

جواب :۔ جناب عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) جی ہاں۔ (ب) جی ہاں۔ (ج) عملی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔ چونکہ ہر دو ایم اے اور ایم ایس سی کی ڈگریاں مساوی اور ہم پلہ حیثیت کی پوسٹ گریجویٹ ڈگریاں ہیں۔ یونیورسٹیاں خود مختار ادارے ہیں جن کو متعلقہ قوانین کے ذریعے چلایا جاتا ہے نیز ان کے تعلیمی پروگرام تعلیمی کونسلوں کی طرف سے مرتب کردہ ضوابط کے تحت چلائے جاتے ہیں۔

ایم اے معاشیات کے حامل افراد کا مسئلہ

سوال نمبر ۱۳۲، ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء (مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ)

کیا وزیر خزانہ ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

(الف) آیا یہ حقیقت ہے کہ ایم اے (معاشیات) کی ڈگری کو اسلام آباد یونیورسٹی اور یورپ اور امریکہ میں بھی ایم ایس سی تصور کیا جاتا ہے۔ (ب) اگر مندرجہ بالا الف کا جواب مثبت میں ہو تو کیا وجہ ہے کہ وفاقی حکومت کے ملازمین کو مجموعی طور پر ریسرچ افسروں کو خصوصی طور پر جو ایم اے (معاشیات) کی ڈگری کے حامل ہیں۔ پانچ پیشگی سالانہ ترقیاں نہیں دی گئی ہیں۔

جواب :۔ رانا محمد حنیف

(الف) چند یونیورسٹیوں میں ایم اے اکنامکس کو ایم ایس سی کے برابر مانا جاتا ہے لیکن ایسی ڈگریاں رکھنے والوں کو قدرتی / فزیکل سائنس میں ماسٹر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (ب) مندرجہ بالا الف کے جواب کے پیش نظر اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دیسی دوائیوں کے کمیشن کی رپورٹ

سوال نمبر ۱۵۱، ۲۰ نومبر ۱۹۷۵ء (مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ)

کیا وزیر صحت و سماجی بھلائی از راہ کرم بیان فرمائیں گے کہ :۔

کیا ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی کی سربراہی میں دیسی دوائیوں کے کمیشن نے حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا حکومت کمیشن کی سفارشات پر عملدرآمد کا ارادہ رکھتی ہے ؟

جواب :۔ جناب حفیظ اللہ چیمہ

دیسی طریقہ علاج کے بارے میں کمیشن کی پیش کردہ رپورٹ وزارت صحت کے زیر غور ہے

سرحد کی سمنٹ ایجنسیوں کا مسئلہ

سوال ۱۵۸ ۔ ۲۴ نومبر ۱۹۷۵ء : مولانا عبدالحق صاحب خطک

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ پشاور، مردان، ہزارہ اور سوات میں جہلی سمنٹ فیکٹری کی دو ذیل کی ایجنسیاں بند کر دی گئی ہیں ۔ (ب) آیا یہ امر واقع ہے کہ مذکورہ ایجنسیوں کے مالکان کو چار یا پانچ ماہ قبل کی گئی فرمائشوں کے بارے میں سمنٹ فراہم نہیں کیا گیا تھا۔ اور نہ ہی مذکورہ فرمائشوں کے وقت ان کو ان کی ایجنسیاں بند کرنے کی اطلاع دی گئی تھی ۔ (ج) اگر جز بالا کا جواب اثبات میں ہو تو کیا ان کو ان کی گذشتہ فرمائشوں کے بارے میں سمنٹ فراہم کیا جائے گا ۔ (د) مذکورہ بالا ایجنسیوں کو بند کرنے کے وجوہ کیا ہیں ۔؟

جواب : جناب رفیع رضا

(الف) جی ہاں ۔ (ب) جی ہاں ۔ (ج) جی نہیں ۔ چونکہ وہ اب سمنٹ کمپنی کے سٹاکسٹ نہیں رہے ۔ لہٰذا انہیں مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنی جمع شدہ رقم واپس لے لیں ۔

مُسترد شدہ سوالات !

بیرون ملک سفرا اور کمرشل سیکرٹری

ایس کیو ۔ ڈی ۷ ۔ ۷۵ کیو ۔ اے ۔ پی ۔ اسلام آباد ۲۲ نومبر ۱۹۷۵ء

کیا محترم وزیر تجارت بتا سکیں گے کہ

(الف) کیا یہ صحیح ہے کہ سفرا کمرشل سیکرٹریوں سے غیر تجارتی کام بھی لیتے ہیں ۔ اور چونکہ سفیر کی رپورٹ اور مرضی پر کمرشل سیکرٹری کے تقرر و تعیناتی کا دارو مدار ہوتا ہے ۔ لہٰذا چار و ناچار وہ اس کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں اور انہیں سرکاری فرائض کی انجام دہی کے لئے پورا وقت نہیں ملتا وزارت تجارت اس سلسلہ میں کیا اقدام اٹھا رہی ہے ؟

ناواقف عملہ اور وزارت تجارت !

ایس کیو ۔ ڈی نمبر ۸ ۔ ۷۵ کیو ۔ اے ۔ پی ۔ اسلام آباد ۲۲ نومبر ۱۹۷۵ء

کیا محترم وزیر تجارت وضاحت کر سکیں گے کہ ۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مختلف ممالک میں

متعین حضرات فروغ برآمدات کی تکنیک سے ناواقف ہیں اور ان میں اکثریت کا تعلق محکمہ درآمدات سے ہے اور بعض حالات میں ان لوگوں کو ملک کے برآمدی قوانین اور معیشت سے عدم واقفیت ہے اور یہی نہیں بلکہ جیسا کہ آنے والے تاجروں نے بتایا ہے کہ انہوں نے کبھی محکمہ فروغ برآمدات کے دفتر کی شکل تک نہیں دیکھی اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا دفتر کس بلڈنگ میں اور کہاں پر واقع ہے اور کس سے کہاں ملا جائے

(ب) اگر مندرجہ بالا صورتحال صحیح ہے تو اس کے تدارک کے لئے حکومت کیا اقدام تجویز کر رہی ہے تاکہ ملکی برآمدات میں تیزی سے اضافہ ہو اور زرِ مبادلہ حاصل کیا جا سکے۔

چین اور مقامی طب

ایس کیو ٹی ۱۰/۵/۷ کیو اے بی اسلام آباد ۱۸ نومبر ۱۹۷۵ء

کیا وزیر صحت پاکستان کو علم ہے کہ:۔

چین نے چینی یا مقامی طب کی ترویج سے مسئلہ صحت حل کیا ہے۔

رجسٹری اراضی میں ظالمانہ کاروبار

ایس کیو ٹی ۷/۷۵ کیو اے بی اسلام آباد ۲۰ نومبر ۱۹۷۵ء

کیا وزیر متعلقہ بتلا سکیں گے کہ:۔

(الف) کیا یہ صورتِ حال حکومت کے علم میں ہے کہ زمینوں کی خرید و فروخت کی رجسٹریوں میں قیمتیں اصل قیمت خرید و فروخت سے کئی گنا بڑھا کر مکمل لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ شفعہ کا حقدار یا تو کر ہی نہ سکے اور اگر کرنا چاہے تو اسے اصل رقم خرید سے دوگنا سہ گنا رقم ادا کرنا پڑے۔

(ب) کیا حکومت اس صریح اور ناجائز ظالمانہ کاروبار کی اصلاح کے لئے کچھ اقدامات کرے گی۔ کیا حکومت اس تجویز پر غور کرے گی کہ جس طرح خریدار کو انتقالِ اراضی کے وقت پچھلے چار سالوں کے مروجہ نرخوں کے مطابق رقم دینی پڑتی ہے۔ اسی طرح رجسٹری کراتے وقت بھی پچھلے چار سالہ نرخوں کو ملحوظ رکھا جائے اور شفیع کا حق بھی انہی نرخوں کے مطابق کرنے کا حق ہو۔

شراب کا کاروبار اور حکومت

کیا وزیر خزانہ مہربانی کر کے بتائیں گے کہ:۔

(الف) ۷۰-۱۹۷۱ء اور ۷۴-۱۹۷۵ء میں شراب کی کتنی مقدار کس قیمت پر درآمد کی گئی تھی اور

ہر دو سالوں میں کتنا ٹیکس وصول ہوا؟

(ب) کیا بتدریج شراب پر پابندی کی کوئی پالیسی حکومت کے زیر غور ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

(ج) پاکستان میں شراب کی کتنی مقدار تیار کی جاتی ہے؟ اور حکومت کو اس سے کتنا ٹیکس وصول ہوتا ہے

کراچی کی سرکاری کالونیاں اور بجلی کے نرخوں میں تفاوت

ایس کیو ڈی ۱۱/۷۵ ۱۲ر نومبر ۱۹۷۵ء

کیا وزیر پانی و بجلی و قدرتی وسائل فرمائیں گے کہ:

کیا درست ہے کہ کراچی کی سرکاری کالونیوں میں رہائش پذیر مرکزی ملازمین سے مختلف کالونیوں میں مختلف بجلی کی شرحیں وصول کی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر فیڈرل بی ایریا کے سرکاری ملازمین بجلی کی ادائیگی بحساب بیس پیسہ فی یونٹ براہ راست کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو کرتے ہیں جبکہ جیکب لائن اور مارٹن روڈ کے ملازمین سے پی ڈبلیو ڈی بحساب اکتیس ۳۱ پیسہ فی یونٹ وصول کرتی ہے۔ یہ گیارہ پیسے فی یونٹ کا فرق کیوں ہے۔

جیکب لائن کراچی کے سرکاری کوارٹروں کی الاٹمنٹ

ایس کیو ڈی ۱۹/۷۵۔ کیو۔ اے۔ پی ۱۲ر نومبر ۱۹۷۵ء

(الف) کیا وزیر تعمیرات مہربانی کرکے بتائیں گے کہ:

(الف) جب سے جیکب لائن کمپلیکس میں سرکاری کوارٹروں کی الاٹمنٹ بند ہوئی اب تک کتنے روپوں کا نقصان ہوا ہے۔ جو کرایوں کی صورت میں حکومت وصول کرتی تھی؟

(ب) اب جب کہ بظاہر متذکرہ کمپلیکس کی تکمیل یا تو ملتوی ہو گئی ہے یا طویل المیعاد ہو گئی ہے۔ حکومت سرکاری کوارٹروں کی الاٹمنٹ کھولنے کا کوئی ارادہ رکھتی ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

جون ۱۹۷۶ء

غیر ملکی ماہرین

سوال ۹۸، ۲۴ جون ۱۹۷۶ء (مولانا عبدالحق مدظلہ)

کیا وزیر اقتصادی امور بیان فرمائیں گے کہ:-

پاکستان میں آجکل کام کرنے والے غیر ملکی ماہرین کی تعداد کیا ہے نیز انہیں ہر ماہ جو تنخواہ اور الاؤنس دیئے جاتے ہیں؟

جواب:- رانا محمد حنیف وزیر خزانہ

پاکستان میں کوئی ماہر (ماسوا چینی ماہرین کے) کام نہیں کر رہا ہے جس کی تنخواہ وہ جات حکومت پاکستان ادا کرتی ہو۔ ایسے ماہرین کی تعداد ۲۰۱ ہے۔ جن کی خدمات وفاقی وزارتوں/شعبہ جات و صوبائی حکومتوں کی درخواست پر فنی امداد پروگرام کے تحت شعبہ اقتصادی امور نے حاصل کی ہیں۔ نیز وہ فی الحال پاکستان میں کام کر رہے ہیں۔

ملک وار/ایجنسی وار ۲۰۱ ماہرین کی تفصیلات مع چینی ماہرین کو ملنے والی شرحوں پر مشتمل گوشوارہ ایوان کی میز پر پیش ہے تاہم اس میں ایسے پراجیکٹوں میں جن کو خصوصی پراجیکٹ امداد ملتی ہو ملازم ماہرین شامل نہیں ہیں۔ یا وہ جن کو براہِ راست ملازم رکھ لیا گیا ہو مع ان کے جن کو غیر ملکی اور پاکستانی ہر دو نجی فرموں نے ملازم رکھا ہوا ہے۔ (غیر ملکی ماہرین کا گوشوارہ منسلک ہے)

چینی ماہرین:- چینی ماہرین کے مصارفِ زندگی پاکستان میں ملازمت کے دوران پاکستان حسب ذیل ماہانہ شرحوں سے برداشت کرتا ہے۔

(۱) ہر ٹیم کے قائد چیف انجنیئر یا اس کے عہدے کے برابر عہدے کے شخص کے لئے -/۵۰۰ روپے

(۲) ہر انجنیئر یا اس کے عہدے کے برابر عہدے والے شخص کے لئے -/۴۵۰ روپے

(۳) ہر ٹیکنیشن یا اس کے عہدے کے برابر عہدے والے شخص کے لئے -/۴۰۰ روپے

(۴) ہر فنی کارکن کے لئے -/۳۵۰ روپے

اگر اجناس کی قیمتوں میں کچھ اختلاف واقع ہو جائے تو ہر دو فریق کے مشورے سے مصارفِ زندگی

کی مذکورہ بالا شرحوں کو اس کے مطابق منضبط کیا جا سکتا ہے۔

فلموں کی درآمد برآمد اور زرمبادلہ

سوال ۹ (مولانا عبدالحق)

کیا وزیر تعلیم بیان فرمائیں گے کہ:۔

(الف) جنوری ۱۹۷۲ء سے اب تک غیر ملکی فلموں کی درآمد پر حکومت نے کتنا زرمبادلہ خرچ کیا ہے نیز

(ب) مندرجہ بالا عرصے کے دوران حکومت نے بیرون ملک پاکستانی فلموں کی برآمد و نمائش سے کتنا زرمبادلہ کمایا؟

جواب:۔ آپ کا جواب ۲۸ جون ۱۹۷۶ء پر منتقل کر دیا گیا۔

ثقافتی طائفوں کی آمد و رفت اور اخراجات

سوال ۲۴۰، ۲۴ جون ۱۹۷۶ء (مولانا عبدالحق)

کیا وزیر تعلیم بیان فرمائیں گے کہ:۔

(الف) ۱۹۷۴ء سے اب تک بیرون ملک بھیجے جانے والے ثقافتی طائفوں کی تعداد کیا ہے؟

(ب) مندرجہ بالا عرصہ کے دوران ان ثقافتی پر کل کتنا پر کل کتنا زرمبادلہ خرچ کیا گیا اور

(ج) مندرجہ بالا عرصہ کے دوران کتنے غیر ملکی ثقافتی طائفوں نے پاکستان کا دورہ کیا نیز ان پر کتنا زرمبادلہ خرچ کیا گیا؟

جواب:۔ عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) جی نہیں۔ (ب) صفر۔ (ج) ۱۳،۶۱۳،۲۴،۶۹،۱۶ روپے

جمعۃ المبارک کو فلموں کا آغاز

سوال ۵۲، ۱۷ جون ۱۹۷۶ء (مولانا عبدالحق مدظلہ)

کیا وزیر تعلیم ازراہ کرم بیان فرمائیں گے کہ:۔

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ سینما گھروں میں جمعہ کے علاوہ کسی اور دن نئی فلمیں دکھانے کے بارے میں وفاقی حکومت نے صوبائی حکومتوں کو کئی بار مشورہ دیا ہے۔ (ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہو تو وفاقی حکومت کے اس مشورے کا صوبائی حکومتوں نے نوٹس کیوں نہیں لیا نیز (ج) آیا نئی فلموں

---

[1] مباحث اسمبلی ۲ دسمبر ۱۹۷۶ء ج ۴ ش ۸ ص ۱۶۱

کے جمعہ کے دن دکھانے کے موجودہ طریقہ کو ختم کرنے کے لئے حکومت کوئی متبادل اقدامات کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ؟

جواب :- عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) وفاقی حکومت نے اس معاملہ میں کوئی ہدایت جاری نہیں کی ہے (ب) سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (ج) جی نہیں۔

عربی زبان کی ترویج و فروغ

سوال ۵۳ ، ۱۷ جون ۱۹۷۶ء (مولانا عبدالحق مدظلہ)

کیا وزیر تعلیم از راہِ کرم بیان فرمائیں گے کہ :-

(الف) ۷۶-۱۹۷۵ء کے سال کے دوران عربی زبان کی تعلیم و ترقی کے لئے کتنی رقم مختص کی گئی ؟

(ب) اس کی ترقی کے لئے حکومت نے اگر کوئی نئے اقدامات کئے ہیں تو وہ کیا ہیں ؟

(ج) کیا حکومت نے جدید زبانوں کا ادارہ قائم کیا ہے ؟

(د) اگر ج بالا کا جواب اثبات میں ہو تو عربی زبان کی ترقی کیلئے متذکرہ ادارے نے کیا کردار ادا کیا ہے نیز

(ہ) اس بارے میں حکومت اگر کوئی اقدامات کرنے کی تجویز رکھتی ہے تو وہ کیا ہیں ؟

جواب :- عبدالحفیظ پیرزادہ

(۱) پیپلز اوپن یونیورسٹی ۴۷،۵۰۰ روپے (۲) سندھ یونیورسٹی ۸۵،۸۱۵ روپے

(۳) کراچی یونیورسٹی ۹۴،۱۲۶ روپے (۴) پنجاب یونیورسٹی ۲،۳۷،۰۸۸ روپے

(۵) بہاولپور یونیورسٹی ۵۰،۰۰۰ روپے (۶) پشاور یونیورسٹی ۲،۴۰،۰۰۰ روپے

(ب) پیپلز اوپن یونیورسٹی نے عربی اور اسلامی تعلیم کا ایک ادارہ قائم کیا ہے جو ذرائع ابلاغ کے ذریعے عربی کے ابتدائی کورس کی تعلیم کا اہتمام کرتا ہے اس کورس کے ذریعے عوام الناس کے لئے عربی زبان کی تعلیم و اصلاح کے مواقع مہیا کرنے کے علاوہ اساتذہ کے علم و مہارت کو بہتر بنانا بھی مقصود ہے اور اس طرح ملک بھر کے سکولوں اور کالجوں میں عربی کی تعلیم کو بہتر بنانے کے اثرات کئی گنا بڑھ جائیں گے۔

(ج) جی ہاں۔ (د) سرکاری اور نجی دونوں شعبوں کے مفاد میں انسٹی ٹیوٹ ہمہ وقتی کورس ڈپلومہ کورس اور شام کے خصوصی کورس کا اہتمام کرتا رہا ہے۔ (ہ) پاکستان میں عربی تعلیم کے فروغ کے لئے سعودی عرب

کی حکومت اور پیپلز اوپن یونیورسٹی کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط کئے جا رہے ہیں۔

جدید زبانوں کے قومی ادارے میں شام کے کورس معطل کر دیئے گئے تھے لیکن اب اس سال

اکتوبر سے یہ دوبارہ شروع کئے جا رہے ہیں۔

جدید زبانوں کے ادارے میں سال رواں کے آخر تک عربی میں ایم اے کورس کا اجرا ہو رہا ہے۔

تحقیق کا کام پوسٹ ڈاکٹرل اور ڈاکٹرل کلاسیں شروع کی جا رہی ہیں۔

بیرون ملک تعلیمی وظائف اور اسلامی تعلیم و تحقیق

سوال ۵۴ ، ۱۷ جون ۱۹۷۶ء (مولانا عبدالحق مدظلہ)

کیا وزیر تعلیم از راہ کرم بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۶ء کے دوران اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف پر کتنے طالب علم بیرونی ممالک

بھیجے گئے۔ نیز وظائف کی تعداد بتائی جائے کہ :۔ (ب) اسلامی تحقیق اور مطالعے کے لئے بیرونی ممالک

میں بھیجے جانے والے طالبعلموں کی تعداد اور نام اور ان ممالک کے نام جہاں انہیں بھیجا گیا ہے کیا ہیں؟

جواب :۔ از جناب عبدالحفیظ پیرزادہ وزیر تعلیم

(الف) ۷۵-۱۹۷۴ء اور ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران ۵۷۴ طالبعلم وظائف پر بیرونی ممالک گئے

ہیں جبکہ وظائف کی کل تعداد ۶۲۰ ہے۔ (ب) ۸۶ طالب علم اسلامی تعلیم کے لئے بیرونی ممالک گئے

ہیں۔ ان کے نام اور ممالک کے نام حسب ذیل ہیں۔ (آگے گوشوارہ ہے)

ریڈیو اور اسلامی تعلیم و تبلیغ

سوال ۹۴ ، ۲۳ جون ۱۹۷۶ء (مولانا عبدالحق مدظلہ)

کیا وزیر اطلاعات و نشریات از راہ کرم بیان فرمائیں گے کہ :۔

ریڈیو پاکستان پر ہفتہ میں کل کتنے گھنٹے کے پروگرام نشر کئے جاتے ہیں اور ان میں سے اسلامی نظریہ

اور تعلیم کی تبلیغ کے کتنے گھنٹے صرف کئے جاتے ہیں؟

جواب :۔ جناب محمد حنیف خان

(۱) اندرون ملک خبروں سمیت ہفتہ بھر کے پروگراموں کے لئے کل ۱۰۷۸ گھنٹے مقرر ہیں۔

(۲) ہفتہ بھر میں دینی پروگراموں کے لئے ۱۱۰ گھنٹے مقرر ہیں۔

ٹیلیویژن اور فحاشی :

سوال نمبر ۴ ، ۱۶ ؍ جون ۱۹۷۶ء (مولانا عبدالحق مدظلہ)

کیا وزیر اطلاعات ونشریات بیان فرمائیں گے کہ :

(الف) آیا یہ امر واقعہ ہے کہ ٹی وی پر دکھائی جانے والی بہت سی غیر ملکی فلمیں فحش ہوتی ہیں۔؟

(ب) ہفتے میں علیحدہ علیحدہ کل کتنے گھنٹے پاکستانی وغیر ملکی فلموں کی نمائش کی جاتی ہے ؟

(ج) فحش وغیر شائستہ پروگراموں کی ٹیلی کاسٹ روکنے کے لئے کیا اقدامات کئے گئے ہیں ؟

جواب :۔ جناب محمد حنیف خان

(الف) یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ٹیلیویژن پر دکھائی جانے والی غیر ملکی فلمیں فحش ہوتی ہیں۔؟

(ب) ایک ہفتہ میں ہر سنٹر سے دس گھنٹے اور پچپن ۵۵ منٹ تک غیر ملکی فلموں کی نمائش کی جاتی ہے پاکستان ٹیلیویژن لاہور سنٹر کے ماسوا ہر سنٹر سے ایک ہفتہ کے دوران ایک گھنٹہ اور دس منٹ تک پاکستانی دستاویزی فلموں کی نمائش کی جاتی ہے البتہ لاہور سنٹر سے دو گھنٹے اور پچیس منٹ تک پاکستانی دستاویزی فلموں کی نمائش کی جاتی ہے۔ (ج) منصوبہ بندی اور تیاری کے مراحل میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ پاکستان ٹیلیویژن کارپوریشن کے پروگرام فحش اور غیر شائستہ نہ ہوں۔

علاقہ خٹک اور سیمنٹ فیکٹری

سوال نمبر ۷ ، ۱۶ ؍ جون ۱۹۷۶ء (مولانا عبدالحق مدظلہ)

کیا وزیر پیداوار بیان فرمائیں گے کہ :۔

کیا یہ امر واقعہ ہے کہ تحصیل نوشہرہ کے پہاڑی علاقوں میں ایک سیمنٹ فیکٹری لگانے کی تجویز ہے اگر نہیں ہے تو یہ منصوبہ اب کس مرحلہ میں ہے۔ اس کے کب تک مکمل ہونے کی امید ہے ؟

جواب :۔ جناب رفیع رضا وزیر پیداوار

سردست پاکستان سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن نے ایسا کوئی منصوبہ نہیں بنایا۔

شراب کی درآمد برآمد اور زر مبادلہ

سوال نمبر ۱۶۲ ، ۶ ؍ جولائی ۱۹۷۶ء ـــــ کیا وزیر تجارت ازراہ کرم بیان فرمائیں گے کہ

۱۹۷۵-۷۶ء کے دوران کتنی مالیت کی شراب درآمد کی گئی۔

جواب :۔ میر افضل خان

مالی سال ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران شراب درآمد کرنے کے لیے ۱۵.۶۹ لاکھ روپے مالیت کے لائسنس دیئے گئے تھے۔

طبی کمیشن کی رپورٹ!

سوال نمبر ۱۳۰ :کیا وزیر صحت مورخہ ۳ جولائی ۱۹۷۶ء کے نشاندار سوال نمبر ۱۸۲ کے جواب کے حوالے سے بیان فرمائیں گے کہ آیا دیسی طبی کمیشن کی سفارشات پر عمل کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اس کی تفصیلات بتائی جائیں۔

جواب ۱۲/۶/۷۶ ۔ از میر تاج محمد خان جمالی

یہ رپورٹ ہنوز زیر غور ہے۔

روٹری اور لائنز کلب!

سوال نمبر ۱۴۰ ۱۲ جون ۱۹۷۶ء (مولانا عبدالحق مدظلہ)

کیا وزیر داخلہ بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) ملک میں کتنے روٹری لائنز کلب چل رہے ہیں۔ (ب) ایسے کلبوں کے اغراض و مقاصد، بانی، طریق کار اور رکنیت کی قیود و شرائط کیا ہیں (ج) کیا یہ امر واقعہ ہے کہ یہ کلب بھی فری میسن کی طرح قومی مفاد کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث ہیں، نیز (د) اگر (ج) بالا کا جواب اثبات میں ہو تو کیا حکومت کا ان کلبوں کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کا ارادہ ہے؟

جواب ۱۲/۶/۷۶ :۔ جناب عبدالقیوم خان وزیر داخلہ

(الف) پنجاب میں ۸ روٹری اور ۷ لائنز کلب ہیں اور بلوچستان میں ایک روٹری کلب ہے۔ سندھ اور شمال مغربی سرحدی صوبہ سے معلومات کا انتظار ہے اور موصول ہوتے ہی یہ ایوان کی میز پر پیش کر دی جائیں گی۔ اور ان کا نام عوام کی معاشرتی اور ان کا کاروبار اور پیشے کے معیار کو بلند کرتا ہے۔ (ب) یہ کلب غیر سیاسی تنظیمیں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہر بالغ تعلیم یافتہ شہری متعلقہ مجلس عاملہ کی منظوری سے، مقامی مقرر کردہ ماہانہ رکنیت فیس ادا کرنے کے بعد ان کلبوں کا رکن بن سکتا ہے۔ عام طور پر ان کلبوں کی رکنیت حاصل کرنے کیلئے صرف باعزت اور امیر پاکستانی ہی دلچسپی لیتے ہیں۔ (ج۔د) جی نہیں۔

قادیانیوں کی رجسٹریشن

سوال نمبر ۱ ——— کیا وزیر داخلہ نشان دار سوال نمبر ۵۹ مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۷۵ء کے جواب کے حوالے سے بیان فرمائیں گے کہ:

(الف) آیا رجسٹریشن کے اعداد و شمار پر کارروائی مکمل ہو چکی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو کتنے احمدیوں نے مطلوبہ حلف نامے داخل کئے ہیں، نیز (ب) حکومت کی طرف سے ایسے احمدیوں کے بارے میں کیا انتظامات کئے جا رہے ہیں جنہوں نے حلف نامے داخل نہیں کئے؟

جواب: ۱۲/۶/۷۶ جناب عبدالقیوم خان وزیر داخلہ ریاستیں و سرحدی علاقہ جات۔

(الف) جی نہیں۔ رجسٹریشن کے اعداد و شمار کی بابت کارروائی ابھی شروع نہیں ہوئی ہے تاہم تقریباً آٹھ ہزار (۸۰۰۰) احمدیوں نے مردم شماری و رجسٹریشن ادارے میں یہ حلف نامے داخل کئے ہیں۔

(ب) آخری تاریخ کا ابھی اعلان نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ آبادی کو ابتدائی دائرہ کار میں لانے کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا اور جب اسے ابتدائی دائرہ کار میں لانے کا کام مکمل ہوگا تو آخری تاریخ جس میں حلف نامے بھیجنے کی تاریخ شامل کیا جائے گا۔ اور اس میں احمدی زمرہ بھی آجائے گا۔

نوشہرہ، اکوڑہ خٹک ٹیلیفون ایکسچینج

سوال نمبر ۳، ۱۵/۶/۷۶ (مولانا عبدالحق مدظلہ)

کیا وزیر مواصلات ازراہ کرم بیان فرمائیں گے کہ:

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ اکوڑہ خٹک ٹیلیفون ایکسچینج کو نوشہرہ ایکسچینج کی سنگل لائن سے ملایا گیا ہے اور راولپنڈی اور پشاور کے لئے صرف اس لائن کے ذریعے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے۔

(ب) آیا یہ امر واقع ہے کہ مذکورہ لائن کے ذریعے طویل انتظار کے باوجود کال حاصل کرنا خاصا مشکل ہے (ج) آیا یہ امر واقعہ ہے کہ نوشہرہ ایکسچینج کو بھی معقول ٹیلیفون لائین مہیا کی گئی ہیں، نیز (د) آیا نوشہرہ کو دوسرے شہروں کے ساتھ ڈائریکٹ ڈائیلنگ نظام کے ذریعے ملانے کی تجویز ہے، اگر ایسا ہے تو کب تک؟

جواب ۱۵/۶/۷۶: جناب ممتاز علی بھٹو

(الف) جی ہاں (ب، ج، د) جی نہیں!

جنگی قیدیوں کی واپسی کا مسئلہ

سوال ۲۹۳[۱] :- کیا وزیر خارجہ از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ

(الف) حکومت نے جنگی قیدیوں کی واپسی کے لئے کیا مثبت قدم اٹھایا۔

(ب) کن کن ممالک میں وفد اسی سلسلے میں بھیجے گئے اور ان کے نتائج۔

جواب :- وزیر خارجہ عزیز احمد کی طرف سے کوششوں کا ذکر ہے۔

نیشنل کونسل آف آرٹس

سوال ۳۶۲ :- کیا وزیر تعلیم از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ

(الف) نیشنل کونسل آف آرٹ کے قیام کی تاریخ۔

(ب) قیام کے مقاصد

(ج) اب تک جو کام کونسل نے کئے۔

(د) کیا کونسل کا قیام آئین اور نظریہ پاکستان کے عین مطابق ہے۔

جواب :- وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) ۶ مارچ ۱۹۷۳ء

(ب) آرٹ کلچر کی ترقی

(ج) پاکستان کی ۲۵ ویں سالگرہ پر نمائش کا اہتمام کیا۔ ہفتہ آئین منایا۔ عوامی میلہ قوالی، قرأت

(د) پاکستان اور دوسرے ممالک کے درمیان آرٹ اور کلچر کا فروغ۔

---

[۱] مباحث اسمبلی ۱۱ جون ۱۹۷۳ء ج ۳ نمبر ۲۱ ص ۱۴۵۵

غیر اسلامی اور فحش لٹریچر

نشان دار سوال ۶۸ : مولانا عبد الحق ، ۱۲ نومبر ۱۹۷۵ء

کیا وزیر داخلہ ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) کیا فحش و قابلِ اعتراض اور ایسے لٹریچر پر پابندی عائد کی گئی ہے جو پاکستان کے نظریہ و سلامتی کے خلاف ہے۔ (ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہے تو ایسے قابلِ اعتراض کتابچوں، رسالوں اور لٹریچر کی تفصیلات بتائی جائیں جن پر ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران پابندی عائد کی گئی ہے، اور (ج) کیا فحش اور قابلِ اعتراض لٹریچر کی درآمد بند کر دی گئی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران ضبط کردہ لٹریچر کی تفصیلات کیا ہیں ؟

جواب :- جناب عبد القیوم خان وزیر داخلہ

(الف) جی ہاں - (ب) یہ کارروائی صوبائی حکومتیں کرتی ہیں اور ان کی طرف سے متعلقہ معلومات کا انتظار کیا جا رہا ہے اور موصول ہونے پر ایوان کی میز پر رکھ دی جائیں گی۔ (ج) کسٹم کے محکمہ نے ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران جس فحش لٹریچر کو ضبط کیا ہے اس کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

(۱) ننگی تصاویر پر مشتمل رسالے : ۵ (۲) فحش کتابیں : ۱۵۳۵ (۳) عریاں فلمیں : ۸

۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران کسٹم ایکٹ کی دفعہ ۱۶ کے تحت حسب ذیل مطبوعات کی پاکستان میں درآمد پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔

(۱) پلانیٹجنٹ سرسٹ فرائی ایف آر ایس اے کی طرف سے نوشتہ اور پرنل لندن کی طرف سے شائع کردہ "یہودیوں کی شاندار داستان"

(۲) رسالہ "شعور" مطبوعہ لندن

(۳) "رہو فرطبی امداد کی اپیل" جسے ادمان و خلیج عرب کی آزادی کا مطالبہ کرنے والے پاپولر فرنٹ لندن کے ساتھ اتحاد کا اعلان کرنے والی کشمیر کمیٹی نے شائع کرایا۔

(۴) سہ ماہی رسالہ "انڈو پیشین ٹریبون" جلد سوم نمبر ۱- ۸۲-۴- ۱۹۷۳ء مطبوعہ البانیہ

(۵) کمیٹی برائے آزادی ایران کی طرف سے آزاد پریس "ایران" مطبوعہ واشنگٹن ڈی سی ۲۰۰۴۴

(۶) جناب مورین پی سمتھ کی نوشتہ "معاشرتی علم [illegible]

(۷) "رنگین گلاب کے پھولوں کی مختصر گائیڈ" تحریر مسٹر لڈوک ولسیرا۔ تصاویر فرینا کلیکا ۔ اور مطبوعہ چیکو سلواکیہ۔

(۸) "احمدیہ خبریں، مارچ ۱۹۷۵ء" مطبوعہ لندن

ملک میں ہپیوں کا داخلہ

سوال ۱۱/ جون ۱۹۷۴ء : مولانا عبدالحق مدظلہ

کیا وزیر برائے امور داخلہ ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

(الف) سال ۷۴ - ۱۹۷۳ء کے دوران کتنے ہپی پاکستان میں داخل ہوئے ؟

(ب) کیا ملک میں داخل ہونے والے ہپیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے ؟

(پ) آیا حکومت کے پاس ان کے پاکستان میں داخلہ پر پابندی لگانے کے لئے کوئی تجویز ہے۔ اگر نہیں ہے تو اس کی کیا وجوہات ہیں - اور

(ت) سمگلنگ کے الزامات میں گرفتار کئے جانے والے غیر ملکیوں کی تعداد کیا ہے؟

جواب :۔ خان عبدالقیوم خان وزیر داخلہ

(الف) چونکہ نقل وطن کرنے والے حکام ان کا اندراج ان کے طرز زندگی کی بجائے غیر ملکی کی حیثیت سے کرتے ہیں اس ان کی تعداد بتانا ممکن نہیں ہے۔

(ب) چونکہ ان کا اندراج بطور ہپی نہیں کیا جاتا لہٰذا یہ بتانا ممکن نہیں ہے کہ آیا ان کی تعداد میں اضافہ یا کمی ہو رہی ہے -

(پ) جی نہیں - کیونکہ بادی النظر میں ان پر پابندی عائد کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے -

(ت) ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۴ء (اپریل تک) کی بابت صوبہ وار معلومات درج ذیل ہیں۔

پنجاب : ۷ ، صوبہ سرحد : ۲

سندھ اور بلوچستان کی حکومتوں سے اسی طرح کی معلومات کا انتظار کیا جا رہا ہے اور موصول ہونے پر ایوان کی میز پر رکھ دیا جائے گا۔

فلموں کی فحاشی اور عریانی اور سنسر شپ کے سوال کے جواب میں

نشاندار سوال ۲۱۸، ۲۴ جون ۱۹۷۴ء : مولانا عبدالحق مدظلہ

جواب :۔ جناب عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) عام نمائش کے لئے تمام فلموں کا سرٹیفکیٹ لینا ضروری ہوتا ہے۔ عام نمائش کے لئے فلموں کی تصدیق سنسر شپ آف فلمز ایکٹ و قواعد ۱۹۶۳ء کے تحت وضع کردہ ضابطے فلم سنسر شپ کی روشنی میں کی جاتی ہے جس میں اثبات کی صراحت کردی گئی ہے کہ عریانی اور فحاشی کی نمائش نہیں کی جائے گی۔ جہاں تک غیر ملکی فلموں کا تعلق ہے یہ بھی اس ضابطہ کے تحت سنسر کے تابع ہوتی ہیں۔

(ب) وفاقی حکومت قومی فلم پالیسی تیار کر رہی ہے جس میں فلموں میں فحاشی اور عریانی کو روکنے کے لئے اقدامات شامل ہوں گے۔ پالیسی کا مناسب وقت پر اعلان کیا جائے گا۔

پی آئی اے آرٹ اکیڈمی !

نشاندار سوال ۳۱۹، ۲۴ جولائی ۱۹۷۴ء : مولانا عبدالحق مدظلہ

جواب :۔ جناب عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) سال رواں کے دوران بیرونی ممالک کو بھیجے گئے ثقافتی طائفوں کی تعداد تین[۳] ہے۔

(ب) پی آئی اے آرٹ اکیڈمی کے طائفہ اور قومی ثقافتی طائفہ جس کا اہتمام پاکستان نیشنل کونسل برائے آرٹس نے کیا تھا نے اپنے دورہ نائیجیریا، ٹیونس، مراکش، اردن، یو ایس ایس آر اور ترکی کے دوران پاکستان کے آرٹ اور ثقافت کی نمائش کی۔

سکولوں کالجوں کا نصاب اور عربی و سائنس

نشاندار سوال ۱۷۴، ۲۴ جولائی ۱۹۷۴ء : مولانا عبدالحق مدظلہ

کیا وزیر تعلیم از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ ـــــــ آیا حکومت عربی کو نصاب میں ایسے طریقے سے شامل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے کہ سائنس کے طلبہ بھی اس کو بطور ایک اختیاری مضمون کے اپنا سکیں؟

جواب :۔ جناب عبدالحفیظ پیرزادہ

مطالعوں کی موجودہ اسکیم میں عربی زبان کو بطور ایک اختیاری زبان کے شامل کیا گیا ہے۔

مرحلہ وار تفصیل درج ذیل ہے۔

(اوّل) ابتدائی مرحلہ:۔ ہر طالب علم کو عربی تحریر اور قرآن پاک کے کچھ حصے سیکھنے پڑتے ہیں اگرچہ اس مرحلہ پر عربی کا لٹریچر مطالعہ کا مضمون نہیں ہے۔

(دوم) درمیانی مرحلہ:۔ عربی زبان ایک اختیاری مضمون ہے ہر طالبعلم اپنی خواہش پر ایسا کر سکتا ہے۔ اس مرحلہ پہ آرٹس اور سائنس کے لئے تخصیص کی ضرورت نہیں ہے۔

(سوم) ثانوی مرحلہ:۔ عربی ایک اختیاری مضمون ہے۔ سائنس کا طالب علم عربی کو بطور ایک مضمون کے اختیار کر سکتا ہے۔

(چہارم) انٹرمیڈیٹ / اعلیٰ ثانوی مرحلہ:۔ صرف آرٹس کے طلباء ہی عربی کو بطور اختیاری مضمون کے اختیار کر سکتے ہیں۔

اسلام آباد کی ایک مسجد میں محکمہ اوقاف کی نامناسب مداخلت

نشان دار سوال ۱۰۱، ۲۲ مارچ ۱۹۷۶ء: مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

کیا وزیر مذہبی و اقلیتی امور اور سمندر پار پاکستانیوں کے وزیر بیان فرمائیں گے کہ:

(الف) کیا یہ امر واقعہ ہے کہ جامع مسجد فائر بریگیڈ اسلام آباد کے خطیب مولانا .... کو کسی دوسری مسجد میں تبدیل کر دیا گیا ہے؟ (ب) اگر (الف) کا جواب اثبات میں ہو تو تبدیلی کی کیا وجوہات ہیں؟

جواب: مولانا کوثر نیازی

(الف) جی ہاں۔ (ب) مذکورہ خطیب کو مسجد فائر بریگیڈ سے ان کی اپنی درخواست پر تبدیل کیا گیا ہے۔

نشان دار سوال ۱۰۲، ۲۲ مارچ ۱۹۷۶ء: مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

کیا مذہبی امور اور سمندر پار پاکستانیوں کے وزیر بیان فرمائیں گے:

(الف) کیا یہ امر واقعہ ہے کہ جامع مسجد فائر بریگیڈ کے مؤذن سے نامناسب سلوک کیا جا رہا ہے اور مندرجہ بالا فائر بریگیڈ سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ ان کی ملازمت ختم کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ اور (ب) اگر مندرجہ بالا (الف) کا جواب اثبات میں ہو تو اس سلسلے میں حکومت

نے اب تک کیا کارروائی کی ہے؟

جواب مولانا کوثر نیازی:

(الف) وزارت کو اس قسم کی خبر نہیں۔ (ب) تاہم معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ مؤذن نے چند نا معلوم افراد کے متعلق حال ہی میں پولیس میں رپورٹ درج کرائی ہے جس پر باضابطہ قانون کے مطابق کارروائی کی جائے گی۔

یونیورسٹی گرانٹ کمیشن

نشانزدہ سوال نمبر ۱۳۰ — ۲۴ مارچ ۱۹۷۶ء : مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

کیا وزیر تعلیم ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن ہر یونیورسٹی کے مسئلوں اور ضروریات کی ایک سالانہ سروے رپورٹ حکومت کو پیش کرتا ہے اور (ب) اگر مندرجہ بالا شق الف کا جواب اثبات میں ہے تو ہر یونیورسٹی کی طرف سے مختلف پراجیکٹوں کے لئے کتنی مالیت کے سرمایہ کی درخواست کی گئی اور کمیشن کی طرف سے ہر یونیورسٹی کیلئے ان کی درخواستوں پر کتنی رقم منظور کی گئی؟

جواب: مولانا کوثر نیازی

(الف) جی نہیں ——— تاہم کمیشن کی طرف سے ہر سال کے آخر میں اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ وفاقی حکومت کو پیش کی جاتی ہے۔ (ب) سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی طرف سے مختلف یونیورسٹیوں کو دی گئی امدادی رقوم کے بارے میں معلومات منسلکہ میں درج ہیں۔

اسلامی مشاورتی کونسل کی میٹنگیں

نشانزدہ سوال نمبر ۱۵۱ — ۱۳ مارچ ۱۹۷۶ء : مولانا عبدالحق مدظلہ

کیا وزیر قانون بیان فرمائیں گے کہ:۔

اسلامی مشاورتی کونسل کی تشکیل کے بعد اس کے کتنے اجلاس منعقد ہوئے ہیں۔

جواب: مولانا کوثر نیازی

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی تاریخ تشکیل سے لے کر اب تک آٹھ اجلاس کئے ہیں۔

ذرائع ابلاغ عامہ (ریڈیو، ٹی وی، اخبارات) کے بارہ میں تقریر

(رپورٹنگ نیشنل اسمبلی)

(وزارت اطلاعات کے مطالبہ زر پر ۲۵ر جون ۱۹۷۴ء کو گیارہ بج کر بیس منٹ پر)

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) محترم وقت بہت کم ہے پانچ منٹ میں ذرائع ابلاغ عامہ کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ میں یہ خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ ذرائع ابلاغ عامہ کے انچارج وزیر ایک عالم ہیں مولانا کوثر نیازی صاحب۔ میں یہ جانتا ہوں کہ ذرائع ابلاغ عامہ سے اگر وہ اپنے علمی شان سے کام لے سکیں تو قوم کی بگڑی ہوئی حالت درست ہو سکتی ہے۔ ذرائع ابلاغ عامہ میں سب سے پہلے ریڈیو آتا ہے۔ جو مجھ سے پہلے مقررین تقاریر فرما رہے تھے ان سے آپ نے ریڈیو کے بارے میں شکایتیں سنیں۔ واقعی مجھے بھی یہی شکایت ہے۔ ۱۴ر جون کو قادیانیت کے بارہ میں جو ہڑتال ہوئی وہ پورے پاکستان میں ہوئی اور امن کے ساتھ ہوئی۔ اس کا ریڈیو میں کوئی ذکر نہیں آیا۔ بی بی سی نے ذکر کیا پھر صوبہ سرحد کی اسمبلی نے قرارداد منظور کی کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اس کا ذکر بی بی سی اور مرکز نے کیا لیکن ہمارے ریڈیو نے نہیں کیا۔ یہ سیاسی بات ہے۔ لیکن میں یہ گذارش کروں گا کہ ہماری قوم ناخواندہ قوم ہے۔ ہم اسلام کے نام پر اس ملک کو حاصل کر چکے ہیں اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس ملک میں اسلام نافذ کریں۔ اتنی گذارش مجھے ریڈیو کے بارے میں کرنا ہے کہ ۸۰ یا ۸۵% ریڈیو کے پروگرام موسیقی اور گانوں کے ہوا کرتے ہیں۔ ان چیزوں کا جن کا تعلق موسیقی سے ہے یہ ٹھیک نہیں۔ یہ ہونا چاہیئے کہ اس وقت ہماری قوم کی حالت کیا ہے مستقبل میں ہماری قوم کو کیا کرنا چاہیئے۔ ماضی میں یہ قوم کتنی گری ہوئی تھی۔ ہمیں ریڈیو پر مفصل طریقہ پر قوم کے سامنے اصلاحی پروگرام رکھنے چاہئیں۔ کم از کم ۸۰ فیصد اصلاحی پروگرام ہوں۔ زیادہ سے زیادہ اصلاحی پروگرام ہوں۔ اگر آزاد منش طبقوں کو راضی کرنا ہوتا تو دس بیس فیصد موسیقی کے پروگرام ہوتے لیکن یہاں تو معاملہ الٹ ہے غنیمت ہے کہ چند منٹ قرآن مجید کی تلاوت اور قرآن مجید کا درس ہوتا ہے۔ وزیر متعلقہ عالم ہیں۔ وہ ہر چیز کو جانتے ہیں۔ یہاں اسمبلی میں اگر پانچ منٹ ہمارے قاری صاحب تلاوت کر لیں اور ترجمہ کر لیں تو کیا سارا ایوان اس سے عالم ہو جائے گا۔ میں

کہتا ہوں کہ پانچ منٹ کی تلاوت اور ترجمے سے ہم لوگ استفادہ نہیں کر سکتے۔ پوری قوم جو ڈیڑھ سو برس سے انگریز کے دور میں غلام رہی ان کے سامنے تو پانچ یا دس منٹ کی تلاوت سے سوائے اس کے کہ تبرک کے طور پر پڑھا جائے الگ چیز ہے۔ آپ اس کے علاوہ بھی ریڈیو سے سیرت بھی بیان کیا کریں۔ حدیث، فقہ وغیرہ بھی بیان کیا کریں۔ میں یہ بھی عرض کروں گا کہ اس میں ہمارے ملک کے جو باشندے ہیں۔ ان میں عورتوں کے لئے جو پروگرام مناسب ہیں نوجوں کے لئے جو پروگرام مناسب ہیں۔ بچوں کے لئے جو پروگرام مناسب ہیں، اسی طریقے سے مسائلِ دین کو بھی بیان کیا جائے۔

جنابِ والا جیسا کہ میرے دوست فاروقی صاحب نے فرمایا ہے۔ مجھ سے یہ کہا گیا کہ اسلام کے اوپر تقریر کروں۔ حقیقت ہے کہ میرے سامنے یہ واقعہ پیش آیا۔ میں نے بھی انہیں عرض کیا۔ کہ مجھے اگر ریڈیو پر تقریر کا موقع دیتے ہو تو میں اپنے ضمیر کے مطابق آزادی سے جو مناسب سمجھوں وہ بولوں گا، پھر انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں یہ نہیں ہے آپ پابندی قبول کریں گے۔ ہم جو بات کہیں گے وہ آپ مانیں گے۔ میں نے آج تک ریڈیو پر تقریر نہیں کی میں یہ عرض کرتا ہوں مولانا کوثر نیازی صاحب سے کہ آپ کی موجودگی میں اسلام کی آزادی اور اسلام کی تعلیم پر کیوں پابندی لگائی جائے۔ جو عالمِ دین اور محقق ہیں ان کو ہم موقع دیں کہ وہ اصلاحی مضامین۔ دینی مضامین۔ ریڈیو پر تقریر کریں ——— (اس کے بعد میں ٹیلیویژن کے متعلق عرض کروں گا)

جنابِ والا! میری رائے تو یہ ہے کہ ہمارا پڑوسی ملک تو ایٹمی دھماکہ کر چکا ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں ٹی وی اور رنگین فلموں پر روپیہ ضائع نہیں کرنا چاہیئے یہ بالکل حرام ہے ہماری قوم سوئی ہوئی نہیں ہے اگر ہم عوام سے یہ کہہ دیں کہ ہم رنگین فلموں اور ٹی وی پر جو کروڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں اس کو ہمیں ایٹمی ہتھیار بنانے میں خرچ کرنا چاہیئے تو فوراً ہمارے عوام اس کے لئے تیار ہو جائیں گے اور قوم یہ کہے گی کہ ہمیں سینماؤں اور فلموں کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اسلحہ پر رقم خرچ کریں ہم بھوکے رہ سکتے ہیں لیکن کمزور نہیں رہنا چاہیئے مجھے تعجب ہے کہ ہمارے یہاں اراکین مطالبہ کرتے ہیں کہ فلاں جگہ ٹی وی اسٹیشن ہونا چاہیئے اور

یہاں سوال پوچھے جاتے ہیں کہ ہمارے ہاں ٹی وی اسٹیشن کب قائم ہوگا۔ میں یہ عرض کروں گا کہ قوم کو کسی تماشوں اور رنگین فلموں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے۔ ہندو کو روٹی اور کپڑا میسر نہیں ہے انہوں نے بھوک سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہڑتالیں کیں، لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ بھارت نے ایٹمی دھماکہ کر لیا ہے تو وہ لوگ خوش ہو گئے اور انہوں نے حکومت کا ساتھ دیا اور حکومت کی موافقت کی کیونکہ حکومت ایٹمی ہتھیار بنانے میں کامیاب ہوئی تھی۔ میں کہتا ہوں کہ ٹھیک ہے ریڈیو کے بغیر چارہ تو نہیں اس کو رہنے دیا جائے لیکن خدا کے لیے فلموں کو اسی وقت تھوڑی سی مدت کے لیے جب تک کہ ہم ایٹمی ہتھیار نہیں بنا لیتے بند کر دیا جائے۔

<u>اخبارات</u> ذرائع ابلاغ میں اخبارات بھی آتے ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم ان کے مطالبات مانیں۔ اخبارات ہی کے ذریعہ قوم کی رائے بنتی ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ فحش اشتہارات جو اخبارات میں شائع ہوتے ہیں ان پر پابندی لگائی جائے۔

<u>دینی رسائل کی مشکلات</u> اس کے بعد میں عرض کروں گا کہ اس ملک میں دینی فکر اور دینی نظریات پیدا کرنے کے لیے رسائل میں مضمون شائع ہوتے ہیں اس ملک میں جو دینی رسائل ہیں ان کی مشکلات مولانا کو معلوم ہیں۔ انہیں نہ ہی کاغذ ملتا ہے اور نہ ہی اشتہارات دیئے جاتے ہیں۔ جب قوم کے ذہن میں کوئی دینی مسئلہ بٹھانا ہو تو اس کے لئے ہمارے پاس رسائل کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس بارے میں مولانا صاحب خاص توجہ فرمائیں۔ ان کو کاغذ کی سہولتیں اور دوسری سہولیات بہم پہنچائیں۔ یہ ان کا بڑا کارنامہ اور کار خیر ہوگا۔ تعلیم کے مسئلے میں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تعلیم کے لئے۔۔۔۔۔۔۔

<u>جناب ڈپٹی اسپیکر</u>:۔ اس بارے میں اب بات نہیں کی جا سکتی۔

<u>مولانا عبدالحق</u> مدظلہ :۔ میں یہ عرض کروں گا کہ اطلاعات کے شعبے میں توجہ دی جائے۔

حلقۂ انتخاب تحصیل نوشہرہ

کے

مسائل اور مشکلات کا ذکر

ستمبر ۱۹۷۲ء

ٹیلیفون کے مسائل

سوال[1] ۳۹۵، ۸ ستمبر ۱۹۷۲ء

کیا وزیر مواصلات از راہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

(الف) آیا یہ امر واقعہ ہے کہ تحصیل نوشہرہ میں نظام پور کا دور دراز اور پہاڑی علاقہ جو کہ ۳۲ دیہات پر مشتمل ہے بمکمل طور پر ذرائع مواصلات سے محروم ہے (ب) کیا حکومت اس علاقہ میں ٹیلیفون لائن لگانا چاہتی ہے اگر ایسا ہے تو کب تک ؟

جواب :۔ غلام مصطفےٰ جتوئی۔

(الف) جی نہیں۔ یہ حقیقت نہیں ہے۔ نظام پور کے پہاڑی علاقے میں ڈاک و تار کی مناسب سہولیات موجود ہیں۔ نظام پور خاص میں ایک "کمبائنڈ پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف سب آفس" ہے۔ اور ملحقہ علاقوں میں ۸ تک ذیلی ڈاکخانہ جات ہیں۔ علاقہ کے لئے ڈاک پشاور، راولپنڈی ریلوے روٹ پر واقع خیرآباد ریلوے اسٹیشن سے لائی اور لے جائی جاتی ہے۔ جو کہ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی یومیہ چلنے والی موٹر میل سروس کے ذریعہ نظام پور کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ تمام کے تمام ذیلی ڈاکخانہ جات بھی یومیہ پیادہ ڈاکیوں کے ذریعے اپنے سب آفسوں کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ (ب) جی نہیں ! ٹیلیفون کی لائنوں کو نظام پور تک بڑھانا بہر حال، معاشی عوامل پر منحصر ہو گا۔

سوال ۳۹۶، ۸ ستمبر ۱۹۷۲ء

کیا وزیر مواصلات از راہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

(الف) آیا یہ امر واقعہ ہے کہ اکوڑہ خٹک تحصیل نوشہرہ کا ٹیلیفون ایکسچینج روزانہ دن کے ۲ سے ۴ بجے تک اور رات کے ۱۱ بجے سے صبح ۷ بجے تک بند رہتا ہے۔ اور عوام کی طرف سے درخواستوں کے باوجود اس کا اب تک کوئی نوٹس نہیں لیا گیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو حکومت کیا کارروائی کرنے کی تجویز رکھتی ہے ؟ (ب) چونکہ اکوڑہ خٹک ایکسچینج میں صرف ایک لائن ہے، جو اسے نوشہرہ سے ملاتی

---

[1] مباحث اسمبلی ۱۹۷۲ء ج ۱ ش ۲۶ ص ۱۰۹۲

ہے۔ کیا اکوڑہ خٹک کو پشاور یا راولپنڈی سے ملانے کے لئے کوئی لائن لگائی جائے گی۔؟

جواب :۔ غلام مصطفےٰ جتوئی

اکوڑہ خٹک میں پچاس لائنوں کا ایک ایکسچینج دن میں ۱۴ گھنٹوں کے لئے کھلا رہتا ہے سات بجے تک دو بجے اور چار بجے تا گیارہ بجے کنکشنوں کی تعداد ۹ ہے۔ لہٰذا چوبیس گھنٹے تک کھلا رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے مسئلہ کی از سر نو جانچ کی جا رہی ہے۔

سوال ۳۹۷ - ۸ ستمبر ۱۹۷۲ء

کیا وزیر مواصلات از راہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :۔
سال رواں کے دوران تحصیل نوشہرہ میں کتنے ٹیلیفونی سلسلے اور ٹیلیفون ایکسچینج لگائے جائیں گے؟

جواب :۔ غلام مصطفےٰ جتوئی

اس وقت نوشہرہ تحصیل میں دو ٹیلیفون ایکسچینج ہیں۔ ایک نوشہرہ میں اور دوسرا اکوڑہ خٹک میں۔ موجودہ سال میں کسی نئے ٹیلیفون ایکسچینج کے کھولے جانے کی کوئی تجویز نہیں ہے۔ مندرجہ بالا ٹیلیفون ایکسچینجوں میں سے دیئے جانے والے مزید ٹیلیفونوں کا انحصار مانگ پر ہوگا۔

جون ۱۹۷۳ء

سوئی گیس، ٹیوب ویل بجلی

سوال ۱۲۳ ، ۷ جون ۱۹۷۳ء

کیا وزیر ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل از راہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ آیا تحصیل نوشہرہ کی شہری اور دیہاتی آبادی تحصیل نوشہرہ سے گزرنے والی سوئی گیس پائپ لائن سے استفادہ کر سکے گی اگر یہ درست ہے تو کب تک ؟

(۱) سال ۷۲ - ۱۹۷۳ء کے دوران تحصیل نوشہرہ کے کتنے دیہات کو بجلی فراہم کی جائے گی ؟

(۲) اس مدت کے دوران تحصیل نوشہرہ کے کتنے ٹیوب ویلوں کو بجلی فراہم کی جائے گی۔؟

جواب : حیات محمد خان شیر پاؤ :۔

سوئی نادرن گیس پائپ لائن لمیٹیڈ کی طرف سے عنقریب تحصیل نوشہرہ کی شہری آبادی کو گیس

مہیا کر دی جائے گی۔ اس کمپنی نے نوشہرہ چھاؤنی شہر کو گیس مہیا کرنے کے لئے گیس تقسیم کرنے والے پائپ لائن بچھانے کا کام پہلے ہی شروع کر دیا ہے۔ تاہم فی الحال تحصیل نوشہرہ کی دیہی آبادی کو گیس مہیا کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں ہے۔

(۱) تین (۲) ایک سو پچاس

بجلی اور پانی کے مسائل

سوال نمبر ۲۴۴ مورخہ ۱۶ جون ۱۹۷۳ء[1]

کیا وزیر ایندھن، بجلی اور قدرتی وسائل بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) کیا یہ صحیح ہے کہ تحصیل نوشہرہ کا اکثر پہاڑی اور دشوار گزار حصہ بجلی سے محروم ہے اور بجلی نہ ہونے کی وجہ سے آبپاشی اور زراعت جیسے اہم منصوبے تشنہ تکمیل ہیں۔ مثلاً مانکی کونسل، شاہ کوٹ، چراٹ، زیارت کاکا صاحب کونسل، چیچی کونسل اور علاقہ خوڑہ نظام پور کے اکثر دیہات۔ (ب) کیا یہ صحیح ہے کہ تحصیل نوشہرہ کے بعض دیہاتی علاقے اس حد تک پسماندہ ہیں کہ پینے کا پانی بھی کئی کئی میل سے لانا پڑتا ہے؟ (پ) کیا حکومت کے پاس تحصیل نوشہرہ کے ایسے پسماندہ علاقوں کو خصوصی توجہ دینے کی کوئی تجویز ہے؟

جواب :۔ حیات محمد خان شیرپاؤ۔

(الف) تحصیل نوشہرہ کے پہاڑی اور دشوار گزار علاقوں میں بجلی نہیں پہنچائی گئی کیونکہ وہاں سے آمدنی کم ہونے اور خرچ زیادہ ہونے کی توقع ہے۔ کسی سرکاری ادارے کی طرف سے ان دیہاتوں میں اہم آبپاشی کے اور زرعی پراجیکٹوں کے لئے بجلی مہیا کرنے کی بابت کوئی درخواست واپڈا کے زیر کارروائی نہیں ہے۔ (ب) پینے کا پانی مہیا کرنا صوبائی حکومت کے دائرہ عمل میں آتا ہے۔ (پ) واپڈا دستیاب مالی وسائل کو مدنظر رکھ کر تحصیل نوشہرہ کے مزید دیہات کو بجلی مہیا کرنے کی بابت غور کرے گی۔

---

[1] مباحث اسمبلی ۱۶ جون ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۲۴۵

نومبر، دسمبر ۱۹۷۳ء

چھاٹ تا اٹک پہاڑی علاقے اور معدنیات

سوال[۱] ۳۷، ۲۸ نومبر ۱۹۷۳ء

کیا وزیر برائے ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل ازراہ کرم یہ بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) آیا حکومت اس امر سے آگاہ ہے کہ چھاٹ سے لے کر اٹک تک بشمول علاقہ نظامپور تحصیل نوشہرہ، پہاڑی سلسلہ معدنی ذخائر سے پُر ہے۔ (ب) آیا حکومت ان معدنی ذخائر سے معدنیات باہر نکال کر استفادہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اگر ایسا ہی ہے تو کب تک؟ (پ) اگر حصہ الف بالا کا جواب نفی میں ہو تو آیا حکومت ان پہاڑوں میں معدنیات کے جائزہ لینے کا کام کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کب تک؟

جواب :۔ حیات محمد خان شیر پاؤ

(الف) کوئلہ، کچا لوہا، فاسفیٹ، سلیکھڑی اور چونے کے پتھر کے ذخائر ان علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن چونے کے پتھر کے علاوہ باقی اشیاء اتنی کم ہیں کہ بڑے پیمانے پر ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ (ب) جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ ان تمام معدنیات کے ذخائر سوائے چونے کے پتھر کے اتنے کم ہیں کہ بڑے پیمانے پر ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ مزید برآں معدنیات سے فائدہ اٹھانا ایک صوبائی موضوع ہے۔ (پ) اس علاقے کے مختلف حصوں کا طبقات الارض سروے پہلے کیا جا چکا ہے۔ نیز یہ کام پاکستان کے طبقات الارض سروے کے محکمے کے اس پروگرام میں بھی شامل ہے جس کے تحت ۷۳۔۱۹۷۴ء کے میدانی موسم میں کام کیا جائے گا۔

پسماندہ علاقے اور زیارت کاکا صاحب کے پانی کا مسئلہ

سوال[۲] ۹۹، ۴ دسمبر ۱۹۷۳ء

کیا وزیر خوراک و زراعت ازراہ کرم یہ بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) آیا شمال مغربی سرحدی صوبے کے پسماندہ اور کم ترقی یافتہ علاقوں کی ترقی کے لئے صحیح معنوں میں توجہ دی جا رہی ہے؟ (ب) آیا یہ امر واقع ہے کہ تحصیل نوشہرہ کے کئی مقامات خصوصاً

---

[۱] مباحث اسمبلی ۱۲/۳/۷۳ ج ۲ ش ۱ ص ۱۵ [۲] مباحث اسمبلی ۴/۱۲/۷۳ ج ۴ ش ۷ ص ۸۳

زیارت کاکا صاحب جیسا متبرک قصبہ پینے کے پانی جیسی بنیادی ضرورت سے محروم ہے؟ (ب) آیا حکومت اس علاقے کے بنیادی مسائل حل کرنے اور پسماندگی دور کرنے کے لیے حکومت شمال مغربی سرحدی صوبہ کو خصوصی ہدایات اور مدد دے گی؟

جواب :- سردار غوث بخش رئیسانی۔

(الف) جی ہاں۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ کے پسماندہ علاقوں کی ترقی کے لیے معمولاً رقوم مختص کرنے کے علاوہ حال ہی میں وزیراعظم نے ۵ کروڑ روپے کی مزید رقم بھی مختص کی ہے۔ جن میں صوبہ سرحد کے قبائلی علاقوں کو ترقی دی جائے گی۔ (ب) شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت سے معلومات حاصل کی جا رہی ہیں۔

دیہی علاقے، مواصلات اور آبپاشی نظام

سوال ۵۵ ، ۲۹ نومبر ۱۹۷۳ء [1]

کیا وزیر منصوبہ بندی و ترقیات ازراہ کرم یہ بیان فرمائیں گے کہ :-

(الف) موجودہ حکومت دیہی علاقوں میں بالعموم اور پشاور ڈویژن کے دیہی علاقوں میں بالخصوص بہتر آبپاشی اور طبی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے کیا اقدامات کر رہی ہے؟ (ب) موجودہ حکومت نے تحصیل نوشہرہ کے دیہی علاقوں میں مواصلاتی اور آبپاشی نظام کو بہتر بنانے کے لئے کیا اقدامات کیے ہیں؟

جواب :- ڈاکٹر بشیر حسن

(الف) وفاقی حکومت نے سرحدی صوبہ کی حکومت کو ترقی کے لئے ۳۰ کروڑ روپے مہیا کیے تھے جن میں سے صوبائی حکومت نے ۳ء۴۴ کروڑ پشاور ڈویژن میں خاص سیکٹروں کے لئے مخصوص کئے تھے۔ (ب) تحصیل نوشہرہ کے لیے علیحدہ علیحدہ اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔

نظامپور چراٹ تا اٹک کے پہاڑی سلسلوں کا مصرف

سوال ۸۹ ، ۳ دسمبر ۱۹۷۳ء

کیا وزیر پیداوار ازراہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) کیا یہ امر واقعہ ہے کہ چراٹ تا اٹک بشمول نظامپور علاقہ تحصیل نوشہرہ میں پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلے کو سیمنٹ کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے؟ (ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں

[1] مباحث اسمبلی ۳ دسمبر ۱۹۷۳ء ج ۴ ش ۴ ص ۲۲۰

ہو تو کیا حکومت سیمنٹ فیکٹری کے قیام یا علاقہ میں دیگر معدنیات کی تلاش کا ارادہ رکھتی ہے۔ تاکہ وہاں رہنے والے ہزاروں کو روزگار کے مواقع فراہم ہو سکیں۔

جواب: جے اے رحیم

(الف) اس علاقے میں چونے کے پتھر، چکنی مٹی اور کھریا مٹی کے بعض ذخائر دستیاب ہیں لیکن سیمنٹ کی صنعت کے لئے تفصیلی ارضیاتی تحقیقات ابھی نہیں کی گئی ہیں۔ (ب) سیمنٹ کا کوئی کارخانہ قائم کرنے کی تجویز نہیں ہے۔ لیکن دیگر معدنیات نکالنے کے لئے سروے کیا جا رہا ہے۔

سی۔ ڈی۔ اے کی ملازمتوں میں صوبہ سرحد کا کوٹہ

سوال ۱۱۰۔ ۱۷ نومبر ۱۹۷۳ء

کیا وزیر شہری منصوبہ بندی و زرعی دیہی امور از راہ کرم یہ بیان فرمائیں گے کہ:۔

(الف) آیا سی۔ ڈی۔ اے (ادارہ ترقی دارالحکومت) میں غیر ٹیکنیکل ملازمین کی بھرتی صوبوں اور علاقوں کی بنیاد پر کی جاتی ہے؟ (ب) اگر ضمن (الف) بالا کا جواب اثبات میں ہو تو مذکورہ اسامیوں میں صوبہ سرحد کا کوٹہ کس قدر ہے؟ (ج) موجودہ غیر ٹیکنیکل عملے میں صوبہ سرحد کے ملازمین کی کل تعداد کیا ہے؟ (د) آیا یہ امر واقع ہے کہ سرحد، بلوچستان اور کشمیر کے لئے مشترکہ کوٹہ مقرر کیا گیا ہے؟ اگر ایسا ہو تو آیا پنجاب کی مانند ان علاقوں کے لئے بھی علیحدہ علیحدہ کوٹہ مقرر کرنے کی تجویز ہے؟ (ہ) آیا سی ڈی اے میں آج کل کلرکوں کی بھرتی کی جا رہی ہے اگر ایسا ہی ہو تو آیا یہ بھرتی کوٹہ کے نظام کے تحت ہو گی؟

جواب: جے اے رحیم

(الف) صوبوں کا کوٹہ حکومت نے حال ہی میں مقرر کیا ہے اور اسے سب تقرریوں بشمول غیر ٹیکنیکل عملہ مد نظر رکھا جاتا ہے۔ (ب) حکومت نے بھرتی کے لئے شمال مغربی سرحدی صوبے کا کوٹہ ۱۱۵ فیصد مقرر کیا ہے۔ جب کہ سی ڈی اے میں غیر ٹیکنیکل اسامیوں پر موجودہ تناسب ۱۳ فیصد ہے۔ (ج) باقاعدہ: ۲۲۳۔ ورک چارج (کار اجرتی) = ۷۳۶ (د) جی نہیں۔ شمال مغربی سرحدی صوبے بلوچستان اور کشمیر کے لئے علیحدہ علیحدہ کوٹہ پہلے ہی مقرر کیا جا چکا ہے۔ (ہ) جی ہاں۔ کلرکوں کی بھرتی حکومت کے مقررہ کوٹے کے مطابق کی جا رہی ہے۔

چند مسترد شدہ سوالات

ایس۔یو/کیو ڈی نمبر ۸۔کیو اے پی۔ ۵/فروری ۱۹۷۴ء

کیا وزیر متعلقہ بتائیں گے کہ:۔

(الف) لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس کے موقعہ پر شبینہ کلبوں اور ناچ گانوں دو کانوں اور ہوٹلوں و کلبوں میں شراب پر پابندی عائد کرنے کے متعلق کسی تجویز پر غور کیا جا رہا ہے (ب) اگر نہیں تو کیا لاہور کے اسلامی روایات مسلم سربراہ کی عظیم کانفرنس کے موقعہ پر ایسے کسی اقدام پر غور کیا جائے گا۔

ایس یو/کیو ڈی ۲۲۔کیو اے پی

کیا وزیر مملکت برائے امور خارجہ ارشاد فرمائیں گے کہ:۔

(الف) کیا لاہور کے سربراہ کانفرنس میں مشرقی وسطیٰ کے علاوہ کشمیر اور فلپائن اور ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت زار پر بھی غور کیا جائے گا۔ (ب) کیا مسلم ممالک کے درمیان اسلامی بنیادوں پر تعلقات استوار کرانے کے متعلق تجاویز پر غور کیا جائے گا۔

اپریل ۱۹۷۴ء

سرحد و پنجاب کے درمیان گھی اور غذائی اجناس کی نقل و حمل پر پابندی

سوال ۱۵۸۔ ۱۷ اپریل ۱۹۷۴ء

کیا وزیر تعلیم و صوبائی رابطہ بیان فرمائیں گے کہ:۔

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ صوبہ پنجاب و سرحد کے درمیان آٹا و گھی کی نقل و حرکت پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں ہوتی؟ (ب) اگر مندرجہ بالا الف کا جواب اثبات میں ہے تو پنجاب سے مختلف مقامات پر آٹا و گھی لے جانے والوں کو پولیس ناجائز تنگ کیوں کرتی ہے؟

جواب: (دستیاب نہ ہو سکا)

صوبۂ سرحد اور وفاقی حکومت کے قرضے

سوال ۱۵۱، ۱۷ اپریل ۱۹۷۴ء

کیا وزیر مالیات بیان فرمائیں گے کہ:۔

آیا یہ امر واقعہ ہے کہ وفاقی حکومت نے صوبہ سرحد کو وہ سابقہ قرضے معاف کر دیئے ہیں جو آبپاشی اور ٹیوب ویلوں کی تنصیب کے لئے اسے دیئے گئے تھے؟

جواب:۔ جناب جے اے رحیم

۱۵ اپریل ۱۹۷۲ء تک این ڈبلیو ایف پی کی حکومت کی طرف وفاقی حکومت کے روپوں میں تمام واجب الادا قرضے معاف کر دیئے گئے ہیں۔

نظامپور کے پسماندہ عوام کے مسائل

سوال ۱۲۵، ۱۵ اپریل ۱۹۷۴ء

کیا وزیر خوراک، زراعت و دیہی ترقی بیان فرمائیں گے کہ:۔

(الف) کیا وفاقی حکومت ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ کے نہایت پسماندہ علاقہ نظامپور وائک کے پہاڑی علاقہ کے دونوں طرف آباد لاکھوں عوام کو بنیادی ضروریات اور آسائشوں تعلیم، طب، مواصلات، بجلی اور پانی کی فراہمی کیلئے مرکزی سطح پر توجہ دے سکیگی؟ (ب) اگر جواب نفی میں ہے تو کیا ایسے پسماندہ علاقوں کو صرف صوبوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا آئین اور موجودہ حکومت کی عوامی فلاح کی پالیسیوں سے ہم آہنگ ہے؟

جواب:۔ میجر جنرل ریٹائرڈ جمالدار:۔

(الف) آئین کے تحت صوبوں میں ان سہولتوں کی فراہمی متعلقہ صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔ صوبائی حکومتیں دستیاب وسائل کے اندر رہتے ہوئے یہ سہولتیں بہم پہنچانے کی سعی بلیغ کر رہی ہیں۔

(ب) وفاقی حکومت کو بھی صوبوں کی مساوی طور پر پاکستان کے پورے دیہی علاقوں خصوصاً وہ جو نسبتاً زیادہ پسماندہ ہیں کی ترقی سے تعلق ہے۔ یہ مقصد صوبوں کو مناسب رقوم کی تخصیص کر کے حاصل کیا جا رہا ہے۔ اس کے لئے ۳۰.۰۰ ملین روپے کی رقم صوبہ سرحد کے سالانہ ترقیاتی پروگرام میں رکھے گئے ہیں۔

قومی پے سکیل اور صوبہ سرحد

سوال ۷۷ ، ۱۰ اپریل ۱۹۷۴ء

کیا وزیر مالیات ازراہ کرم بیان فرمائیں گے کہ :-

(الف) کیا یہ درست ہے کہ حکومت شمال مغربی سرحدی صوبہ نے وفاقی حکومت کے نئے قومی تنخواہ سکیلوں کا اعلان ابھی تک نہیں کیا ہے۔ (ب) کیا یہ بھی درست ہے کہ نئے قومی تنخواہ اسکیل صوبہ سرحد میں تاحال رائج نہیں کئے گئے۔ (پ) اگر مندرجہ بالا الف اور ب کے جوابات اثبات میں ہوں تو اس کی وجوہ بیان کی جائیں۔

جواب :- جناب عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) جی نہیں۔ (ب) جی نہیں۔ (پ) سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جون ۱۹۷۴ء

بجلی و آبپاشی کے مشکلات

سوال ۱۰۸ ، ۱۵ جون ۱۹۷۴ء

کیا وزیر ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل بیان فرمائیں گے کہ :-

(الف) تحصیل نوشہرہ کے خشک پہاڑی علاقوں نظامپور، مانکی کونسل، چراٹ وغیرہ جیسے خشک اور بے آب و گیاہ علاقوں کی آبپاشی کے لئے کوئی سکیم حکومت کے زیر غور ہے؟ (ب) سال ۷۲-۱۹۷۳ء میں تحصیل نوشہرہ میں ٹیوب ویلوں کے لئے بجلی کنکشن کی بابت کتنی درخواستیں دی گئی تھیں اور اس عرصہ میں کتنے ٹیوب ویلوں کو بجلی مہیا کی گئی، نیز (ج) ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران کتنے نئے ٹیوب ویلوں کو بجلی مہیا کی جائے گی؟

جواب :- رانا محمد حنیف وزیر ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل

(الف) واپڈا فی الحال آبپاشی کی ایسی کسی اسکیم پر غور نہیں کر رہا۔ یہ معلوم نہیں ہے کہ آیا صوبائی حکومت اس معاملے پر غور کر رہی ہے یا نہیں۔ صوبہ سرحد کی حکومت سے یہ معلومات دینے کے لئے کہا گیا ہے اور موصول ہونے پر انہیں ایوان کی میز پر رکھ دیا جائے گا۔ (ب) ۷۲-۱۹۷۳ء کے دوران تحصیل نوشہرہ سے ٹیوب ویلوں کے بجلی کے کنکشن کیلئے ۲۰۶ درخواستیں موصول ہوئی تھیں، جن میں ۱۴۷

درخواست گذاروں سے ضروری رسمی کارروائی مکمل کر دی تھی اور ۱۱۴ کو بجلی دے دی گئی تھی (ج) ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران تحصیل نوشہرہ میں تاحال ۱۱۷ ٹیوب ویلوں کیلئے بجلی کے نئے نئے کنکشن دیئے گئے تھے۔

سوال ۱۰۹ ، ۱۵ جون ۱۹۷۴ء

کیا وزیر ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) کیا یہ امر واقع ہے کہ تحصیل نوشہرہ کے بیشتر پہاڑی علاقے بجلی سے محروم ہیں جس کے باعث آبپاشی اور زراعت جیسے اہم منصوبے تشنۂ تکمیل ہیں۔ مثلاً مانکی کونسل، شاہ کوٹ، بجراٹ، زیارت کاکا صاحب کونسل، چیتمی کونسل اور علاقہ خوڑہ نظام پور کے اکثر دیہات ۔(ب) کیا حکومت کے پاس ایسی کوئی اسکیم ہے جس کے ذریعے تحصیل نوشہرہ کے ایسے پسماندہ علاقوں کو بجلی مہیا کرنے پر خصوصی توجہ دی جائے ؟

جواب :۔ رانا محمد حنیف وزیر ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل۔

(الف) ان علاقوں کے متعدد دیہات میں پہلے ہی بجلی پہنچائی جا چکی ہے۔ صرف ایسے چھوٹے چھوٹے دیہات میں جو دشوار گزار علاقوں میں واقع ہیں۔ یا جو واپڈا کی موجودہ ترسیلی لائنوں سے بہت دور ہیں۔ وہاں بجلی نہیں پہنچائی گئی ہے ۔(ب) ایسی کوئی خاص سکیم زیرِ غور نہیں ہے ۔کیونکہ تحصیل نوشہرہ کے بیشتر دیہات میں بجلی پہنچائی جا چکی ہے۔ جو اقتصادی لحاظ سے سود مند تھے ۔

جہانگیرہ اور اکوڑہ خٹک ریلوے اسٹیشن

سوال ۲۹۴ ، ۲۷ جون ۱۹۷۴ء

کیا وزیر مواصلات براہِ کرم بتائیں گے کہ :۔

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ خیرآباد اور جہانگیرہ ریلوے اسٹیشن سے ملحقہ کوارٹروں میں رہنے کو بجلی فراہم نہیں کی گئی ہے ۔(ب) آیا یہ بھی امر واقع ہے کہ مذکورہ بالا ریلوے اسٹیشن جو مذکورہ کوارٹروں سے چند گز کے فاصلے پر ہے۔ وہاں پہلے ہی بجلی موجود ہے اگر ایسا ہے تو عملے کے کوارٹروں کو بجلی نہ دینے کی وجوہ کیا ہیں ؟

جواب :۔ خورشید حسن میر

(الف) جی ہاں (ب) جی ہاں ان اسٹیشنوں میں بالترتیب ۵۹-۱۹۵۸ء اور ۵۸-۱۹۵۷ء کے دوران

بجلی مہیا کی گئی تھی۔ اس وقت کی پالیسی یہ تھی کہ زیرین درجہ کے اسٹاف کوارٹروں کو بجلی مہیا نہ کی جائے لہٰذا انہیں بجلی نہیں دی گئی تھی ـــــ تاہم اسٹاف کوارٹروں میں بجلی پہنچانے کا کام ہاتھ میں لیا جا چکا ہے اور یہ کام رقوم کی دستیابی کے مطابق ایک مرحلہ وار پروگرام میں کیا جائے گا۔

سوال ۲۹۵ ، ۲۷ جون ۱۹۷۴ء

(الف) آیا یہ امر واقع ہے کہ اکوڑہ خٹک ریلوے اسٹیشن پر پانی کی فراہمی کا انتظام نہیں؟ (ب) آیا یہ امر واقعہ ہے کہ حکام سے گذشتہ ۵ سال سے خط و کتابت جاری ہے۔ اور ان سے التجا کی گئی ہے کہ مذکورہ بالا ریلوے اسٹیشن کو ملحقہ فیکٹری سے پانی فراہم کریں؟ (پ) اگر الف اور ب بالا کا جواب اثبات میں ہو تو اس ضمن میں حکومت نے اب تک کارروائی کیوں نہیں کی ہے؟ (ت) آیا یہ امر واقعہ ہے کہ اکوڑہ خٹک ریلوے اسٹیشن کے گریڈ ۱ تا ۹ کے ملازمین کے کوارٹروں میں بھی بنیادی سہولتیں مثلاً روشندان، بجلی اور پانی نہیں۔ اور (ٹ) اگر ت بالا کا جواب اثبات میں ہو تو آیا حکومت مذکورہ بالا مسائل حل کرنے کے لئے تجویز کرے گی؟

جواب :- خورشید حسن میر

(الف) جی نہیں! جب اکوڑہ خٹک اسٹیشن پر واقع کنواں خشک ہو گیا تو پاکستان تمباکو کمپنی سے پانی کا کنکشن لے کر مال شیڈ کے قریب ایک نل لگا دیا گیا تھا تاکہ ریلوے سٹاف اسے استعمال کر سکے۔ (ب) تمباکو کمپنی اور ریلوے میں پانی کی فراہمی کی بابت جو سمجھوتہ ہوا تھا۔ اسے نومبر ۱۹۶۸ء میں کمپنی کو بھیجا گیا تھا۔ لیکن کمپنی نے اسے ابھی تک مکمل نہیں کیا۔ جونہی کمپنی کسی ٹھوس معاہدے پر دستخط کر دے گی تو ریلوے کی طرف سے اسٹیشن میں عملہ اور مسافر دونوں کے لئے پانی کی باقاعدہ فراہمی کے لئے پائپ لائن مہیا کر دی جائے گی (پ) جز الف اور ب بالا کے جواب کے پیش نظر یہ سوال پیدا نہیں ہوتا (ت) جی نہیں! اکوڑہ خٹک اسٹیشن پر درجہ چہارم و درجہ سوم ملازمین کے مکانات منظورہ شدہ نقشوں کے کے مطابق تعمیر کئے جاتے ہیں اور ان میں ہوا کی آمد و رفت کے لئے کھڑکیاں اور روشندان لگے لگے ہوئے ہیں، تاہم کوارٹروں میں بجلی ابھی تک نہیں پہنچائی گئی۔ مگر ۷۵ - ۱۹۷۴ء کے دوران یہاں بجلی مہیا کرنے کا پروگرام ہے۔ (ٹ) جو مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ ان پر پہلے ہی توجہ دی جا رہی ہے۔

تحصیل نوشہرہ کے اراضیات چاند ماری کا مسئلہ

ایس کیو ڈی ۲۶/۷۵۔ ۲۰ نومبر ۱۹۷۵ء

کیا وزیرِ دفاع بتلا سکیں گے کہ کیا یہ درست ہے کہ :۔

(الف) تحصیل نوشہرہ کے اکثر دیہات پیر پیائی، بدرشی، امان گڑھ، خٹ کلی، اضاخیل بالا، پایان، سپین کانہ، جبہ خٹک، شیخی، عیسیٰ، جلوزی وغیرہ مواضعات کی اراضی برائے رینج چاند ماری حکومتِ برطانیہ نے ایک معمولی اجارہ پر لی تھی اور اب تک یہ اراضیات چاند ماری کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔

(ب) کیا یہ صحیح ہے کہ اب بھی اس کی اجارہ چھ پیسے یا دس پیسے فی جریب ہے اور یہ قلیل اجارہ مدت سے مالکانِ اراضی کو نہیں مل رہا ہے۔ جبکہ اجارہ سے پہلے یہ زمینیں مالکان کو کافی پیداوار دیتی تھیں۔

(ج) کیا مرکزی حکومت حسب ذیل تجاویز میں سے کسی تجویز پر عملدرآمد کرانے کے لئے تیار ہے۔

(۱) اراضیات کو مالکان کے حوالے کیا جائے۔

(۲) یا تبادل اراضی کسی اور جگہ دی جائیں

(۳) یا ان اراضیات کا اجارہ موجودہ وقت کے مطابق مقرر کیا جائے۔

جواب:۔سوال مسترد کر دیا گیا۔

ارمڑ پایانہ کے بجلی کا مسئلہ

سوال ۸۵، ۲۱ جون ۱۹۷۶ء

کیا وزیرِ ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل بیان فرمائیں گے کہ :۔

(الف) آیا یہ امر واقعہ ہے کہ تحصیل نوشہرہ کے گاؤں آرمڑ پایانہ کے محلہ یوسف خیل اور سکول کی طرف کے علاقے کو تا حال بجلی مہیا نہیں کی گئی ہے؟ یا نیز (ب) کیا یہ امر واقعہ ہے کہ اب تک ۲۰ یا ۳۰ ٹیسٹ رپورٹیں پیش کی جا چکی ہے۔ لیکن ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس محلے میں کب تک بجلی مہیا کی جائے گی؟

جواب:۔ جناب محمد یوسف خٹک وزیرِ ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل۔

(الف) جی ہاں (ب) محلہ یوسف خیل کے مکینوں کی طرف سے واپڈا کو بجلی کے کنکشنوں کے لئے ۲۸ درخواستیں موصول ہوئی ہیں۔ اس علاقہ تک بجلی مہیا کرنے والی لائنوں کی توسیع کے بعد واپڈا

یہاں بجلی مہیا کرے گا۔ امید ہے کہ یہ کام ۷۷ - ۱۹۷۶ء کے دوران کر دیا جائے گا۔

تحصیل نوشہرہ کے پہاڑی علاقوں کے معدنیات

سوال ۸۶ ، ۲۱ جون ۱۹۷۶ء

کیا وزیر ایندھن بجلی و قدرتی وسائل بیان فرمائیں گے کہ :-

(الف) آیا تحصیل نوشہرہ کے پہاڑی علاقے (چراٹ تا اٹک) میں معدنی ذخائر مثلاً قیمتی پتھر سنگِ مرمر، چپس اور سیمنٹ موجود ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو حکومت نے ان ذخائر کا سروے کیا ہے اور (ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہو تو اس کا کیا نتیجہ نکلا ہے ؟

جواب :- جناب محمد یوسف خٹک وزیر ایندھن بجلی و قدرتی وسائل

(الف) تحصیل نوشہرہ کے پہاڑی علاقہ (چراٹ تا اٹک) نرم پتھر، ریتلے پتھر اور چونے کے پتھر پر مشتمل ہے۔ چونے کے پتھر کو سیمنٹ بنانے کے لئے بطور خام مال استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہاں پر ملنے والا چٹانی مواد نرم ہونے کے باعث چپس کے طور پر استعمال کے قابل نہیں ہے۔ تحصیل نوشہرہ میں کسی جگہ تا حال کوئی قیمتی پتھر دریافت نہیں ہوا ہے۔ یہ بات پاکستان ارضیاتی سروے کی طرف سے لئے گئے جائزے سے ثابت ہو چکی ہے۔ (ب) الف بالا کا جواب اثبات میں نہیں ہے۔

تحصیل نوشہرہ کی بجلی اور خراب ٹیوب ویل

سوال ۳۹ ——— کیا وزیر ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل بیان فرمائیں گے کہ :-

(الف) موجودہ سال کے دوران تحصیل نوشہرہ کے کن علاقوں کو برقانے کی تجویز ہے (ب) مذکورہ سال کے دوران تحصیل نوشہرہ میں کتنے ٹیوب ویل لگانے یا لگائے جانے کی تجویز ہے اور (ج) کیا یہ امر واقعہ ہے کہ مندرجہ بالا تحصیل میں بہت سے ٹیوب ویل بڑے عرصے سے کام نہیں کر رہے ہیں اگر ایسا ہے تو اس کی وجوہات بتائی جائیں ؟

جواب :- ——— جناب محمد یوسف خٹک وزیر ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل

(الف) موجودہ سال کے دوران تحصیل نوشہرہ کے مندرجہ ذیل علاقوں کے برقائے جانے کی تجویز ہے، شوکت آباد، اسلام آباد، غنی ملا، حاجی مظفر کلی اور نمروز کلی کے گاؤں پر مشتمل میرہ مصری بانڈہ، شادی اور نامہ خیل۔ حالیقی (ب) موجودہ مالی سال کے دوران واپڈا نے تحصیل نوشہرہ میں ابتک ۱۲ ٹیوب ویل لگائے ہیں جون ۱۹۷۶ء کے آخر تک دو نئے ٹیوب ویل کھودے جانے کی توقع ہے (ج) تحصیل نوشہرہ میں واپڈا کی جانب سے لگایا جانے والا کوئی ٹیوب ویل خراب نہیں ہے۔

صوبہ سرحد اور نوشہرہ کے ترقیاتی پروگرام

نشان دار سوال ۱۲۱ ، ۲۴ اپریل ۱۹۷۶ء : مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

کیا وزیر منصوبہ بندی و ترقی از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :۔

(الف) سال رواں کے دوران وفاقی حکومت کی نگرانی میں شمال مغربی سرحدی صوبہ کے کتنے پراجیکٹوں پر کام ہو رہا ہے۔ (ب) ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ میں وفاقی حکومت کی نگرانی میں کسی پراجیکٹ پر کام کیا جا رہا ہے اور (ج) آیا نوشہرہ کے خٹک نظامپور کے علاقے میں کوئی ترقیاتی منصوبہ شروع کا امکان ہے ؟

جواب وزیر خزانہ ، منصوبہ بندی و ترقی

(الف) وفاقی حکومت کی زیر نگرانی شمال مغربی سرحدی صوبہ میں زیر عمل منصوبوں کی تعداد ۱۸ ہے (منسلکہ ۱) ان کے علاوہ کچھ مربوط پروگرام جن سے شمال مغربی سرحدی صوبہ مستفید ہوتا ہے یہ ہیں۔ ڈاکخانے محکمہ تار و ٹیلیفون ، ریلوے ، شعبہ صحت کے منصوبے ، صنعتی کارپوریشن ، پانی کے منصوبے ، تحفظ پودہ جات و کھاد۔ کے منصوبے وغیرہ۔ (ب) جی ہاں ، ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ میں مندرجہ ذیل پروگراموں پر کام کیا جا رہا ہے۔ **پانی** پہٹی پراجیکٹ پر کام کیا جا رہا ہے جس میں ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ کا کچھ حصہ شامل ہے۔ **صنعت** سوات سیرامکس کامپلیکس شیدو **بجلی** نوشہرہ شہر اور نوشہرہ صنعتی علاقے کے درمیان ۱۳۲ کلوواٹ گرڈ کو توسیع دینے کا کام زیر تکمیل ہے۔ نوشہرہ میں نئے صارفوں کو بجلی کی تقسیم کی سہولتیں اور کنکشن دینے کا کام ہو رہا ہے۔ (ج) وفاقی حکومت ، صوبائی حکومت کی مدنظر اسکیموں کے علاوہ آئندہ اسکارپ پروگراموں میں خٹک نظامپور کے علاقے کو شامل کرنے کے بارے میں غور کرے گی۔ **پانی** سال رواں کے دوران سیم پر قابو پانے اور بحالی الاراضی کے چار منصوبوں (اسکارپ) اور سیم و تھور پر قابو پانے کے لئے تیز رفتار پروگرام پر کام ہو رہا ہے۔

نمبر شمار	منصوبہ کا نام	۷۶-۱۹۷۵ء کیلئے اسے ڈی پی کی طرف سے مختص (ملین روپے)
۱	پشاور سٹی یونٹ	۱.۵۰
۲	کافر ڈھیری یونٹ	۱.۰۰
۳	پہٹی یونٹ ایک اور دو	۱۱.۷۶
۴	بوشیخ پراجیکٹ	۱۳.۷۹

تحصیل نوشہرہ کے نئے کارخانے

نشاندار سوال ۳۲۴ ۰ ۵ رجولائی ۱۹۷۴ء : مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

کیا وزیر صنعت بیان فرمائیں گے کہ

(الف) آیا ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ میں کوئی نیا کارخانہ بنانے یا کچھ صنعتی پراجیکٹ شروع کرنے کی تجویز ہے، نیز (ب) اگر الف بالا کا جواب اثبات میں ہے تو اس نئے کارخانے یا پراجیکٹ کی نوعیت یا محلِ وقوع کیا ہے اور یہ کب قائم کئے جائیں گے ؟

جواب : جناب خورشید حسن میر

(الف) جی ہاں ۔ (ب) سرکاری شعبہ میں صحت و صفائی کا سامان اور دیوار کی ٹائلیں بنانے کے ایک بڑے صنعتی منصوبے کی منظوری دے دی گئی ہے جو رشید و تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں فیڈرل کیمیکل اینڈ سرامک کارپوریشن کی طرف سے قائم کیا جائے گا، ۱۹۷۵ء کے آخر تک اس منصوبے کے مکمل ہونے کا امکان ہے ۔

نجی شعبہ میں چمڑہ اور جوتے بنانے کا ایک یونٹ، آٹا پیسنے کا ایک کارخانہ اور دوائیں بنانے کا ایک یونٹ، تحصیل نوشہرہ میں بنانے کی منظوری دی گئی ہے ۔ امید ہے کہ پہلے دو منصوبے جلد اگلے سال کسی وقت مکمل ہو جائیں گے ۔ تیسرا منصوبہ حال ہی میں منظور کیا گیا ہے اور ایک یا دو سال میں مکمل ہو جائے گا ۔

صوبہ سرحد کے ملازم

نشاندار سوال ۴۷۲ ، ۲۴ رجولائی ۱۹۷۴ء : مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

کیا وزیر مالیات از راہِ کرم ارشاد فرمائیں گے کہ :

آیا یہ امر واقعہ ہے کہ نیشنل بنک آف پاکستان میں ملازم صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے افسران کو گذشتہ ۲۵ سال کے دوران کبھی بھی غیر ملکی برانچوں، ہیڈ آفس اور پرنسپل آفس میں تعینات نہیں کیا گیا ہے اگر ایسا ہے تو اس کی وجوہات کیا ہیں ؟

جواب : ڈاکٹر مبشر حسن

جی نہیں ۔

پشاور یونیورسٹی کا مالی بحران

نشان دار سوال ۱۶۴، یکم اپریل ۱۹۷۷ء، مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

کیا وزیرِ تعلیم ارشاد فرمائیں گے کہ :-

(الف) آیا حکومت اس وقت پشاور یونیورسٹی کو درپیش سنگین مالی بحران سے باخبر ہے اور

(ب) اگر مندرجہ بالا کا جواب اثبات میں ہے تو حکومت مذکورہ یونیورسٹی کو مالی امداد دینے کا ارادہ رکھتی ہے اور کس حد تک ؟

جواب : عبدالحفیظ پیرزادہ

(الف) جی ہاں - (ب) پشاور یونیورسٹی صوبائی حکومت کے تحت ہے - یونیورسٹی کو کئی برسوں میں خسارہ ہوا ہے تاہم خسارے کو اس حد تک پورا کرنے کے امکانات تلاش کئے جا رہے ہیں جس حد تک وفاقی حکومت کے وسائل اس کی اجازت دیتے ہیں -

پشاور یونیورسٹی کو صوبائی حکومت کی طرف سے فراہم کردہ رقوم کے علاوہ وفاقی حکومت نے یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی وساطت سے مختلف مدات کے تحت حسب ذیل رقوم دی ہیں -

۱۹۷۳ء - ۷۴	۱۷,۲۲,۰۰۰ روپے
۱۹۷۴ء - ۷۵	۲۰,۹۳,۸۳۰ روپے
۱۹۷۵ء - ۷۶	۱۹,۴۲,۴۴۳ روپے
میزان	۵۷,۵۸,۲۷۳ روپے

مزید برآں وزارتِ تعلیم نے یونیورسٹی گرانٹ کمیشن سے گذارش کی ہے کہ یونیورسٹی کو دس لاکھ روپے کی مزید رقم دی جائے -

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد پر جرح

قادیانی مسئلہ کے موقع پر قومی اسمبلی پر مشتمل خصوصی کمیٹی میں مرزا ناصر احمد پر جرح کے لئے آپ نے حسب ذیل سوالات داخل کئے۔

(۱) آپ نے اپنے بیان[1] کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے کہ پاکستان کے دستور اساسی میں دفعہ ۲۰ کے تحت ہر پاکستانی کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ جس مذہب کی طرف چاہے ہو۔ کیا آپ دستور میں یہ الفاظ دکھا سکتے ہیں ؟

(۲) کیا جماعتِ احمدیہ کی طرف سے کبھی کسی شخص کے جماعت سے خارج ہونے کا فیصلہ نہیں کیا گیا؟ مرزا بشیر الدین صاحب نے انوار خلافت میں صفحہ ۹۴ پر کہا ہے۔

"خلیفہ اول حکیم نورالدین صاحب نے ایک شخص کو اس بنا پر جماعت سے خارج کر دیا تھا کہ اس نے غیر احمدی سے اپنی لڑکی کی شادی کر دی ہے۔"

اور مرزا بشیر الدین صاحب نے بھی یہ اعلان کیا تھا کہ اگر کوئی اس حکم کے خلاف کرے گا تو میں اس کو جماعت سے نکال دوں گا۔ کیا آپ کے نزدیک یہ فیصلہ درست ہے۔

(۳) کیا آپ ہر کلمہ گو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے کو مسلمان سمجھتے ہیں؟

(۴) آپ نے اپنے بیان کے صفحہ ۹ پر لکھا ہے کہ بہتر فرقوں میں سے نجات یافتہ فرقہ نہ کثرت میں ہوگا نہ اپنی کثرت کو اپنے برحق ہونے کی دلیل ٹھہرائے گا۔ کیا آپ کی نگاہ میں وہ فرقہ اس کا مصداق ہوگا جس کی تعداد سب سے کم ہو؟

(۵) آپ ان غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں یا نہیں جو مرزا غلام احمد صاحب کے دعوؤں کو جھٹلاتے ہیں؟

(۶) منیر کمیشن کے سوالات کے جواب میں جماعت احمدیہ ربوہ کی طرف سے کہا گیا تھا۔ کہ مرزا غلام احمد کے ایک فتوے کی وجہ سے جو حال ہی میں دستیاب ہوا ہے ہم ان غیر احمدیوں کی نماز جنازہ پڑھنے لگے ہیں جو مرزا صاحب کو جھوٹا یا کافر نہ کہتے ہوں۔ اس بارے میں چند سوالات۔

---

[1] مرزا ناصر نے قومی اسمبلی میں اپنے موقف کے بارہ جو بیان پیش کیا تھا وہ مراد ہے۔

(الف) یہ فتویٰ دستیاب کب ہؤا تھا اور اس پر عمل کب شروع ہؤا؟

(ب) کیا آپ مرزا غلام احمد صاحب کو یہ مقام دیتے ہیں کہ جس کو وہ کافر کہہ دیں وہ کافر اور جس کو وہ مسلمان قرار دیں وہ مسلمان ہے؟

(ج) کیا اس فتوے کی وجہ سے مرزا غلام احمد صاحب حکیم نورالدین صاحب اور مرزا بشیر الدین صاحب کے سابقہ فتوے منسوخ قرار دیئے گئے ہیں؟

(د) کیا اب اس مسئلے میں آپ کا اور جماعتِ لاہور کا مسلک ایک ہو گیا ہے؟

(۷) اگر آج کوئی شخص جھوٹا دعویٰ نبوت کرے اور قطعی دلائل سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے تو وہ اور اس کے پیروکار آپ کے نزدیک مسلمان ہوں گے یا کافر؟

(۸) مسیلمہ کذاب آپ کے نزدیک کافر تھا یا مسلمان؟

(۹) آپ نے اپنے بیان میں صفحہ ۸۲ پر مرزا غلام احمد صاحب کی کتاب "حقیقت الوحی" سے یہ عبارت نقل کی ہے کہ "آپ یعنی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپؐ کی توجہِ روحانی نبی تراش ہے"؟

(۱۰) اگر اب تک آپؐ کی توجہِ روحانی نے سوائے مرزا غلام احمد صاحب کے کسی اور کو نبی نہیں بنایا۔ تو کیا خاتم النبیین کا مطلب مرزا صاحب کے مذکورہ قول کے مطابق یہی تھا کہ آپؐ کی مہرِ نبوت سے صرف ایک مرزا صاحب کو نبی بنایا جائے۔

(۱۱) آپ کی نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کس درجہ کی پیروی سے انسان نبی بن سکتا ہے؟

(۱۲) کیا آپ کی نظر میں انسان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اتباعِ محمدیؐ کے اس درجے کو پالے جو اسے نبی بنا سکے۔

(۱۳) صفحہ ۸۲ و ۸۳ پر مرزا صاحب کا یہ قول مذکور ہے کہ "علماءِ امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل" بھی حدیث میں آیا ہے۔ اگرچہ محدثین کو اس پر جرح ہے مگر ہمارا نورِ قلب اس حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے اور ہم بلاچون وچرا اس کو تسلیم کرتے ہیں"

تو کیا آپ کے نزدیک مرزا صاحب کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ جس حدیث کو چاہیں اپنے نورِ قلب سے صحیح اور جسے چاہیں غلط قرار دیں۔

(۱۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کچھ لوگ تشریعی نبوت کے مدعی ہو گئے۔ جیسے صالح بن طریف اور بہاء الحق بابی اور بعض نے غیر تشریعی نبوت کے دعوے کئے جیسے ابو عیسٰی وغیرہ، ان سب کے جھوٹا ہونے کی کیا دلیل ہے جب کہ وہ بھی ظلی بروزی اور مجازی نبی وغیرہ کی تاویلات کر چکے ہوں یا کر سکتے تھے؟

(۱۵) نبوتِ غیر مستقلہ کے ملنے کا معیار اور ضابطہ کیا ہے؟

(۱۶) کیا صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی اس معیار پر پورا نہ اتر سکا جس کی وجہ سے باوجود افضل الامۃ ہونے کے تمام صحابہؓ نبوتِ غیر مستقلہ کے شرف سے محروم رہے۔

(۱۷) کیا اس چودہ سو برس کے طویل عرصہ میں صحابہ کرامؓ، تابعین اور مجددین میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں گزرا جو مرزا غلام احمد کے ہم پلہ ہوتا اور نبوتِ غیر مستقلہ پاتا۔

قادیانی مسئلہ میں لاہوری پارٹی پر جرح

قومی اسمبلی پر مشتمل خصوصی کمیٹی نے قادیانی مسئلہ پر غور کے دوران قادیانیوں کے دونوں دھڑوں (لاہوری اور ربوائی) کے سربراہوں کو اسمبلی میں طلب کیا اور اٹارنی جنرل کے توسط سے ان پر جرح کی گئی۔ شیخ الحدیث مدظلہ نے بھی دونوں سربراہوں پر جرح کے نوٹس دیئے تھے جن میں اکثر قبول کر لئے گئے اور ان سے استفادہ کیا گیا۔ لاہوری جماعت کے سربراہ مرزا صدر الدین پر جرح کے لئے آپ نے حسب ذیل سوالات کا نوٹس دیا تھا۔

(۱) کیا آپ اور آپ کی جماعت مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام دعوؤں پر ایمان رکھتی ہے؟

(۲) کیا آپ مرزا غلام احمد قادیانی کو وہی مسیح موعود مانتے ہیں جن کے آنے کی خبر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی؟

(۳) کیا آپ یہ مانتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنی تصانیف میں جو کچھ لکھا ہے وہ اسلام کے مطابق اور صحیح ہے؟

(۴) کیا آپ کے نزدیک مرزا صاحب بحیثیت مسیح موعود حضرت مسیح علیہ السلام یا کسی اور نبی سے افضل تھے؟

(۵) آپ نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ "مرزا صاحب دوسرے مسلمانوں کی طرح شروع میں حیاتِ مسیح ہی کے قائل تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی وحی نے آپ کو توجہ دلائی کہ قرآن وحدیث سے وفاتِ مسیح ثابت ہے" نیز آگے لکھا ہے کہ "اب بھی اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا صاحب کو وحی سے علم دیا کہ مسیح جو دوبارہ آنا تھا وہ اصل مسیح نہیں بلکہ اس کے مثل ایک روحانی ہستی نے آنا تھا"

اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا آپ کے نزدیک مرزا صاحب پر نازل ہونے والی وحی ان کے اور ان کے متبعین کے لئے واجب الاتباع ہے؟

(۶) آپ نے مرزا صاحب کی ایک عبارت مجموعہ اشتہارات ج ا ص۹۷ سے نقل کی ہے جس میں مرزا صاحب نے تمام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اگر وہ ان الفاظ سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں میں یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے نبی کے محدّث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھے مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے"

(الف) کیا مرزا صاحب نے اپنی اس تحریر کے بعد اپنے لئے لفظ "نبی" لکھنا چھوڑ دیا تھا؟

(ب) کیا اس تحریر کے بعد مرزا صاحب نے اپنی سابقہ کتابوں میں لفظ "نبی" کو بدل کر "محدّث" لکھدیا تھا؟

(۷) کیا آپ کی جماعت کے امیر اوّل محمد علی لاہوری صاحب اور ان کے رفقاء نے مرزا صاحب کے لئے کبھی لفظ "نبی" استعمال کیا ہے؟

(۸) کیا آپ آج بھی مرزا صاحب کے لئے کسی بھی معنی کے لحاظ سے لفظ "نبی" کا استعمال درست سمجھتے ہیں؟

(۹) جس معنی میں مرزا صاحب نے اپنے لئے لفظ "نبی" بکثرت استعمال کیا ہے اگر آج کوئی شخص اسی معنی کے لحاظ سے اسی کثرت سے لفظ "نبی" استعمال کرے تو کیا آپ اسے جائز سمجھیں گے؟

(۱۰) آپ نے ص؟ پر لکھا ہے کہ "جس طرح عیسائیوں نے غلو کر کے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا حقیقی بیٹا بنا لیا۔ اسی طرح مثلِ مسیح یعنی حضرت مرزا صاحب کو بھی آپ کے ماننے والوں کی اکثریت نے غلو کر کے مجدّد کے عہدہ سے بڑھا کر نبی بنا لیا" (نعوذ باللہ)

تو کیا جماعت ربوہ جس نے آپ کے خیال میں یہ غلو کیا ہے ایک غیر نبی کو نبی ماننے کی بناء پر کافر ہے؟

(۱۱) اگر جماعت ربوہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے تو کیا آپ کے نزدیک یہ مناسب ہوگا؟

(۱۲) آپ نے اپنے پیش کردہ بیان کے صفحہ ۹ پر لکھا ہے کہ حیاتِ مسیحؑ کے عقیدے سے نہ صرف حضرت مسیحؑ کی برتری بلکہ خدائی ثابت ہوتی ہے۔ تو کیا جو لوگ حیاتِ مسیحؑ کے قائل ہیں وہ آپ کی خدائی ثابت کرنے کی وجہ سے کافر ہیں؟

(۱۳) آپ نے بیان کے صفحہ ۱۱ پر مرزا صاحب کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی کلمہ گو کو کافر کہنا خود کہنے والے پر کفر کو لوٹا دیتا ہے۔ تو کیا وہ تمام لوگ جو مرزا صاحب کو کافر کہتے ہیں آپ کے نزدیک کافر ہیں؟

(۱۴) جو شخص مرزا صاحب کو ان کے دعوؤں میں جھوٹا قرار دے وہ آپ کے نزدیک مسلمان ہے یا کافر؟

(۱۵) آپ نے صفحہ ۱ پر لکھا ہے کہ "شروع سے ہمارا عقیدہ یہ رہا ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے"۔ اس عقیدے کی روشنی میں اگر کوئی شخص کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھے اور اس پر ایمان کے اقرار کے ساتھ ساتھ نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ آپ کے نزدیک مسلمان ہوگا یا نہیں؟ جبکہ خود آپ نے صفحہ ۲ پر مرزا صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر، کاذب اور خارج از دائرۂ اسلام ہے؟

(۱۶) (الف) آپ نے صفحہ ۱۱ سے صفحہ ۱۳ تک مرزا صاحب اور ان کے متبعین کے بارے میں بہت سے لوگوں کی آراء نقل کی ہیں۔ کیا آپ یقین اور ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ساری نقول اور حوالے درست ہیں؟

(ب) کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ سب لوگ ہمیشہ اسی رائے پر قائم رہے ہیں جو آپ نے ان کی طرف منسوب کی ہے اور کبھی انہوں نے اپنی رائے تبدیل نہیں کی؟

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی مشترکہ قرارداد

> مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے بشمول حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ (۳۰ر جون ۱۹۷۴ء) اسمبلی کے ۳۷ ارکان نے جو قرارداد پیش کی اس کا متن یہ ہے۔

جناب اسپیکر، قومی اسمبلی پاکستان

محترمی! ہم حسب ذیل تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

ہرگاہ کہ یہ ایک مکمل مسلمہ حقیقت ہے کہ قادیان کے مرزا غلام احمد نے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کیا، نیز ہرگاہ کہ نبی ہونے کا اس کا جھوٹا اعلان، بہت سی قرآنی آیات کو جھٹلانے اور جہاد کو ختم کرنے کی اس کی کوششیں، اسلام کے بڑے احکام کے خلاف غداری تھیں۔

نیز ہرگاہ کہ وہ سامراج کی پیداوار تھا اور اس کا واحد مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنا اور اسلام کو جھٹلانا تھا۔

نیز ہرگاہ کہ پوری اُمتِ مُسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار، چاہے وہ مرزا غلام احمد مذکور کی نبوت کا یقین رکھتے ہوں یا اسے اپنا مصلح یا مذہبی رہنما کسی بھی صورت میں گردانتے ہوں، دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

نیز ہرگاہ ان کے پیروکار چاہے انہیں کوئی بھی نام دیا جائے مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر اور اسلام کا ایک فرقہ ہونے کا بہانہ کرکے اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

نیز ہرگاہ کہ عالمی مسلم تنظیموں کی ایک کانفرنس میں، جو مکہ المکرمہ جیسے مقدس شہر میں الرابطہ العالم الاسلامی کے زیرِ انتظام ۶ر اور ۱۰ر اپریل ۱۹۷۴ء کے درمیان منعقد ہوئی اور جس میں دنیا بھر کے تمام حصوں سے ۱۴۰ مسلمان تنظیموں اور اداروں کے وفود نے شرکت کی، متفقہ طور

پر یہ رائے ظاہر کی گئی کہ قادیانیت اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ایک تخریبی تحریک ہے جو
جو ایک اسلامی فرقہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔

اب اس اسمبلی کو یہ اعلان کرنے کی کارروائی کرنی چاہیئے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار
انہیں چاہے کوئی بھی نام دیا جائے مسلمان نہیں اور یہ کہ قومی اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا
جائے تاکہ اس اعلان کو مؤثر بنانے کے لئے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایک غیر مسلم اقلیت
کے طور پر ان کے جائز حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے احکام وضع کرنے کی خاطر آئین میں
مناسب اور ضروری ترمیمات کی جائیں۔ (۳۰ر جون ۱۹۷۴ء)